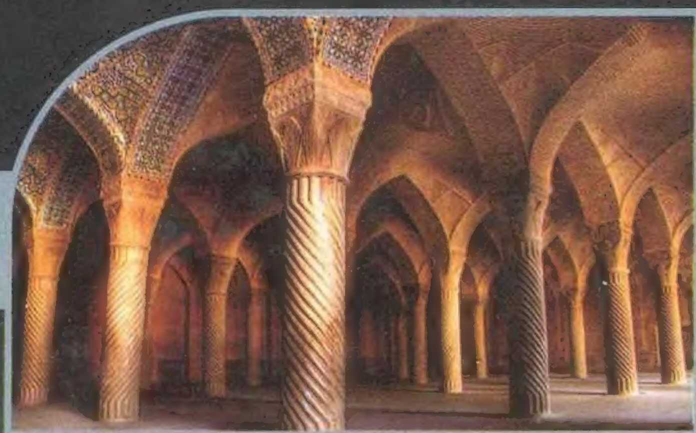
اللّٰھم اجعلہ ھادیاً مھدیاً واھدِ بہٖ (الحدیث)

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

گمراہ کُن غلط فہمیوں کا اِزالہ



تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

صدر وفاق المدارس پاکستان

تصنیف

محمد ظفر اقبال

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهِ (الحدیث)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں

گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ

یہ کتاب کسی غالی دشمن کی کارستانی کا نہیں ..... بلکہ
ایک نادان دوست کی خامہ فرسائی ..... بلکہ ستم رانی
کا چشم کشا اور حقیقت افروز جواب ہے

تصنیف
محمد ظفر اقبال

تقریظ
شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب
صدر وفاق المدارس | پاکستان

مکتبہ عمر فاروق

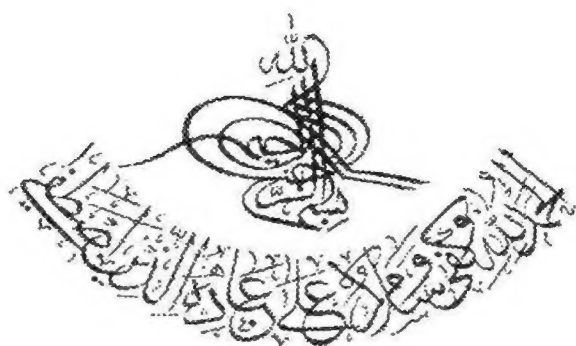
4/501 شاہ فیصل کالونی ○ کراچی
فون: 4594144

نامِ کتاب .... سیّدنا معاویہ ؓ ـــ گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ
مؤلِف .... محمد ظفر اقبال
ناشر .... مکتبہ عمر فاروق (بالمقابل جامعہ فاروقیہ
شاہ فیصل کالونی نمبر۴، کراچی نمبر۲۵)
اشاعتِ اوّل .... صفر المظفر ۱۴۲۷ ہجری/مارچ ۲۰۰۶ عیسوی
ضخامت .... ۳۲۰ صفحات
قیمت ....

قارئین کی خدمت میں

کتاب ہٰذا کی تیاری میں تصحیحِ کتابت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو التماس ہے کہ ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ان اغلاط کا تدارک کیا جاسکے۔

۔جزاء کم اللّٰہ تعالیٰ جزاءً جمیلاً جزیلاً۔



نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه

ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا

من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له

ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له

ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله

صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه اجمعين



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس سعیٔ ناچیز کو خال المؤمنین، کاتبِ وحی، جلیل القدر صحابی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی امیر المؤمنین سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور سبطِ اکبر، ریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نوجوانانِ جنت کے سردار امیر المؤمنین سیّدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں...... جنھوں نے اپنے طویل اختلافات کو ختم کرتے ہوئے اُمت کے منتشر شیرازہ کو یکجا کر کے پھر سے ملّی اتحاد فراہم کیا، حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم کارنامے پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو ''سیّد'' فرمایا اور یہیں سے ساداتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا سلسلہ شروع ہوا، وہ شخص ہرگز ''سیّد'' کہلانے کا مستحق نہیں جو صلحِ امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے نالاں ہو...... باقی ۔

ہمارے پاس ہے کیا، جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں !

۵

فہرستِ عنوانات

مضامین | صفحہ

مضامین صفحہ

مضامین صفحہ

مضامین | صفحہ

مضامین صفحہ

مضامین صفحہ

مضامین — صفحہ

مضامین | صفحہ

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

حرفِ سپاس

ناچیز مؤلف کا قلب وقلم بارگاہِ ذوالمنن میں تشکر کے احساس سے سربہ سجود اور اس کی زبان ترانۂ حمد وثنا سے زمزمہ سنج ہے کہ اس نے محض اپنے لطف وکرم اور جود وعطا سے اسے ایک جلیل القدر صحابی، کاتبِ وحی اور سرورِ کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی، خال المسلمین، امیر المؤمنین، سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے مناقب ودفاع کی توفیق مرحمت فرمائی، جن کی عالی مرتبت شخصیت کو مسخ کرنے اور ان کے کردار کو ہدفِ تنقید بنانے کے لیے حدودِ انصاف تو دور کی بات ہے حدودِ شرافت وانسانیت کا بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا، جس کی ہر صاحبِ عقل وخرد اور مادۂ انصاف کے حامل شخص سے توقع کی جاسکتی ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

سیّدنا علی مرتضیٰ اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا شمار تاریخِ اسلام کی ان انتہائی مظلوم شخصیات میں ہے جن کی عظمت وعبقریت کو مسلکی جذبہ کے تحت افراط وتفریط، انتشار وتشتت اور افتراق و اختلاف کے دبیز پردوں میں چھپانے کی پوری کوشش کی گئی ہے اور ہر فریق اُنھیں اپنے زاویۂ نگاہ، فکری محور، روایتی عقائد اور مخصوص افکار ونظریات کی عینک لگا کر دیکھتا ہے، یوں ان دونوں بزرگوں کی پوری شخصیت مختلف بلکہ متبائن نقطہ ہائے نظر اور متضاد تصورات وخیالات کا مجموعہ بن گئی ہے، ہر فریق نے اپنے خود ساختہ تحقیقی وتخلیقی معیار کے مطابق ان کی شخصیت کا جو خاکہ اپنے قلب وذہن کی لوح پر کھینچا ہے وہی اس کے نزدیک ان بزرگوں کی ''حتمی تصویر'' ہے خواہ ان بزرگوں کی اصلی وحقیقی تصویر اس خیالی اور خود وضع کردہ خاکے سے کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو۔

ان حالات میں حضرت سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے مناقب

ودفاع میں قلم اٹھانا، احقاقِ تحقیق کی راہ اور افراط وتفریط کے کانٹوں سے اپنے دامن کو الجھائے بغیر ساحلِ مراد پر پہنچنا آسان کام نہ تھا تاہم مؤلف راقم سطور نے سخت آزمائش، عنداللہ جواب دہی کے خوف اور اس کے اَجر کے اُمید میں اپنے علمی وتحقیقی سفر کا آغاز کیا اور اس بات کی مقدور بھر کوشش کی کہ ''اعتماد علی السلف'' کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے لیکن اگر پھر بھی اس کوتاہ قلم کے قلم سے کوئی بات حضراتِ سلفِ صالحین رحمہم اللہ کے موقف کے خلاف (نادانستہ طور پر) نکل گئی ہو تو یہ ناکارہ اس سے رجوع اور برأت کا اعلان پہلے کرتا ہے اور تحقیق نشاندہی کے بعد کرے گا۔

سلسلۂ کلام طویل ہوتا جارہا ہے لیکن راقم یہاں اپنے اس دُکھ اور درد کا اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ روافض کی چیرہ دستیوں اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرّا وتنقید کے ردِ عمل میں خود کو اہلِ سُنّت والجماعت سے منسوب کرنے والے پُر جوش اور جوشیلے نوجوان (ہی نہیں بلکہ بعض اہل علم کہلانے والے بھی) اس مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ وہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ اور سیّدین حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے (بہ خیالِ خویش) نقائص ومعائب کی تلاش وجستجو میں لگ گئے ہیں اور اسے -نعوذ باللہ- بہت بڑی علمی خدمت اور عقائدِ اہلِ سُنّت والجماعت کے تحفظ وسداد کا ضامن وذریعہ سمجھتے ہیں...... پھر اس کے ردِ عمل میں اہلِ سُنّت والجماعت ہی سے خود کو منسوب کرنے والا ایک اور طبقہ (جو بجائے اس کے کہ سنجیدہ علمی وتحقیقی انداز میں ان بزرگوں پر واردکردہ اعتراضات ومعائب سے ان کی صفائی بیان کرتا) یزید کی آڑ لے کر سیّدنا معاویہ اور سیّدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخیاں کرتا ہے اور اسے حضراتِ علی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم پر (ایک طبقہ کی طرف سے) ناروا تنقید وافترا کا جواب تصوّر کرتا ہے...... بات رفتہ رفتہ اختلاف سے مخالفت اور تصلّب سے تعصب تک جا پہنچی ہے اور بدقسمتی سے اس تمام تر انتہا پسندی اور تحزب کا اظہار روافض ونواصب کے ساتھ ساتھ اہلِ سُنّت والجماعت کہلانے والے حلقوں کی طرف سے بھی ہو رہا ہے حالانکہ اہلِ سُنّت والجماعت کو روافض ونواصب خذلھم اللہ سے یہی شکایت تو ہے کہ وہ رسولِ اقدس ﷺ کے محبوبوں کی تنقیص کر کے آپ ﷺ کی ایذا رسانی کا باعث بنتے ہیں جس سے سلبِ ایمان کا خطرہ ہے آج اگر خود کو اہلِ سُنّت سے منسوب کرنے والے لوگ بھی یہی کام کرنے لگ جائیں تو پھر ہم میں اور روافض ونواصب میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟

حضراتِ اہلِ سُنّت والجماعت رحمہم اللہ کا ابتدا ہی سے روافض ونواصب سے جلی پیرائے میں اختلاف رہا ہے اور اکابرِ اُمّت نے ہمیشہ حضراتِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے گرد بچھائے

گئے تبرّے کے ایک ایک کانٹے کو چنا ہے اوران بزرگوں پر لگائے گئے ہر ہر الزام و بہتان کا ایسا منہ توڑ اور دندان شکن جواب دیا ہے کہ پوری اُمّت اس خدمت پر ان کی ممنونِ احسان اور خوشہ چین ہے، لیکن کیا مجال ہے کہ روافض کی تردید کرتے ہوئے ان کے قلم سے کوئی ایسا جملہ صادر ہو جائے جس سے اشارے وکنائے میں بھی اہلِ بیتؓ کی تنقیص مترشح ہوتی ہو یا نواصب کی تردید کرتے ہوئے ان کے موئے قلم سے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی درجہ میں بھی موردِ اعتراض وطعن ٹھہریں آج خود کوسُنّی کہلانے والے حلقوں کی طرف سے رافضیت وناصبیت کی تردید کا جوطریقہ اختیار کیا جارہا ہے اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے......

ع حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

الغرض اہل سُنّت والجماعت سے خود کو منسوب کرنے والے یہ دونوں طبقے اہلِ سُنّت کے مجموعی اور مستند موٴقف اوران کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں، اعتدال وتوسّط ہی مسلکِ اہلِ سُنّت کا طغرۂ امتیاز ہے یہاں نہ روافض کا سا افراط ہے اور نہ ہی نواصب کی سی تفریط، ان کے ہاں حضراتِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں کوئی منافات نہیں دونوں یکساں طور پر واجب الاحترام ہیں اوران میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص قابلِ ملامت و بیزاری ہے......

ع دونوں پہ ہم کو ناز ہے دونوں پہ افتخار

میں نہایت دل سوزی اور دردمندی کے ساتھ ان دونوں طبقوں کی خدمت میں ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں اللہ کے واسطے اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی فرمائیں اور یہ سوچیں کہ آپ لوگ حضراتِ صحابہ کرام یا اہلِ بیت رضی اللہ عنہم پر تنقید وتبرّا کر کے (غیر شعوری طور پر ہی سہی) کن کے بازو مضبوط کررہے ہیں اور کس مسلک کی جڑیں کھوکھلی کررہے ہیں اور سب سے بڑھ کر کس ذاتِ مقدّس (فداہ امی وابی وروحی وقلبی) کے قلبِ اطہر کو ایذا وتکلیف پہنچارہے ہیں، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہلِ بیت اور صحابہ ؓ دونوں پیارے ہیں، جو آپ کی رسالت ونبوّت کے عینی شاہد، اس کے اوّلین مصدِّق ومبلّغ، آپ کی جاں گُسل جگر کاوی وکیمیاگری کے بے مثل شاہکار، آپ کی کمالِ مردم سازی اور انقلابِ آدم گری کی محکم دلیل اور پروردۂ بہارِ نبوّت ہیں، اہلِ سُنّت والجماعت کا تو امتیاز وافتخار ہی یہ ہے کہ ہم حضراتِ صحابہ واہلِ بیت (رضی اللہ عنہم) دونوں کے غلام ہیں، اگر اصحابِ اخیار (رضی اللہ عنہم) ہمارے نزدیک ''نجومِ رُشد وہدایت'' ہیں تو

اہلِ بیتِ اطہار (رضی اللہ عنہم) ''سفینۂ نجاتِ وفلاح'' ، یہ سب کے سب ہدایت کے دمکتے ہوئے ستارے اور گلستانِ رسالت ؐ کے مہکتے ہوئے پھول ہیں، جن میں پہلے اور بعد میں ایمان لانے والوں اور بڑے چھوٹے کی (باوجود فرقِ مراتب کے) کوئی تحدید و تخصیص نہیں، گزشتہ پوری اُمتِ مسلمہ انہی مقدّس نفوس کے نشانِ قدم کی پیروی کے باعث ابدی و سرمدی سعادت و کامرانی سے سرفراز ہوئی ہے اور آنے والی پوری اُمت اُنہی کے نقشِ پا سے اپنی راہیں ڈھونڈنے کی محتاج ہے، اگر کوئی سیاہ بخت اور کور باطن ان سے بے نیاز ہوگا تو کبھی منزلِ مراد تک نہیں پہنچ سکے گا، ربّ العزت ہمیں ان حضرات کے قدموں میں جگہ دے، ان کی حقیقی محبت سے ہمارے دلوں کو معمور و مزیّن فرمادے، ہمیں ان کی کامل اتباع کی توفیق ارزانی فرمادے کہ ان حضرات کی اتباع واطاعت اور ان سے سچی محبت وعقیدت ہی دنیا وآخرت میں اقبال مندی اور حقیقی کامیابی وکامرانی کی ضامن ہے۔

خدایا بہ حقِ بنی فاطمہؓ
کہ بر قولِ ایماں کنم خاتمہ

بہر حال اس انتہائی جذباتی اور شدید ردِّ عمل کی تردید و مذمت میں اس ناکارہ کو جو کچھ عرض کرنا تھا وہ کر چکا ہے، ناچیز راقم سطور ہر دو طبقوں سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ ان معروضات پر ٹھنڈے دل اور کھلے دماغ سے ضرور غور کریں گے، اور اگر ایسا نہ ہو تو ہم بارگاہِ ایزدی میں یہی فریاد کرتے ہیں۔

یارب وہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو، جو نہ دے مجھ کو زباں اور

جہاں تک پیشِ نظر عجالہ کا تعلق ہے تو ناچیز مؤلف اپنی عاجزانہ لیکن مخلصانہ کاوش کو ملّتِ اسلامیہ کے غیور اور انصاف پسند علمی و دینی حلقوں کی خدمت میں بغرضِ اصلاح پیش کر رہا ہے۔ راقم السطور کو اس بات کا اعتراف واقرار ہے کہ محورِ سخن انتہائی نازک اور غایت احتیاط وعدمِ جذباتیت کا متقاضی ہے، اس لیے اگر اس کوتاہ قلم کے قلم سے کوئی بات ڈھنگ کی نکل گئی ہو تو اسے قبول فرماتے ہوئے حق تعالیٰ شانہٗ کا فضل اور میرے اکابر کی کرامت تصوّر فرمائیں اور اگر کوئی غلطی یا لغزش نظر آئے (جو کہ بعید از امکان وقیاس نہیں) تو اصلاح سے دریغ نہ فرمائیں:

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الاِصْلَاحَ مَااسْتَطَعْتُ وَمَاتوفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ.

راقم السّطور محدّثِ جلیل حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب متع اللہ المسلمین بطول بقاۂ و نفعنا وسائر الطالبین باقوالہ واحوالہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہدالرّاشدی صاحب دامت برکاتہم، محترم ومکرّم جناب جاوید امیر عثمانی صاحب مدظلہم اور جناب مولانا اسلم شیخوپوری زید مجدہم کا نہایت ممنونِ احسان ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے انتہائی قیمتی اور مصروف ترین اوقات واشغال میں سے وقت نکال کر ناچیز مؤلّف کی روکھی پھیکی تحریر کو نہ صرف ملاحظہ فرمایا بلکہ اس کی ہمت کو بڑھاتے ہوئے اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس بضاعتِ مزجات کو اپنی پُرزور تائیدات وتقریظات سے نوازا، اللہ پاک ان بزرگوں کے حسن ظن کو راقم کے حق میں قبول فرمائے ،ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے اور راقم کو ان کے گراں قدر علوم ومعارف سے کماحقہٗ استفادہ واستفاضہ کی توفیق مرحمت فرمائے - آمین بجاہ خاتم النبیین ؐ - ساتھ ہی اپنے رفقاء جناب سلیمان عامرؔ صاحب اور جناب گل محمد صاحب کا شکریہ ادا نہ کرنا احسان ناشناسی ہوگی جنھوں نے اس کتاب کی تصحیحِ کتابت کا کٹھن مرحلہ راقم کے ہمراہ نہایت جاں فشانی سے طے کیا، اللہ انہیں جزاء خیر سے نوازیں، آمین ۔

آخر میں ـــ نہ کہ آخری بار ـــ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عجالہ کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے ۔ راقم، اس کے والدین اور اساتذہ کے لیے دنیا وآخرت میں اپنی رضا ورضوان کا سبب اور وسیلہ بنادے، جس عالی مقصد کے پیشِ نظر یہ بسیط مقالہ سپردِ قلم کیا گیا ہے اس مقصد کے لیے نافع بنادے، اگر یہ رسالہ کسی سلیم الفطرت، صاحبِ ایمان وصاحب ضمیر کے دل کی سرد انگیٹھی کو گرمادے، اس میں مقام وشرفِ صحابیت سے محبت وآگہی کی ایک چنگاری بھی بھڑکادے اور اس کی لاعلمی یا غلط فہمی کو رفع کرنے میں کسی درجہ میں بھی کوئی مدد واعانت کرسکے تو اس کی محنت سوآرت ہے اور اگر مؤلّف کی یہ حقیر سی کوشش وکاوش (جس میں مؤلّف کا ذاتی کوئی کمال نہیں بلکہ اس نے جو کچھ اکابر کی کتابوں میں پڑھا ہے اس کو اِدھر اُدھر سے نقل کردیا ہے) مقامِ صحابیت کے دفاع خصوصاً امیرالمؤمنین سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بارے میں پھیلائے گئے شکوک وشبہات کے ازالہ کی خدمت کے مبارک وزرّیں سلسلہ میں کوئی جگہ پاسکے تو اس سے بڑھ کر مسرّت وشادمانی اور کیا ہوسکتی ہے؟......

ع بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

اور اگر راقم السطور کو فردائے قیامت حضرات صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے خدّام کی جوتیوں میں بھی جگہ مل جائے تو اس کے لیے یہ سرمایہ ہفت اقلیم کی دولت سے بہتر و برتر ہے......

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

مقطعِ سخن پر مقامِ صحابیت کو مجروح ومخدوش کرنے والوں اور حضراتِ صحابہ واہلِ بیت رضی اللہ عنہم پر بے لاگ نشتر زنی کرنے والوں سے ایک بات کہہ کر اجازت چاہتا ہوں کہ:

''اے دشمنانِ صحابہ واہلِ بیت! تم اُمتِ مسلمہ کے دلوں میں فروزاں مقام وتعظیمِ صحابیت کے ''چراغِ مصطفویؐ'' کو اپنی کمزور اور ناتواں پھونکوں سے بجھانے کی ناکام ونامراد سعی کر رہے ہو......

ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یکے از خدّام صحابہؓ واہلِ بیتؓ

محمد ظفر اقبال عفا اللہ عنہ دعافاہ

نوٹ: راقم السطور اس بات کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ اس کتاب کے کچھ صفحات (۲۷۴-۲۹۰) ہمارے ممدوح تقریظ نگاروں، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب اور حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہما کے ملاحظہ سے نہیں گذر سکے، کیونکہ ان صفحات کا اضافہ نظرِ ثانی کے وقت ہوا ہے، لہٰذا جب تک یہ حصہ ان کی نظر سے نہ گذر جائے اتنے حصے کو ان بزرگوں کی تقریظ اور پیش لفظ سے مستثنٰی سمجھا جائے۔

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذي رضي لنا بالإسلام ديناً وبخير الأنام وصفوةِ خلقه نبيًّا وبصحابة نبيّه أعواناً وأنصاراً، والصلاة والسّلام على سيّد الرُّسُل وخاتمِ الأنبياء محمد المصطفى والمجتبىٰ وعلى آله وصحبه الذين اختارهم الله تعالىٰ لصحبة نبيّه وإقامةِ دينه من جميع أمّته، وبعد:

جناب محمد ظفر اقبال صاحب زادت مکارمہٗ ودامت فضائلہٗ نے پیر نصیر الدین صاحب کی کتاب ''نام ونسب'' پر تبصرے کے لیے یہ کتاب ''سیّدنا امیر معاویہ ؓ ــــ گمراہ کُن غلط فہمیوں کا ازالہ'' تصنیف کی ہے، موصوف نے تحقیق کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت، محبت اور ان کی عبقریّت ایسے جامع اور منفرد انداز میں بیان کی ہے کہ منصف مزاج قاری کے لیے اقرار واعتراف کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا، بالخصوص حضرت امیر معاویہ ؓ پر پیر نصیر الدّین کے اعتراضات کے جواب میں جن حقائق سے پردہ اٹھایا ہے وہ حصہ اس کتاب کا ''شاہ کار'' کہلانے کا مستحق ہے...... اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

اس مختصر تحریر میں کتاب کے محاسن پر گفتگو کی گنجایش نہیں ہے، بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب لاجواب ہے اور اس سے پہلے اس موضوع پر ایسی جامع تصنیف نظر سے نہیں گزری۔ اللہ تعالیٰ اس کو حسنِ قبول عطا فرمائیں، مصنّف کے لیے یہ صدقۂ جاریہ بنے اور خلقِ خدا کو اس سے خوب خوب فائدہ پہنچے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

سلیم اللہ خان
مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
۱۴۲۵/۱۲/۱۲ھ ـ ۲۰۰۵/۱/۲۳ء

تقریظ

حضرت مولانا اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہم

کیا نظر تھی ہمارے آقا ﷺ کی ، آپ ﷺ نے اپنی خداداد بصیرت سے جان لیا تھا کہ ایسے دریدہ دہن لوگ آئیں گے جو آپ ﷺ کے محبانِ باصفا اور یارانِ باوفا کو تنقید کا نشانہ بنائیں گے ، وہ اپنی خطاؤں ، نجاستوں اور کمزوریوں کی فکر کرنے کی بجائے اُمتِ مُسلِمہ کے اوّلین محسنوں کے عیوب تلاش کریں گے، اسی لیے آپ ﷺ نے بڑے مؤکد انداز میں فرمایا:

> ''میرے صحابہ ؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، مکرر کہتا ہوں میرے صحابہ ؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد اُنھیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا''۔

قرآن کریم میں مؤمنوں کی جتنی صفات اور اخلاق بیان کیے گئے ہیں اور ان کے لیے جتنی بھی بشارتیں ذکر کی گئی ہیں وہ ساری بشارتیں اور صفات سب سے پہلے صحابہ ؓ کے لیے ثابت ہوں گی بعد میں کسی اور کے لیے ہوں گی ، اگر قرآن یہ کہتا ہے کہ مؤمن سچے ، نیکوکار ، متقی ، شب بیدار ، متواضع ، فیاض ، صاحبِ ایثار اور باہم محبت کرنے والے ہوتے ہیں ، ان کے لیے اَجرِ عظیم ، مغفرت اور ہدایت ، رحمت اور بشارت ، جنت اور عزت ہے، تو یہ ساری خصوصیات اور عظمتیں عبّاد و زہّاد ، اقطاب وابدال اور مفسّرین ومحدّثین کے لیے بعد میں ثابت ہوں گی ، سب سے پہلے یہ بشارتیں اور علامتیں صحابۂ کرام ؓ کے لیے ثابت ہوں گی ، خدانخواستہ اگر وہ ہدایت اور ایمان سے محروم تھے تو پھر دنیا میں کسی کو بھی ہدایت اور دولتِ ایمان نہیں مل سکی۔

وہ مظلوم صحابہ ؓ جنھیں ردّ وقدح اور سبّ وشتم کا نشانہ بنایا گیا ان میں کاتبِ وحی امیر المؤمنین سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کا اسمِ گرامی سرِفہرست ہے ، چاہیے تو یہ تھا کہ اُن کے بیس سالہ دورِ خلافت اور اُن کی زیرِ قیادت حاصل ہونے والی شاندار فتوحات اور اسلامی ریاست کی توسیع وترقی کو قرنِ اوّل کے مسلمانوں کے ایک قابلِ فخر اور یادگار کارنامے کے طور پر پیش کیا جاتا ، اُن کی

قائدانہ صلاحیتوں اور ایمانی اخلاق کو اُجاگر کیا جاتا، لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ ان کی ذات پر اس قدر کیچڑ اُچھالا گیا کہ غیر تو غیر اپنے بھی اُن کا نام لیتے ہوئے شرم محسوس کرنے لگے، بات صرف سرورِ دو عالم ﷺ کے برادرِ نسبتی تک محدود نہ رہی بلکہ بنواُمیہ کے سارے حکمرانوں کے بارے میں ذہنوں میں یہ بٹھا دیا گیا کہ وہ سب ظالم اور غاصب تھے، تاریخ پر ستم ڈھانے اور حقائق کا چہرہ مسخ کرنے والوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ اپنے محسنوں کے دامن داغ دار کر رہے ہیں، اس لیے کہ جن علاقوں میں وہ آباد ہیں اُنھیں اسلام کے زیرِ نگیں لانے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ بنواُمیہ کا ہاتھ ہے، کیونکہ اُن کے دور میں اسلامی ریاست کی سرحدیں افریقہ، یورپ اور ایشیا کے دور دراز علاقوں تک پھیل ہی چکی تھی، بعد میں ان سرحدوں میں جو توسیع ہوئی یہ توسیع بھی بنواُمیہ کی کاوشوں کی مرہونِ منّت ہے۔

محترم جناب مولانا ظفر اقبال صاحب زید مجدہم نے زیرِ نظر کتاب میں ایک ایسے صاحبِ قلم کے افکار و خیالات کی مدلّل اور معتدل تردید فرمائی ہے جو یوں تو سُنّی اور عاشقِ صحابہؓ ہونے کے دعویدار ہیں لیکن ''نام و نسب'' کے عنوان سے لکھی جانے والی اُن کی کتاب کے بعض مندرجات اُن کے دعوے سے لگّا نہیں کھاتے، حضرتِ امیر معاویہ ؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے قلم نے قدم قدم پر ٹھوکر کھائی ہے، اندیشہ تھا کہ ان کی تحریر سے متاثر ہو کر بعض اہلِ سُنّت بھی حضرت الامیر کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہو جائیں اس لیے مولانا محترم نے ازحد محنت کے ساتھ ان پر نقد کیا ہے لیکن اعتدال کا دامن نہیں چھوڑا اور نہ ہی سوقیانہ زبان استعمال کی ہے، مؤلّف کو نہ صرف قلم اور جذبات پر بلکہ اپنے موضوع پر بھی پوری گرفت حاصل ہے اس لیے وہ اپنے قارئین کو مطمئن اور قائل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں، تعصّب سے دامن بچا کر کتاب کا مطالعہ کرنے والے حضرات اپنے آپ کو میری رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور پائیں گے۔

خاکپائے غلامانِ صحابہؓ
محمد اسلم شیخوپوری

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی بندہ زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ اور "سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ" آپ کی تالیف نظر نواز اور باعث تشکر ہوئی، جزاکم اللہ تعالیٰ۔ بندہ پوری کتاب سے استفادہ کرنے سے تو ابتک محروم رہا، لیکن جستہ جستہ مقامات پر نظر ڈالی تو آپکیلئے دعا نکلی کہ آپ نے ایک مظلوم صحابی کے دفاع میں بڑی محنت سے قلم اٹھایا، اور تہذیب و شائستگی کے ساتھ ان پر عائد کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا۔ باقاعدہ تقریظ لکھنے کیلئے تو پوری کتاب کے مطالعے کی ضرورت ہے جس سے ابھی تک محروم ہوں، لیکن اپنا یہ اجمالی تأثر آپ تک پہنچا کر دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپکی اس کاوش کو قبول فرمائیں، اور اسے نافع بنائیں۔ آمین۔

والسلام

بندہ

۲۳/۳/۱۴۲۲ھ

پتہ

مولانا ظفر اقبال صاحب

مکتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۴/۵۰۱ شاہ فیصل کالونی کراچی

پیش لفظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب*

نحمده تبارک و تعالیٰ ونصلی ونسلم علی رسوله

الکریم وعلیٰ آله وأصحابه واتباعه أجمعین.

امیر المومنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تاریخ اسلام کی ان عظیم شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اسلامی ریاست کی توسیع وترقی اور دنیا میں اسلام کے غلبہ واستحکام کے لیے شاندار خدمات سرانجام دی ہیں اور ان کا بیس سالہ دورِ خلافت جہاں ملت اسلامیہ کی وحدت کی علامت ہے وہاں اسلام کی دعوت اور دائرہ اثر کو دنیا کے مختلف اطراف میں پھیلانے کا ذریعہ بھی ہے۔ وہ صحابی رسول ﷺ ہیں، کاتب وحی ہیں، جناب نبی اکرم ﷺ کے برادر نسبتی ہیں اور ان کا شمار دنیائے عرب کے ممتاز دانشوروں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ ان کا علم، بردباری اور معاملہ فہمی ہمیشہ مسلم رہی ہے اور انہوں نے جس تدبر و دانش کے ساتھ بیس برس تک پوری امت مسلمہ کی قیادت کی ہے وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، وہ ایک حاکم اور قائد ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد بھی تھے۔ جن کے اجتہادی مقام و مرتبہ کا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی اعتراف پایا جاتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ مجتہد جب کسی مسئلہ میں رائے قائم کرے گا تو اس میں صواب اور خطا دونوں کا احتمال موجود ہوگا۔ ان کے اجتہادات میں بعض معاملات کے حوالہ سے ان کے معاصر مجتہدین نے اختلاف بھی کیا ہے اور ان کے بعض تفردات بھی ہیں جو ہر صاحب اجتہاد کا حق ہوتا ہے۔

مگر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعض اجتہادی فیصلوں کو ایک مخصوص حلقے کی طرف سے مختلف ادوار میں اعتراض وتنقید بلکہ طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے اور اس کا تسلسل اب بھی قائم ہے جو علم اور دیانت دونوں کے تقاضوں کے منافی ہے اور اس لحاظ سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی ایک انتہائی مظلوم شخصیت ہیں کہ ان کے ساتھ مؤرخین اور ناقدین کے ایک بڑے گروہ نے انصاف نہیں کیا۔

نہ صرف سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ بنواُمیہ کا پورا دورِ حکومت اس نوع کے اعتراضات کی زد میں ہے۔ حالانکہ اُموی حکومت کو تاریخ میں یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کے دور میں اسلام کا دائرہ اور اسلامی ریاست کی سرحدیں افریقہ، یورپ اور ایشیا کے دور دراز علاقوں تک پھیلیں۔ اس نے عالمی قیادت میں روم وفارس کی حکومتوں کے خاتمہ سے پیدا ہونے والے خلا کو پُر کیا اور جزیرۂ

عرب کی اسلامی حکومت کو عملاً ایک عالمی طاقت کی شکل دے دی۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے طرزِ حکومت میں اسلامی احکام وقوانین اور جناب نبی اکرم ﷺ کی سنت واسوہ کی پاسداری کس حد کرتے تھے، اس کا اندازہ ترمذی شریف کی اس روایت سے کیا جا سکتا ہے کہ

ایک بار رومیوں کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کچھ عرصہ کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔ جس کی مدت ختم ہونے سے قبل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے فوجوں کی کمان کرتے ہوئے اس خیال سے روم کی سرحد کی طرف روانہ ہوگئے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے قبل سرحد تک پہنچ جائیں گے اور اس کے بعد کسی بھی کارروائی کے لئے آزاد ہوں گے۔ مگر ابھی راستہ میں ہی تھے کہ صحابیٔ رسول ﷺ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ پیچھے سے انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ لشکر تک پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جناب نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے آگاہ کیا کہ اگر تمہارا کسی قوم کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو تو مدت ختم ہونے سے قبل اپنی فوجوں کو حرکت میں نہ لاؤ۔ یہ سنتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدم نہ صرف رُک گئے بلکہ انہوں نے فوجوں کو دمشق کی طرف واپسی کا حکم دے دیا۔

اسی طرح امام طبرانیؒ اور امام ابویعلیٰؒ نے اپنی مسند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے جس کی سند کے بارے میں امام ہیثمیؒ نے (مجمع الزوائد...... جلد ۵، صفحہ ۲۳۶) میں لکھا ہے کہ ''رجالہ ثقات''. واقعہ یہ ہے کہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک روز جمعہ کے خطبہ میں خلاف معمول یہ بات کہہ دی کہ ''بیت المال اور غنیمت کا مال ہماری مرضی پر موقوف ہے جسے ہم چاہیں گے دیں گے اور جسے نہیں چاہیں گے نہیں دیں گے۔'' ان کی اس بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ دوسرے جمعہ کو پھر انہوں نے یہ بات دہرائی۔ پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ لیکن جب تیسرے جمعہ کو وہی بات پھر کہی تو ایک شخص درمیان سے کھڑا ہوگیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوکر بولا کہ:

''ہر گز نہیں! بیت المال اور غنیمت کے اموال ہم سب مسلمانوں کے ہیں جو شخص ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہوگا ہم تلوار کے ساتھ اس سے محاکمہ کریں گے۔

جمعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے پاس بلالیا۔ کچھ لوگ اس خیال سے پیچھے پیچھے چل پڑے کہ اگر کوئی سختی کی بات ہوئی تو وہ سفارش کریں گے۔ مگر اندر گئے تو دیکھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا رکھا ہے اور اس کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ لوگ جب وہاں پہنچے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں نے جناب نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد ایسے حکمران بھی آئیں گے جو جو چاہیں گے کہہ دیں گے، کوئی ان کی روک ٹوک کرنے والا

نہیں ہوگا۔ایسے حکمران جہنم میں بندروں کی طرح چھلانگیں لگاتے پھریں گے۔ چنانچہ میں نے اس خیال سے یہ بات جمعہ کے خطبہ میں کہہ دی کہ مجھے کوئی شخص ٹوکتا ہے یا نہیں۔ جب پہلے جمعہ پر کسی نے نہ ٹوکا تو مجھے پریشانی ہوئی۔اس لیے دوسرے جمعہ کو میں نے پھر بات دہرائی۔ پھر بھی کوئی نہیں بولا تو میری پریشانی میں اضافہ ہوگیا۔مگر آج جب میں نے تیسری بار وہی بات کہی تو اس شخص نے کھڑے ہوکر مجھے ٹوک دیا۔ جس سے مجھے تسلی ہوئی کہ میرا شمار ان حکمرانوں میں نہیں ہوگا:

"فأحياني أحياه الله"

"اللہ تعالیٰ اسے زندہ رکھے،اس نے مجھے زندگی بخش دی ہے"۔

جس شخصیت کا یہ مزاج ہو کہ وہ ارشادِ نبوی ﷺ سن کر فوجوں کو فوری واپسی کا حکم دے دے اور جو خود کو نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی روشنی میں پرکھنے کا یہ ذوق رکھتا ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کس قدر زیادتی کی بات ہے کہ اس نے قرآن وسنت کے احکام کو تبدیل کر دیا اور -نعوذ باللہ -انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔

اس پس منظر میں ہمارے فاضل اور عزیز دوست جناب محمد ظفر اقبال کی یہ تصنیف سیدنا امیر معاویہ ﷜ کے دفاع کی ایک قابل قدر کوشش ہے۔جس میں انہوں نے گولڑہ شریف کے سجادہ نشین جناب صاحبزادہ سید نصیر الدین نصیر صاحب کے بعض افکار کا جائزہ لیا ہے اور دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح کی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کیے جانے والے اعتراضات کا ایک بڑا حصہ وہ ہے جو محض ضد اور عناد کی وجہ سے ان کی مخالفت میں سازش کے تحت پھیلا دیا گیا ہے اور بعض باتیں ایسی ہیں جو اجتہادی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔مگر معترضین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادی مقام ومرتبہ کو نظر انداز کرتے ہوئے بلاوجہ انہیں موردِ اعتراض ٹھہرالیا ہے۔اللہ تعالیٰ ظفر اقبال صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں اور انہیں اس خدمت کو جاری رکھنے کی توفیق دیں۔آمین یارب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی

سیکریٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل۔

خطیب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ۔

۱۰ مارچ ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی من لانبی بعدہ.

ایک مُسلّمہ اصول ہے جسے فراموش کر کے کوئی شخص ہمارے نظامِ مراتب کی ضروری معرفت نہیں حاصل کرسکتا ـــــــ حق سے نسبت ثابت ہوجائے تو چیزوں کا تعارف ان کی انفرادی حیثیتوں سے نہیں بلکہ اس نسبت سے کروایا جائے گا جو اُنھیں ایک محکم بنیاد پر حق سے متعلق اور اُس پر قائم کرچکی ہے۔ بالفاظِ دیگر، شے اپنی اصل سے واصل ہوجائے تو مدارِ تعریف ذاتیات نہیں رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحبت یافتگان کے لیے وصول الی الحق کا منتہا بداھۃً ثابت ہے اور یہی ان کی اساسِ تشخص ہے۔ تمام اہلِ بیت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بلاشبہ مجمعِ فضائل ہیں۔ لیکن ان کے علوے مرتبت کی حقیقی بلکہ واحد بنیاد وہ خاص الخاص نسبت ہے جو اُنھیں سیّد الکل ﷺ سے میسّر ہے اور اس میں کوئی طبقہ ان کا شریک نہیں ہے۔ ان کے ذاتی اوصاف اور شخصی کمالات ان کے مرتبے میں اضافہ تو کرتے ہیں مگر اس کی اساس نہیں ہیں۔ اسی طرح بعض نقائص کا ثبوت وصدور بھی ان کی مطلق فضیلت اور سعادت کو مجروح نہیں کرسکتا۔ غرض کوئی کمال اتنا بلند نہیں کہ صحابیت کا مرتبہ نیچے چلا جائے، اور اسی طرح کوئی نقص بشرطِ ایمان اتنا مؤثر نہیں کہ صحابیت کی مستقل فوقیت وفضیلت کی نفی ہوجائے۔

بعض گروہ تعلق بالرّسول ﷺ کے اس بنیادی تقاضے سے منہ موڑ کر ایک ایسے راستے پر چل رہے ہیں جس پر پڑنے والا ہر قدم سرورِ کونین ﷺ سے مزید دور کردیتا ہے۔ اوروں کا تو کیا رونا، خود اہلِ سُنّت میں ایسے لوگ داخل ہوگئے ہیں جو صحابیت کے تقدیری شرف سے یا تو نابلد ہیں یا کسی باطنی روگ کی وجہ سے اس پر راضی نہیں ہیں۔ ان میں سے بیشتر حضرات تصوّف کی آڑ لیے ہوئے ہیں، جس میں مولائے مومنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور آپ

سے ارادت و محبت اس روایت میں وہی درجہ رکھتی ہے جو لفظ میں معنی اور جسم میں روح کا ہے۔ ایسی فضا ظاہر ہے بعض تخریبی کارروائیوں کے لیے خاصی سازگار ہے۔ خصوصاً حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان خبث دراز کرنے کے مواقع وافر ہیں۔ ان حضرات نے بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو حُبِّ علی رضی اللہ عنہ کی شرط ٹھہرا رکھا ہے اور مروّجہ خانقاہی ماحول میں جو عملاً قرآن و سُنّت کے انکار پر مبنی ہے، ان کی بات سنی بھی جاتی ہے۔ پیری مریدی کے موجودہ مظاہر، الا ماشاء اللہ، جن اسباب و اغراض سے پیدا ہوئے ہیں ان میں ایک بھی دینی اور روحانی نہیں ہے۔ ''پیر'' کو ہر قیمت پر اپنی اتھارٹی منوانی ہے، اور یہ اتھارٹی بھی باعتبارِ نوعیت مافوق الانسانی ہے۔ چونکہ سیّدنا و مولانا علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی کے گرد نہایت ہوشیاری اور تسلسل کے ساتھ ایک داستانی ہالہ بنایا جا چکا ہے، لہٰذا خود کو پجوانے کی خواہش رکھنے والے اس طبقے نے آنجناب کے نامِ مبارک کو اپنی ڈھال بنایا ہوا ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ یہ لوگ جس علی کے نام لیوا بنتے ہیں وہ ان کے تصوّر کی تخلیق ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس علی میں اور نصاریٰ کے مسیح میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں غیر حقیقی ہیں۔ ان لوگوں کی منطق کے مطابق حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما سے ھما شما کا اختلاف بھی کوئی ایسی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر کفر و ایمان کی بحث چھڑ جائے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ادنیٰ سا اختلاف بھی ایک کفریہ حرکت ہے۔ خواہ یہ اختلاف کسی صحابیؓ نے ہی کیوں نہ کیا ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی میں خدائی اور پیغمبری دونوں جمع کر دی گئیں ہیں اور ظاہر ہے مجمعِ الوہیّت و رسالت سے کون اختلاف کر سکتا ہے؟

صحابہ رضی اللہ عنہم من حیث الطبقہ مساوی ہیں۔ ہر صحابیؓ دوسرے سے اختلاف کا پورا حق رکھتا ہے، یہ اختلاف صحیح بھی ہو سکتا ہے اور نادرست بھی۔ ایک عورت مہر کے مسئلے پر مُحدَّثِ اُمّت سیّدنا و سندنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے روبرو ان پر معترض ہو سکتی تھی تو قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے اہم ترین مسئلے پر حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی تجویز کے خلاف پر اصرار کیوں نہیں کر سکتے تھے؟ اس نزاع میں ان کا صحیح یا غلط ہونا بعد کی بات ہے، پہلے تو یہ طے ہو جانا چاہئے کہ اس اختلاف کا اُنھیں حق حاصل تھا جو ممکن ہے غلط استعمال ہوا ہو۔ کیا قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ دینی ضرورت نہ تھا؟ کیا اس ضرورت پر اصرار کوئی غیر دینی حرکت تھی؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ممکن ہے اس اصرار کو کوئی ایسی صورت دے دی ہو جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے فہمِ دین اور فہمِ مصالح کے مقابلے میں فروتر ہونے کی وجہ سے ناقابلِ قبول گردانی گئی ہو۔ تاہم اس سے زیادہ سے زیادہ کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ

یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ جس کا اُنھیں اجر بہرحال ملے گا اور یہی اہل سُنّت و جماعت کا مستند مؤقف ہے۔ کاش! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی شرط لگا کر قاتلینِ عثمان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کی ذمہ داری سونپ دی جاتی تو آج بدعقیدگی، گمراہی اور تفرقے کی بیشتر صورتیں جنم ہی نہ لیتیں اور اسلام کے عالم گیر غلبے کا وہ سفر بھی نہ رکنے پاتا جو سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خاصا آگے بڑھا دیا تھا۔ بلاشبہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ نے اُمت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ پھر اُسے علی رضی اللہ عنہ جوڑ سکے نہ معاویہ رضی اللہ عنہ۔

''سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ــــ گمراہ کُن غلط فہمیوں کا ازالہ'' کا مسوّدہ مطالعے سے گزرا تو مجھے ایک شدید جذبۂ احسان مندی محسوس ہوا کہ بحمداللہ محمد ظفر اقبال صاحب نے حُبِّ رسول ﷺ اور فکرِ اسلام کے ایک بنیادی اقتضا کو پورا کرنے کا عزم کیا اور اسے خوبی و مہارت کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اُنھیں اس عظیم خدمت کا بہترین اجر عطا فرمائیں اور دونوں جہاں میں اپنے پسندیدہ اور برگزیدہ بندوں کی صف میں رکھیں۔ آمین۔

میں ظفر اقبال صاحب کے حالات سے بے خبر بلکہ صورت تک سے آشنا نہیں ہوں، بس اتنا معلوم ہے کہ مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ سے علاقۂ ارادت رکھتے ہیں، استاذ العلما حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب متعنا اللہ بفیوضہم کے التفات یافتہ ہیں اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ سے فیض اُٹھانے والوں کے حلقے میں ایک امتیازی حیثیت کے ساتھ شامل ہیں، علمائے حق کے بڑے طبقے میں جانے جاتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ نے ضروری علم کے ساتھ ساتھ وہ مزاج بھی عطا فرمایا ہے جو دین سے وابستگی میں رسوخ و دوام پیدا کرنے کے لیے لازماً درکار ہے۔ اسلاف کے عاشق ہیں، ان کی تحریر دیکھ کر اور گفتگو سن کر مجھ نا کارۂ محض کو بھی کچھ کرنے کی اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے جو بے استعدادی اور نالائقی کی وجہ سے عمل میں آنے سے رہ جاتی ہے۔ شیخ القرآن مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ''ایمان کی سلامتی اور دین پر استقامت کے لیے دو چیزیں نہایت ضروری ہیں۔ فکرِ آخرت اور اعتماد علی السّلف۔'' ظفر اقبال صاحب کا ''اعتماد علی السّلف'' تو اس کتاب ہی سے ظاہر ہے۔ فکرِ آخرت بھی ان شاء اللہ اعلیٰ درجے پر ہوگی۔ کیونکہ سلف کے پیچھے چلنے والا فکرِ آخرت سے عاری نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنے بزرگوں سے یہی سیکھا ہے کہ اسلاف کی اتباع سے نکل جانے والا یقیناً بندۂ نفس ہوتا ہے اور طالبِ دنیا۔ ایسا شخص ہمیشہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ سیاہ کار کے اگلے پچھلے گناہ معاف

فرمائیں اور گرتے پڑتے ہی سہی مرتے دم تک سلف کے راستے پر رکھیں۔ آمین۔

اس کتاب کی تالیف کا فوری محرّک یہ بنا کہ گولڑہ شریف کے پیرزادے سیّد نصیر الدّین صاحب نصیر گیلانی نے حضرت بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عالی نسبی کے اثبات میں ایک ضخیم کتاب ''نام و نسب'' کے عنوان سے تحریر کر کے شائع فرمائی۔ اس میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں سخت نامناسب اور قابلِ رد رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور ایسی عبارت آرائی کی گئی ہے جو کوئی مسلمان گوارا نہیں کر سکتا۔ ظفر اقبال صاحب نے انہی عبارتوں کو نقد و جرح کا ہدف بنایا ہے اور یہ اہتمام رکھا ہے کہ مدارِ استدلال وہی رہے جو ''نام و نسب'' کا ہے۔ اس کاوشِ اشتراک سے جرح کا میدان تو تنگ ہو گیا لیکن دلیل کی تاثیر یقیناً بڑھ گئی۔

مُصنّف ''نام و نسب'' کا موقف یہ ہے کہ:

۱۔ بنو اُمیہ، بنو ہاشم کے ساتھ بغض میں سخت تھے اور یہ حدیث سے ثابت ہے۔

۲۔ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی تمام روایات جعلی ہیں۔

۳۔ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں بدعات کو رواج دیا۔

۴۔ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے منکر تھی۔

۵۔ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے امامِ حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔

۶۔ امامِ حسن اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا معاہدۂ صلح مبنی بر کدورت تھا۔

۷۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت لایقِ اتباع نہیں۔

۸۔ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ بعض خطوطِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب ہیں، کاتبِ وحی نہیں۔

۹۔ جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ''شرفِ صحابیت'' ثابت ہے۔

پیر صاحب نے بنو اُمیہ کے بارے میں عموماً اور جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خصوصاً جن جارحانہ تحقیقات اور تاثرات کا اظہار فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے خیال میں بنو اُمیہ اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدح دراصل اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کی قدح ہے۔ بالفاظ دیگر اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور بنو ہاشم سے محبت کا دعویٰ اسی صورت میں سچا ہو سکتا ہے کہ بنو اُمیہ اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تحقیر و توہین کی جائے۔ اس پر ظفر اقبال صاحب نے عمدہ گرفت کی ہے اور تحقیق کے اعلیٰ معروضی معیار پر رہتے ہوئے بنو اُمیہ کے بعض جلیل القدر افراد کی دینی حیثیت اور خدمات گنوائی

ہیں۔ پیر نصیر الدّین صاحب نسبی تفاخر کو دینی جذبہ سمجھ کر بنواُمیّہ کی دشمنی میں اس حد تک چلے گئے ہیں کہ اُنھیں یہ یاد دلانا ضروری تھا کہ اہانت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہو یا حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی، یکساں طور پر واجب الرّد ہے۔ نفسِ حُرمت میں تمام صحابہ ؓ ایک درجے پر ہیں۔

''نام و نسب'' میں بنواُمیّہ اور یزیدِ شقی کے بارے میں جو تین احادیث نقل کی گئی ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ پیر صاحب حدیث کا ضروریِ علم اور ذوق بھی نہیں رکھتے۔ علم ہوتا تو اس باب میں حاکم نیشاپوری کی روایت پر تکیہ نہ کرتے اور ذوق ہوتا تو یزیدِ شقی کے نام کی صراحت سے گھڑی جانے والی روایتوں کو قبول نہ کرتے۔ حضرت کی استعدادِ تحقیق بھی ایسی ہے کہ ''اسعاف الراغبین'' کو اس نازک مبحث میں اپنا ماخذ بنانا قبول کر لیا۔ محمد ظفر اقبال صاحب نے حاکم کی روایت پر ایسی جرح کی ہے کہ اس سے احتجاج کا ہر راستہ بند ہو گیا۔ ماشاءاللہ۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور احادیث کی صحت کا انکار اگر ایک لائقِ اعتماد فنی نہج پر کیا جاتا تو اس کے معنی ہرگز وہ نہ ہوتے جو پیر صاحب نے سمجھے اور سمجھائے ہیں۔ مناقب کی اکثر احادیث صحت کے مرتبے پر پوری نہیں اترتیں اور جعل و وضع کا جتنا کام سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب کے باب میں ہوا ہے اس سے زیادہ وضع و جعل کا ثبوت کسی اور کے لیے پیش نہیں کیا جا سکتا۔

بلکہ بالفاظِ دیگر یوں کہنا بھی درست ہے کہ حضراتِ محدّثین رحمہم اللہ کی تحقیق کے مطابق سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں منقول احادیث کا موضوع ہونا اتنی ہی صحت اور شدّت کے ساتھ ثابت ہے جو کہ خبرِ متواتر کے ثبوت میں درکار ہوتی ہے۔ اس کے باوجود علمائے اہلِ سُنّت نے کبھی سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مراتب و فضائل کو اس بہانے سے موضوعِ بحث نہیں بنایا، یہی رویّہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلے میں کیوں نہیں اختیار کیا جاتا؟ اور ویسے بھی فضیلتِ اصلی یعنی صحابیت کے ثابت ہونے کے بعد دیگر فضائل کا تحقق صحت سے فروتر درجات میں بھی لائقِ قبول ہے۔

اسی طرح جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو 'بانیِ بدعات' باور کروانے کے لیے پیر صاحب نے جو قصہ چھیڑا ہے، ظفر اقبال صاحب نے اس کی جڑ بنیاد اکھاڑ کر پھینک دی ہے۔ خصوصاً مولانا محمد نافع صاحب کی محوّلہ عبارات تو ایسی ہیں کہ پیر صاحب کی بھی فلاح و ہدایت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

مولانا جامیؒ سے منسوب ایک شعر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں صف آرا ہونے کو جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے منکر کہا گیا ہے۔ صوفیہ سے عملی ارادت رکھنے والے طبقے میں یہ حوالہ ہولناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔ اس لیے ظفر اقبال صاحب نے اس پر محققانہ انداز سے خاصی تفصیل

کے ساتھ کلام کر کے ایک تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچائی کہ جن حضراتِ صوفیہ کو عام وخاص میں قبول حاصل ہے، ان کے نام سے بدعقیدہ لوگوں نے کئی ایسے خیالات اپنی طرف سے گھڑ کے شائع کر دیے جن سے یہ حضرات بالکل بری تھے، اور دوسرے یہ اصول واضح کر دیا کہ شرعی اُمور میں کوئی قول محض اس بنیاد پر حجت نہیں بن سکتا کہ اس کی نسبت کسی بڑے صوفی سے ثابت ہے۔ اگر بالفرض خطائے منکر کا قول جامی ہی سے صادر ہوا ہو، تو بھی اسے رد کیا جائے گا۔

ویسے میری ناچیز رائے میں صوفیانہ احوال ومعارف اور مقامات وکمالات کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے کہ علماء کو اس پر ویسی ہی نظر ڈالنی چاہیے جیسی کہ امام ابنِ جوزیؒ اور امام ابنِ تیمیہؒ کی تنقیدوں میں ملتی ہے۔ ان احوال ومعارف کا ضرر، ان کے نفع سے کہیں زیادہ ہے۔ بہر حال یہ ایک الگ موضوع ہے۔

''نام ونسب'' میں ''جناب حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس نے دیا؟'' کے عنوان سے ایک سخت دل آزار اور بے بنیاد فصل شامل ہے۔ جس میں ایک بچکانہ چالاکی کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو، معاذ اللہ، قاتلِ حسنؓ بنا دیا گیا ہے۔ ظفر اقبال صاحب نے اس بہتان کا جو تیا پانچا کیا ہے وہ دیکھنے کے لائق ہے۔ نصیر صاحب کے تاریخی بُتوں کو جس طرح ایک ایک کر کے گرایا ہے، اس پر اُنھیں بہت بڑے اجر کی امید رکھنی چاہیے۔

میں جب ''نام ونسب'' کا یہ حصہ پڑھ رہا تھا تو بار بار دل میں یہ تقاضا پیدا ہو رہا تھا کہ نصیر الدین صاحب سے عرض کروں کہ جناب! ہم سے تو چاہے لکھوا لیجیے یا کہلوا لیجیے کہ حسنین الکریمین رضی اللہ عنہما کے قاتلوں پر، ان کے حامیوں پر اور اس فعل پر راضی ہونے والوں پر، اگر انھوں نے مقبول توبہ نہیں کی تو خدا کی مار۔ کیا یہی بات آپ قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کے باب میں کہہ سکتے ہیں کہ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر، ان کے حامیوں پر اور اس فعل پر راضی ہونے والوں پر، اگر اُنھوں نے مقبول توبہ نہیں کی تو، خدا کی مار؟

پیر نصیر الدین صاحب نے بغضِ معاویہؓ کی کھائی میں ورود کرتے ہوئے جو کرتب دکھائے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امامِ حسن رضی اللہ عنہ اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا معاہدۂ صلح مبنی برکدورت تھا۔ اس دعوے کی اساس اُنھوں نے قربِ قیامت کی نشانیوں کے بیان پر مشتمل ایک طویل حدیث کے ایک ٹکڑے پر رکھی ہے۔ ہوائے عداوت کی پیروی میں پیر صاحب کو یہ تک یاد نہ رہا کہ ایک غیر متعلق روایت سے بے محل احتجاج کر کے وہ ایک حدیثِ صحیح کی مخالفت کے مرتکب ہو رہے ہیں! ظفر اقبال صاحب نے، ماشاء اللہ، اس الزام کے تار و پود بھی پوری مہارت

اور قوّت کے ساتھ بکھیر دیے ہیں۔ ''صلح بر کدورت کا الزام'' والا باب توجہ سے پڑھ لیا جائے تو ان شاء اللہ بغضِ معاویہؓ کے بنائے ہوئے تمام ہوائی قلعے مسمار کیے جاسکتے ہیں۔

جنابِ معاویہ ؓ کی امارت کے بارے میں صحیح قول تو یہی ہے کہ اسے خلافتِ راشدہ (موعودہ) میں شامل نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس سے یہ مطلب نکال لینا غلط ہوگا کہ جناب کا دور بعد والوں کے لیے بہمہ وجوہ لائقِ اتباع نہیں رہا۔ ظفر اقبال صاحب نے اس غلط فہمی کا جس خوبی سے ازالہ کیا ہے وہ بہتوں کی رہنمائی کرسکتا ہے۔ ''عہدِ خلافتِ سیّدنا معاویہ ؓ کے لائقِ اتباع نہ ہونے کا الزام'' اس کتاب کے اہم ترین ابواب میں سے ایک ہے۔ ظفر اقبال صاحب نے اس حقیقت کو انکار سے محفوظ رکھنے کے لیے دلائل واسناد کا انبار لگادیا ہے کہ حضرتِ معاویہ ؓ کا دور، خلافتِ راشدہ سے وہی فرق رکھتا ہے جو حسن اور احسن میں پایا جاتا ہے۔ یہ فرق یقیناً بہت بڑا ہے مگر اس کی بنیاد تضاد وتخالف پر نہیں ہے، یعنی مادّۂ خلافت دونوں ادوار میں ایک ہی ہے لیکن کمالات میں تفاوت کے ساتھ۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ حضرتِ معاویہ ؓ کے دورِ خلافت کا انکار کرنے کے بعد یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آدمی، چار خلفاء میں دائر، خلافتِ راشدہ کو تسلیم کرنے پر قائم رہ سکے۔

''نام ونسب'' میں بغضِ معاویہ ؓ کا آخری حربہ یہ آزمایا گیا ہے کہ: ''حضرت معاویہ ؓ بعض خطوطِ نبویہؐ کے کاتب تھے، البتہ صحیح قول کے مطابق کاتبِ وحی نہ تھے''۔ جناب ظفر اقبال نے یہ حربہ بھی بے اثر اور ناکام بنادیا۔ اساطینِ حدیث وتاریخ کی مستند اور معروف کتابوں سے محکم حوالوں کا ایک ڈھیر لگادیا ہے جو حضرت معاویہ ؓ کے کاتبِ وحی ہونے کی صراحت کرتے ہیں۔ ابھی بفضلہٖ تعالیٰ یہ نوبت نہیں آئی کہ پیر صاحب کا ''صحیح قول'' ابنِ حزمؒ، خطیب بغدادیؒ، حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ، امام ذہبیؒ وامثالھم کے مقابلے میں ٹھہر سکے۔

غرض نصیر الدین صاحب نے حضرت معاویہ ؓ پر جرح کے جتنے دروازے کھولے ہیں اس کتاب میں انہیں مضبوطی سے بند کردیا گیا ہے۔ مدافعت کا پورا اسلوب اور تحقیق کا سارا انداز سلف کے طریق پر ہے اور یہ اس کتاب کی سب سے بڑی قوت اور خوبی ہے۔ سلف کو سند بنائے بغیر ردّ وقبول کا کوئی بھی عمل دینی وثوق سے محروم رہ جاتا ہے۔

آخر میں یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ پیر نصیر الدین صاحب نے ردِّ شیعیت میں جس صلابت اور جوش کا مظاہرہ کیا ہے وہ واقعی بڑی جرأت اور حمیّت کی بات ہے۔ خصوصاً جن حالات میں وہ رہتے ہیں، وہاں ایسی باتیں لکھنا خاصا مشکل کام ہے۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ وہ خود ایک ایسی

ابتلا کی لپیٹ میں آئے ہوئے ہیں جس کے قیام اور پھیلاؤ میں سب سے بڑا کردار اسی شیعیت کا ہے، جس پر ''نام ونسب'' میں نفرین کی گئی ہے۔ میری مراد تفضیلِ علیؓ کے عقیدے سے ہے، جو تشیع کی اصل ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ فتنوں سے پاک ماحول میں تفضیلِ علیؓ کا قول قابلِ اعتراض نہ ہوتا اور اسے محض رائے کے درجے پر رکھا جاتا، لیکن ہماری صورت حال میں جو صدیوں سے جاری ہے، یہ قول رائے نہیں ہے بلکہ باقاعدہ ایک عقیدہ بن چکا ہے، جیسے عقیدۂ ختمِ نبوت۔ اس کی بنیاد پر طولِ تاریخ میں فتنہ وفتور کے سوا کچھ ظہور میں نہیں آیا۔ اب اس کی تردید ایک دینی ضرورت ہے۔ اس اعتقاد ہی نے یہ جسارت پیدا کی ہے کہ آدمی اس طرح کے بے اصل بلکہ ہادمِ دین دعوؤں پر اتر آئے کہ:

''حقیقت کلیہ اور تجلیِ اوّل میں قبولِ فیض کے لحاظ سے تمام حقائق سے قریب تر حقیقتِ محمدیہ ﷺ ہے، اور اس کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی حقیقت ہے''۔

(مہر منیر، مولانا فیض احمد فیض..... ص ۲۳)

وہ شخص اندھا ہے جو اتنا بھی نہ دیکھ سکے کہ اس افیونی معرفت میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضراتِ انبیا علیہم السلام سے بھی بڑھا دیا گیا ہے۔

اس طرح کے اعتقادات کے ہوتے ہوئے پیر صاحب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت واحترام کا جو دعویٰ بھی کرتے ہیں اس میں خواہ مخواہ ایک تصنع اور تکلف سا محسوس ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جناب کی اس رباعی ہی کو لے لیں جو سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی منقبت میں ہے:

مخدومِ صحابۂ نبیؐ بالتحقیق	انکار کنندہ اش لئیم و زندیق
بنتش چو گہر بہ سلکِ ازواجِ رسول	بنگر بنگر بہ شانِ صدیق عتیقؓ

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا محترم پیر صاحب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بھی صحابہؓ میں شمار کرتے ہیں؟

اسی طرح ایک جگہ خواجہ حسن نظامی کی شگفتہ بیانی کا عنوان لگا کر اس مسخرے جیفہ خوار کی دریدہ دہنی سے صادر ہونے والے ایک نجس فقرے کا جو دفاع کیا گیا ہے، وہ سخت افسوس ناک ہے:

''(حکیم فیض عالم صدیقی کا بیان ہے)..... کسی نے خواجہ حسن نظامی سے پوچھا کہ معاویہ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ تو اس نے جواب دیا: وہ تو یزید کے بھی

باپ تھے..... خواجہ صاحب مرحوم کے اس فقرہ پر اگر غور کیا جائے تو اس میں ایک شاعرانہ بات پائی جاتی ہے جو ان کی ذہانت و فطانت کی غمازی کرتی ہے...... خواجہ صاحب نے یہی تو کہا تھا کہ جناب امیر معاویہؓ تو یزید کے بھی باپ ہیں..... اگر کوئی یہ پوچھے کہ حضرت علی ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تو یہ کہا جائے کہ بھائی ان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ وہ تو حسنؓ و حسینؓ کے بھی باپ تھے۔ تو اس میں ہمارے لیے کوئی وجہ رنجش نہیں...... اس سے معلوم ہوا کہ خود خارجیوں کے نزدیک بھی یزید بدکردار اور بدسیرت انسان ہے......"۔

(نام ونسب..... ص ۵۳۶۔۵۳۵)

ہم تو سمجھتے تھے کہ شعر و ادب سے تعلق رکھنے کی بدولت پیر صاحب اردو اچھی جانتے ہوں گے۔ مگر یہ عبارات بتا رہی ہیں کہ ہمارا گمان غلط تھا۔ ان کا استدلال ہی کمزور نہیں ہے، زبان دانی کا بھی یہی حال ہے۔ تعجب ہے ایک غلط بات کی پچ میں انہیں اتنا بھی احساس نہ رہا کہ وہ سیدنا علی ﷺ اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں! "علیؓ تو حسنؓ و حسینؓ کے بھی باپ تھے"، لاحول ولا قوۃ، اس فقرے میں جو سفاہت اور رکاکت اُبلی پڑ رہی ہے، خدا جانے شاہ صاحب کے ذوق نے اسے کس طرح قبول کر لیا۔

اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ علیہم کی محبت اور تعظیم لازمۂ ایمان ہے۔ کوئی شخص مسلمان رہتے ہوئے اس محکم بات سے انکار نہیں کر سکتا۔ تاہم اس محبت کی آڑ لے کر اپنے مفادات کا تحفظ کرنا، ایک انتہائی خطرناک بلکہ دین دشمن رویّہ ہے۔ بدقسمتی سے بعض گدّی نشین حضرات جو ساداتِ کرام میں سے ہونے کا شرف رکھتے ہیں، اس رویّے میں گلے گلے تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس کے پیچھے یہی منصوبہ کارفرما نظر آتا ہے کہ مسندِ ارشاد، جو دراصل حصولِ جاہ و مال کا اڈہ بن چکی ہے، گھر سے باہر نہ جانے پائے۔

بہر حال مجھے نہایت خوشی ہے کہ محمد ظفر اقبال صاحب نے حضرت معاویہؓ کی مدافعت کا حق اس طرح ادا کر دیا ہے کہ اصحابِ علم بھی ان کے دلائل سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اُنھیں اس خدمت کا بہترین اجر عطا فرمائیں۔ آمین۔

جاوید امیر عثمانی

اقبال اکیڈمی، لاہور

نقشِ اوّلیں

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد !

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر جس دین کو مکمل فرمایا، بطورِ دین جس پر راضی ہوا اور اس نے اس دین کی نسبت آئندہ کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف کر دی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الاِسْلَامَ دِيْناً (۱)۔

''آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا، اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا''۔

سو اس دین کی تاریخ اصحابِ رسول ﷺ و رضی اللہ عنہم سے شروع ہوتی ہے جن کے فضائل و کمالات کے انبیائے سابقین تک معترف رہے ہیں اور اُمم سابقہ بھی ان کی مدح وستائش کو بیان کر کے اپنے چہرۂ ایمان کو سنوارتی اور نکھارتی رہی ہیں:

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الاِنْجِيْلِ (۲)۔

''یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں''۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاریخِ اسلام سے نکال دیا جائے تو دینِ اسلام ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

عن عويم بن ساعدة رضی اللہ عنہ أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إن الله تبارك وتعالىٰ اختارني، واختارلي أصحاباً ، فجعل لي منهم وزراءً وأنصاراً وأصهاراً، فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين، لا يقبل منه يوم القيامة صرف

(۱)-(المائدۃ:۳) (۲)-(الفتح:۲۹)

ولا عدل. هذا حديث صحيح الأسناد ولم يخرجاه وقال الذهبی رحمة الله عليه "صحيح"(۱).

''سیدنا عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے چن لیا، اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چن لیا، پس ان میں سے بعض کو میرے وزیر، میرے مددگار اور میرے سُسرالی رشتہ دار بنا دیا، پس جو شخص ان کو برا بھلا کہتا ہے اس پر اللہ کی، ملائکہ کی اور سارے انسانوں کی لعنت، روزِ قیامت اس کا نہ کوئی فرض قبول ہوگا نہ نفل''۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

إن الله نظر فی قلوب العباد فاختار محمداً ﷺ فبعثه برسالة وانتخبه بعلمه، ثم نظر فی قلوب الناس بعده، فاختار له أصحاباً، فجعلهم أنصار دينه ووزراء نبيه، وما رآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن، وما رآه المؤمنون قبيحاً فهو عند الله قبيح (۲).

''اللہ تعالیٰ نے بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو حضرت محمد ﷺ کے قلب اطہر کو چن لیا، پس آپ ﷺ کو اپنے پیغام کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو اپنے علم کے ساتھ منتخب فرمایا، پھر آپ ﷺ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر فرمائی تو آپ ﷺ کے لیے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو چن لیا اور ان کو دین کے مددگار اور اپنے نبی ﷺ کے وزیر بنایا اور جس چیز کو اہلِ ایمان (متفقہ طور پر) اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھی ہے اور جس چیز کو اہل ایمان قبیح جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبیح ہے''۔

---

(۱)۔ (مستدرک حاکم......ج ۳ ص ۶۳۲، کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب ذکر عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ)
(۲)۔ (مسند ابوداؤد طیالسی......ص ۳۳، ما اسند عبداللہ بن مسعود)

منقولہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری کائنات میں سے چھانٹ کر منتخب فرمایا اسی طرح تمام نسلِ انسانی میں سے انتہائی مقدس ومطہر شخصیات اور سعید کو مسعود روحوں کو صحبت ورفاقتِ نبویؐ کے لیے چھانٹ کر منتخب فرمایا۔ یہ حضرات اپنے شرف وکمال، عزت وافتخار، فضیلت ومنقبت اور جمال وجلال میں سوائے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساری کائنات سے افضل ہیں۔ اگر اس کائنات میں صحابہ کرام ﷡ سے زیادہ مقدّس وجود کسی اور کا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے حبیب ﷺ کی رفاقت ومعیت اور صحبت اور مجالست کے لیے منتخب فرماتا لہٰذا اصحابہ کرام ﷡ کی توہین وتنقیص اور ان کی شان میں بدگوئی وہرزہ سرائی نہ صرف آنحضرت ﷺ کی صحبتِ شریفہ کی توہین وتنقیص ہے بلکہ انتخابِ خداوندی کا بھی تمسخر ہے۔ یہی حال حضراتِ اہلِ بیت کرام ﷡ کا ہے کہ وہ قربت دارانِ رسالتؐ ہونے کے ساتھ ساتھ صحابہؓ میں بھی شامل ہیں اور صحبتِ نبویؐ کا شرف بھی انھیں حاصل ہے (بشرطیکہ اسے حالتِ ایمان میں زیارتِ نبویؐ کا شرف حاصل ہوا ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو) جس طرح صحابہ کرام ﷡ واجب الاحترام ہیں اسی طرح اہلِ بیتِ عظام بھی واجب التعظیم ہیں، مخدومِ محترم مفکّرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

> ''صحیح العقائد مسلمانوں میں جس طرح صحابہ کرام ﷡ کے ایمان اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی عظمت کا اعتقاد ضروریاتِ مسلک میں سے ہے اسی طرح جو اہلِ بیت کرام کی شان میں گستاخی کرے وہ بھی اہلِ سُنّت کے دائرۂ حقہ میں شمار کے لائق نہیں رہتا[1]''۔

امام ربانی حضرت مجدّد الفِ ثانی قدس سرّہ (م ۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

> وگوئیم چگونہ عدم محبتِ اہل بیتؓ درحق اہل سنت گمان بردہ شود کہ آن محبت تبرد ایں بزرگواران جزو ایمان است وسلامتی خاتمہ رابرسوخ آن محبت مربوط ساختہ اند...... محبت اہل بیتؓ سرمایۂ اہل سنت است مخالفان ازایں معنی غافل اند وازمحبت متوسط ایشاں جاہل جانب افراط وتفریط خود اختیار کردہ اند

---

(۱)۔(اہلِ بیتِ کرام ﷡...... ص۴)

وماوراءِ افراط را تفریط انگاشتہ حکم بخروج نمودہ اند و مذہب خوارج انگاشتہ اند نہ دانستہ اند کہ درمیان افراط وتفریط حدیست وسط کہ مرکز حق ست وموطن صدق کہ اہلِ سُنّت گشتہ است شکر اللہ تعالیٰ سعیہم (۱) ۔

''ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ گمان کیسے کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ سُنّت کو اہلِ بیت ؓ سے محبت نہیں، جبکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزوِ ایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر موقوف ہے۔ اہلِ بیت ؓ کی محبت تو اہلِ سُنّت کا سرمایہ ہے، مگر مخالفین اس حقیقت سے غافل اور اہلِ بیت ؓ کی محبتِ متوسطہ سے جاہل ہیں۔ انہوں نے افراط کو اختیار کیا اور ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم لگایا اور سب کو خارجی سمجھ لیا، یہ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حدِّ وسط ہے جو مرکزِ حق اور موطنِ صدق ہے جو اہلِ سُنّت کو نصیب ہوا ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم''۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہلِ سُنّت والجماعت کے ہاں صحابہ واہلِ بیتِ کرام میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ہذا اب ہماری گفتگو میں جہاں بھی صحابہ ؓ کا لفظ آئے گا تو اس میں اہلِ بیت ؓ شامل ہوں گے۔

تعلیمات وہدایاتِ نبوی ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کو سارے عالم کا ہادی ونمونہ اور رسالت وامت کے درمیان واسطہ بنا دیا، صحابہ ؓ نے بھی آنحضرت ﷺ کے جمالِ جہاں آرا اور تجلّیات کو اپنے اندر ایسا جذب کیا کہ ان کی سیرت خود رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک جُز بن گئی یعنی تذکرۂ اصحابِ رسول ﷺ کے بغیر سیرتِ نبوی ﷺ کی تکمیل ناممکن ہے کیونکہ صحابہ ؓ دلیلِ تربیتِ پیغمبری ﷺ ہیں۔

اس تمام شرف وافتخار کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ ہم صحابہ ؓ کے مقام کا تعیّن کتاب وسنت کے میزان کو سامنے رکھ کر کرتے لیکن ہماری شامتِ اعمال نے ظلم یہ ڈھایا ہے کہ ہم نے صحابہ ؓ اور اُن کے اختلافات کو دنیوی سیاسی لیڈروں کے اختلافات اور حالات وواقعات کے آئینہ میں دیکھنا شروع کر دیا ہے جو اپنے اقتدار کی خاطر لوگوں کی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کرتے ہیں۔

---

(۱)۔ (مکتوباتِ امامِ ربانی......دفترِ دوم، مکتوب ۳۶)

جب کہ اہلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین و ایمان کی اساس ہیں، یہ خالصتاً عقائد کا مسئلہ ہے جس میں اہلِ سُنّت والجماعت کا مؤقف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے اور نوبت باہم جنگوں تک پہنچ گئی یہ اختلافات اور جنگیں اقتدار کی خاطر نہیں ہوئی تھیں بلکہ ہر ایک فریق دوسرے سے دین کے تحفظ و سربلندی کے لیے ہی لڑا تھا اور یہ حضرات خود ایک دوسرے کے بارے میں یہی سمجھتے تھے کہ ان کا مؤقف دیانت دارانہ اجتہاد پر مبنی ہے، چنانچہ ہر فریق دوسرے کو رائے اور اجتہاد میں غلطی پر سمجھتا تھا لیکن کافر یا فاسق قرار نہیں دیتا تھا[1]۔ معاذ اللہ۔ اس کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آئے گی۔ یہ اہلِ سُنّت والجماعت کا متفقہ موقف ہے، تمام کتب عقائد میں یہ مسئلہ (عدالت و معرفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم) مستقل باب کے تحت درج ہے لہٰذا اس کا فیصلہ صرف تاریخی روایات کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا۔ فنِ تاریخ کی اہمیت اور اس کے درجہ پر کلام کرتے ہوئے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م۱۳۹۶) فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذوات وشخصیات اور ان کے مقام کا تعین صرف تاریخی روایات کی بنیاد پر کر لینا درست نہیں، کیونکہ یہ حضرات رسالت اور امت کے درمیان واسطہ ہونے کی حیثیت سے از روئے قرآن وسنت ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ تاریخی روایات کا یہ درجہ نہیں ہے کہ ان کی بنا پر ان کے اس مقام کو گھٹایا یا بڑھایا جا سکے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ فنِ تاریخ بالکل ناقابلِ اعتبار وبیکار ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اعتماد کے بھی مختلف درجات ہوتے ہیں۔

اسلام میں اعتبار واعتماد کا جو مقام قرآن کریم اور احادیث متواترہ کا ہے وہ عام احادیث کا نہیں، جو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے وہ اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں۔ اسی طرح تاریخی روایات کے اعتماد واعتبار کا بھی وہ درجہ نہیں ہے جو قرآن وسنت یا سندِ صحیح سے ثابت شدہ اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ بلکہ جس طرح نصِ قرآنی کے مقابلہ میں اگر کسی غیر متواتر حدیث سے اس کے خلاف کچھ

---

(۱)۔ (مکتوبات امام ربانی......مکتوب ۹۶)

مفہوم ہوتا ہوتو اس کی تاویل واجب ہے یا تاویل سمجھ میں نہ آئے تو نصِ قرآنی کے مقابلہ میں اس حدیث کا ترک واجب ہے اسی طرح تاریخی روایات اگر کسی معاملہ میں قرآن وسنت سے ثابت شدہ کسی چیز سے متصادم ہوں تو وہ بہ مقابلہ قرآن وسُنّت کے متروک یا واجب التاویل قرار دی جائیں گی خواہ وہ تاریخی اعتبار سے کتنی ہی معتبر ومستند روایات ہوں [۱] ''۔

چند صفحات کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

''پوری اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابۂ کرام ؓ کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلافات کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ معرفتِ صحابہ ؓ تو علمِ حدیث کا اہم جُز ہے جیسا کہ مقدمۂ اصابہ میں حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اور مقدمۂ استیعاب میں حافظ ابنِ عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور صحابۂ کرام ؓ کے مقام اور باہمی تفاضل ودرجات اور ان کے درمیان پیش آنے والے اختلافات کے فیصلے کو علمائے اُمت نے عقیدہ کا مسئلہ قرار دیا ہے اور تمام کتبِ عقائدِ اسلامیہ میں اس کو ایک مستقل باب کی حیثیت سے لکھا ہے۔

ایسا مسئلہ جو عقائدِ اسلامیہ سے متعلق ہے اور اسی مسئلہ کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی ہے اس کے فیصلہ کے لیے بھی ظاہر ہے قرآن و سُنّت کی نصوص اور اجماعِ اُمت جیسے شرعی حجت درکار ہیں، اس کے متعلق اگر کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اصولِ تنقید پر پرکھ لینا واجب ہے۔ اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا اصولی اور بنیادی غلطی ہے، وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علمائے حدیث ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہوں ان کی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے جس میں صحیح سقیم جمع کر دینے کا عام دستور ہے [۲]''۔

---

(۱)- (مقامِ صحابہ ؓ......ص ۱۴-۱۵ تحت فنِ تاریخ کی اہمیت)

(۲)-(ایضاً......۳۵-۳۶ تحت صحابہ ؓ اور مشاجراتِ صحابہ ؓ کا مسئلہ)

حافظ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

والواجب أيضاً على كل من سمع شيئامن ذلک أن يتثبت فيه ولا ينسبه إلىٰ احد منهم بمجرد رؤية في كتاب أو سماعة من شخص، بل لا بد أن يبحث عنه حتى يصح عنده نسبته الىٰ أحدهم ، فحينئذ الواجب أن يلتمس لهم احسن التأويلات[1].

''اور جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات اور لغزشوں سے متعلق کوئی بات سنے تو اس پر اس معاملہ کی تحقیق واجب ہے اور صرف کسی کتاب میں دیکھ لینے یا کسی شخص سے سن لینے کی بنا پر اس غلطی کو ان میں سے کسی کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ یہ ناگزیر ہے کہ اس کی تحقیق کرے، حتیٰ کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح ثابت ہو جائے، اس مرحلہ پر واجب ہے کہ ان کے لئے احسن تاویلات تلاش کرے''۔

شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) عقائدِ اہلِ سُنّت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

ويتبرؤون من طريقة الروافض، الذين يبغضون الصحابة ويسبونهم، وطريقة النواصب، الذين يؤذون أهل البيت بقول لا عمل ، ويمسكون عما شجر بين الصحابة . ويقولون : إن هذه الآثار المروية في مساويهم منها ماهو كذب ، ومنها ما قد زيد فيه ونقص غير عن وجهه، والصحيح منه هم فيه معذورون،إما مجتهدون مصيبون،وإمامجتهدون مخطئون. وهم مع ذلک لا يعتقدون أن كل واحد من الصحابة معصوم عن كبائر الإثم وصغائره ، بل يجوز عليهم الذنوب في الجملة ، ولهم من الفضائل والسوابق ما يوجب مغفرته

(۱)۔(الصواعق المحرقۃ... ص۲۱۶، فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

ما یصدر منهم إن صدر ، حتیٰ انهم یغفر لهم من السیئات مالا یغفر لمن بعد هم(۱).

''اہلِ سُنّت طریقہ روافض سے برأت (کا اعلان) کرتے ہیں جو صحابہ ؓ سے بغض رکھتے ہیں اورانہیں برا کہتے ہیں، اسی طرح طریقہ نواصب سے بھی برأت (کا اعلان) کرتے ہیں جو کہ اہل بیت ؓ کو اپنی باتوں سے نہ کہ عمل سے ایذا پہنچاتے ہیں اور صحابہ ؓ کے درمیان جو اختلافات رونما ہوئے اہلِ سُنّت ان کے بارے میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جن روایات سے صحابہ ؓ کی برائیاں معلوم ہوتی ہیں ان میں کچھ تو جھوٹ ہی جھوٹ (پرمبنی) ہے اور کچھ (روایات) ایسی ہیں کہ ان میں کمی بیشی کر دی گئی ہے اور ان کا صحیح مفہوم بدل دیا گیا اور اِن میں سے جو روایات صحیح ہیں، ان ہیں بھی صحابہ ؓ معذور ہیں (کیونکہ) یا تو وہ مجتہدِ برحق ہیں (کہ اجتہاد سے کام لے کر حق وصواب کو پاگئے) یا پھر اجتہادی خطا کے مرتکب ہوئے، اس کے ساتھ ساتھ اہلِ سُنّت یہ عقیدہ بھی نہیں رکھتے کہ صحابہ ؓ کا ہر ہر فرد چھوٹے بڑے گناہوں سے معصوم تھا بلکہ فی الجملہ ان سے گناہوں کا صدور ممکن ہے لیکن ان کے فضائل وسوابق اتنے ہیں کہ اگر ان سے کوئی گناہ صادر بھی ہوا ہو تو یہ فضائل ان کی مغفرت کا موجب ہیں حتیٰ کہ ان کی مغفرت کے مواقع اتنے ہیں کہ ان کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے''۔

حضرتِ مجدّ دالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں:

ومنازعات ومحاربات کہ درمیان ایشان واقع شدہ است بر محال نیک صرف باید کرد واز ہوا وتعصب دور باید داشت زیرا کہ آن مخالفت مبنی بر اجتہاد وتاویل بودہ نہ بر ہوا وہوس چنانکہ جمہورِ اہلِ سُنّت بر آنند...... پس باید کہ مدار اعتقاد را بر آنچہ معتقد اہل سنت است دادند

---

(۱)۔(العقیدۃ الواسطیہ ......ص ۴۳،۱۷ اہل السنۃ یحبون اہل البیت ویتبرون ممن یعاذیھم)

وسخنان زید و عمر و را در گوش نیارند مدار کار را بر افسانہائے دروغ ساختن خود را ضائع کردن است۔ تقلید فرقہ ناجیہ ضروریست تا امید نجات پیدا شود[۱]۔

''صحابہ کرام ؓ کے درمیان جو لڑائی جھگڑے ہوئے ان کو اچھے حال پر محمول کرنا چاہئے اور (ان جھگڑوں کو) نفسانیت اور تعصب سے بعید سمجھنا چاہیے کیونکہ ان اختلافات کا دارو مدار اجتہاد اور تاویل پر مبنی تھا نہ کہ ہوا و ہوس پر۔ یہی جمہور اہلِ سُنّت کا مذہب ہے...... اس بنا پر یہ بات ضروری ہے کہ اپنا اعتقاد اہلِ سُنّت کے مطابق رکھو اور زید و عمرو (ہماوشما) کی باتوں پر کان نہ دھرو، جھوٹے انسانوں پر اپنے عقائد و نظریات کی بنیاد رکھنا اپنے ایمان کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ فرقہ ناجیہ (اہلِ سُنّت والجماعت) کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی امید پیدا ہو''۔

ان تصریحات سے اتنی بات تو طے ہوگئی کہ صحابہ ؓ کے مقام کا تعیّن تاریخی روایات کی بنیاد پر نہیں بلکہ کتاب و سنت کی روشنی میں ہوگا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں صحابہ ؓ کا مقام ہے کیا؟ یہ سوال اتنا وسیع ہے کہ یہ مختصر سا مقالہ اس کے اجمالی اشارہ سے بھی عاجز ہے۔ تاہم چند نصوصِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ ؐ کے ساتھ ساتھ سلف صالحین کے اقوال درج کئے جاتے ہیں جس سے صحابہ ؓ کے مقامِ رفیع کا اندازہ ہو سکے گا۔

مقامِ صحابہ ؓ اور نصوصِ قرآنیہ:

چند آیات قرآنیہ اور ان کے ترجمے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [۲]۔

''تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں''۔

(۲) وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

---

(۱)۔ (مکتوباتِ امامِ ربانی...... دفترِ اوّل، مکتوب ۲۵۱)

(۲)۔ (آل عمران: ۱۱۰)

النَّاسِ (۱).

''اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں کے مقابلے میں گواہ رہو''۔

ان دونوں آیاتِ مبارکہ کے مخاطب اوّلاً بالذات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں پہلی آیت میں انہیں ''خیرِ اُمت'' کا تاج عطا کر کے پوری اُمت کا پیشوا اور رہنما قرار دیا گیا جب کہ دوسری آیت میں ''امۃ وسطاً'' کا اوّلینِ مصداق صحابۂ کرام کو ٹھہرایا گیا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان پر حجت اور فیصل ہیں اسی طرح صحابہ اپنے بعد والوں پر حجت اور ان کے راہ نما ہیں۔

(۳) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَاناً سِيْمَاهُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْماً (۲).

''محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان کے آثار بوجہ تاثیرِ سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں۔ ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی، اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے ان کو قوی کیا پھر وہ موٹی ہوئی پھر تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ تاکہ

(۱)۔(البقرہ:۱۴۳)
(۲)۔(الفتح:۲۹)

ان سے کافروں کو جلادے اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے اور
نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے‘‘۔

اس آیتِ مبارکہ میں ’’محمد رسول اللہ‘‘ ایک دعویٰ ہے اور ’’والذین معہ‘‘ اس دعویٰ کی دلیل ہے جس میں صحابہ ﷢ کی پوری جماعت داخل ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی نبوت و رسالت کے گواہ کے طور پر پیش کیا ہے اور ان کی تعدیل و توثیق اور تزکیہ و تصفیہ فرمایا ہے، پس جو شخص صحابہ ﷢ پر جرح کرتا ہے وہ نہ صرف آنحضرت ﷺ کی رسالت پر جرح کرتا ہے بلکہ دعویٰ قرآنی کی بھی تکذیب کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ ﷢ سے اگر کسی کو غیض اور جلاپا ہو سکتا ہے تو صرف ’’کافروں‘‘ کو...... گویا اللہ تعالیٰ نے صحابہ ﷢ کے وجودِ مسعود کو کافروں کی شناخت کا معیار بنا دیا ہے، آخر میں اللہ پاک نے صحابہ ﷢ سے ان کے ایمان و اعمالِ صالح کی بنا پر مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

(۴) وَالسَّابِقُوْنَ الاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ [۱]

’’اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد
کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ، اللہ راضی ہوا ان سے اور
وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں
نیچے ان کے نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی کامیابی‘‘۔

مذکورہ آیتِ مبارکہ میں اللہ رب العزت نے صحابہ ﷢ کے دو طبقے بیان فرمائے، ایک سابقین اولین کا اور دوسرا بعد میں ایمان لانے والوں کا، اللہ تعالیٰ نے ان سے غیر مشروط طور پر چار وعدے فرما کر انہیں ’’بڑی کامیابی‘‘ کی بشارت سے نوازا ہے، وہ چار وعدے یہ ہیں:

(۱) اللہ ان سے ہمیشہ کے لیے راضی ہوا (۲) وہ اللہ سے ہمیشہ کے لیے راضی ہوئے (۳) ان کے لیے جنتیں تیار ہیں (۴) وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

---

(۱)۔(التوبہ: ۱۰۰)

(۵) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ آمِنُوْا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ اَلاَ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لاَّ يَعْلَمُوْنَ [۱]۔

’’اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف، جان لو وہی ہیں بے وقوف لیکن جانتے نہیں‘‘۔

اس آیتِ مبارکہ میں صحابہ ؓ کے ایمان کے کامل اور معیاری ہونے کی خبر دی گئی ہے اور یہ بتلا دیا گیا ہے کہ لوگوں کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں مانا جائے گا جب تک وہ صحابہ ؓ کے ایمان کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیا جائے گویا ایمان اور ایمانیات کے باب میں معیار صحابہ ؓ کا ایمان ہے نیز صحابہ ؓ کے ایمان پر اعتراض کرنے والا ’’سبیل المنافقین‘‘ پر چلنے والا ہے اور جو شخص ان کو، نعوذ باللہ، بے وقوف یا احمق کہے عنداللہ خود بے عقل اور احمق ہے اور جو لوگ طعنِ صحابہ ؓ کے مرتکب ہیں وہ ان کی کم علمی و کم عقلی اور جہالت وحماقت کا نتیجہ ہے۔

یہاں مقامِ صحابہ ؓ کی تمام آیات کا احاطہ واستیعاب مقصود نہیں بلکہ بتلانا یہ ہے کہ صحابہ ؓ عنداللہ مقبول اور جنتی ہیں، ماننے والوں کے لیے پانچ آیات بھی کافی وافی ہیں، اور نہ ماننے والوں کے لیے پورا قرآن بھی کم ہے۔

مقامِ صحابہ ؓ اور احادیثِ نبویہ ﷺ:

چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) عن عبداللہ ؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خیر الناس قرنی ثم الذین یلو نھم ثم الذین یلو نھم [۲]

’’سیدنا عبداللہ ؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے

---

(۱)۔(البقرۃ:۱۳)

(۲)۔(*بخاری......ج۱ص۵۱۵، باب فضل اصحاب النبی ﷺ)

(*مسلم......ج۲ص۳۰۹، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم)

بہتر لوگ میرے دور کے ہیں پھر جوان سے متصل ہوں، پھر وہ جوان سے متصل ہوں''۔

(۲) عن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکرموا اصحابی فانهم خیارکم (۱).

''سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم کروہ (تمہارے خیال میں کیسے ہی ہوں مگر) تم سے اچھے ہیں''۔

(۳) وعن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمس النار من رآنی اورأی من رآنی (۲).

''سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا اسے (جہنم کی) آگ نہیں چھوئے گی''۔

(۴) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل اصحابی فی امتی کا لملح فی الطعام لا یصلح الطعام الا بالملح (۳).

''سیّدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کھانے میں نمک کی مانند ہیں کھانا اس وقت تک خوش ذائقہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں نمک نہ ڈالا جائے''۔

(۵) ......فمن احبهم فبحبی احبهم ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم (۴).

---

(۱)-(مشکوٰۃ......ص۵۵۴، کتاب الفتن، باب مناقب الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

(۲)-(* ترمذی ج۲ص۲۲۱، ابواب المناقب، باب ماجاء فی فضل من رای النبی وصحبہ)

(* مشکوٰۃ ص۵۵۴، کتاب الفتن، باب مناقب الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

(۳)-(مشکوٰۃ......ص۵۵۴، کتاب الفتن، باب مناقب الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

(۴)-(* ترمذی......ج۲ص۲۲۵، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(* مشکوٰۃ......ص۵۵۴ کتاب الفتن باب مناقب الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر''۔

طعن بر صحابہ رضی اللہ عنہم کی نبوی ممانعت:

جہاں نطقِ نبوّت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان گنت فضائل وارد ہوئے ہیں وہیں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں زبانِ طعن دراز کرنے سے بھی منع فرمایا ہے، احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) الله الله فی أصحابی الله الله فی أصحابی لا تتخذوهم غرضاً من بعدی (۱).

''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں، مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں میرے بعد ان کو ہدفِ تنقید مت بنانا''۔

(۲) لا تسبوا أصحابی فلو أن أحد کم أنفق مثل أحد ذهبا مابلغ مد أحدهم ولا نصیفه (۲).

''میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا مت کہو اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا (راہِ خدا میں) خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشرِ عشیر کو''۔

(۳) إذا رأیتم الذین یسبون أصحابی فقولوا لعنة الله علیٰ شرکم (۳).

(۱)-(ترمذی......ج ۲ ص ۲۲۵، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
(۲)-(مسلم..... ج ۲ ص ۳۱۰، کتاب الفضائل، باب تحریم سب الصحابۃ رضی اللہ عنہم)
(۳)-(*ترمذی......ج ۲ ص ۲۲۷، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)
(*مشکوٰۃ......ص ۵۵۴ کتاب الفتن، باب مناقب الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

”جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہؓ اور ناقدینِ صحابہؓ میں سے) جو بھی بُرا ہے اس پر اللہ کی لعنت (۱)۔“

---

(۱) -اس حدیث کی شرح میں حضرت مرشدی مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ نے ایسے علوم ومعارف بیان فرمائے ہیں جو صدّیقین کے قلوب پر بطور علمِ لدنی القا ہوا کرتے ہیں:

۱- حدیث میں ”سبّ“ سے بازاری گالیاں دینا مراد نہیں، بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں، بلکہ وہ قائل کے ملعون ومطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲- آنحضرت ﷺ کے قلبِ اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے۔ (وقد صرح به بقوله فمن اذاهم فقد آذاني) اور آپ ﷺ کے قلبِ اطہر کو ایذا دینے میں حبطِ اعمال کا خطرہ ہے۔ لقولہ تعالیٰ: ان تحبط اعمالكم وانتم لاتشعرون لہذا سبِّ صحابہؓ میں سلبِ ایمان کا اندیشہ ہے۔

۳- صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملتِ اسلامیہ کا فرض ہے، (فان الامر للوجوب)۔

۴- آنحضرت ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدینِ صحابہؓ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا، بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے: لعنة الله على شركم۔

۵- ”شـــرکـــم“ کے لفظ میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ”شر“ مصدر مضاف ہے فاعل کی طرف، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تمہارے پھیلائے ہوئے شر پر اللہ کی لعنت! دوسرا احتمال یہ کہ ”شـــرکـــم“ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ”تم میں سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو بھی بدتر ہو، اس پر اللہ کی لعنت“ اس میں آنحضرت ﷺ نے ناقدینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لئے تنقیدِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے روگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو بالکل کھلی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے۔ تم ہوا پر اڑلو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا، آخر تم وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دیدار کیا؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوّت سے مشرف ہوئے؟ =

= ہاں! تم وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ مسیحائی محمدی ﷺ سے زندہ ہوئے؟ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوارِ قدس سے منور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۂ محمدی ﷺ سے مَس ہوئے اور ساری عمران کی بوئے عنبریں نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیتِ محمدی ﷺ میں آبلہ پا ہوئے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا؟ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی سیادت جلوہ آرا تھی؟ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادتِ دارین کی شرابِ طہور کے جام بھر بھر کے دیے جاتے اور تشنہ کامانِ محبت ''ھل من مزید'' کا نعرۂ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو کانی اری اللہ عیاناً کا کیف پیدا کرتا تھا؟ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں کانما علی رؤسنا الطیر کا سماں بندھ جاتا تھا؟ تم وہ صدر نشینِ تختِ رسالت کہاں سے لاؤ گے، جس کی طرف ھذا الابیض المتکی سے اشارے کیے جاتے تھے؟ (ﷺ) تم وہ شمیمِ عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کی گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے، تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدارِ محبوب میں خوابِ نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی، تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا؟ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانۂ نبوت ﷺ سے ناپ ناپ کر ادا کیے جاتے تھے؟ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینۂ محمدی ﷺ سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے؟ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو ''صبغۃ اللہ'' کی بھٹی میں دیا جاتا تھا؟ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں؟ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے؟ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟ (ﷺ) تم میرے صحابہ کو لاکھ برا کہو، مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی (نعوذ باللہ) میرے صحابہؓ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہؓ کے بارے میں زبان بند کرو۔

علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے۔

اتھجوہ ولست لہ بکفوء
فشر کما لخیر کما فداء

ترجمہ: ''کیا تو آپ ﷺ کی ہجو کرتا ہے جبکہ تو آپ ﷺ کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر پر قربان۔''

(۴) فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين لا يقبل الله منه يوم القيامة صرفاً ولا عدلاً (۱).

۶- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقیدِ صحابہ ؓ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شر اور خبث و تکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر اور گھٹیا ہے، اب جب کوئی شخص کسی صحابیؓ کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل وانصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابیؓ کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل وانصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے، گویا ان میں صحابیؓ سے بڑھ کر صفتِ عدل موجود ہے۔ یہ ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ "خبث" جو تنقیدِ صحابہؓ پر ابھارتا ہے اور آنحضرت ﷺ اسی "شر" کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں۔

۷- حدیث میں بحث ومجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے۔ یعنی خصم کو براہِ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہیے۔ اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں۔ اب رہا یہ قصہ کہ "تم دونوں میں برا" کا مصداق کون ہے؟ خود ناقد؟ یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے؟ اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں۔ دونوں کے مجموعی حالات کو سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے اخذ کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا صحابیؓ برا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد؟

۸- حدیث میں "فقولوا" کا خطاب اُمت سے ہے گویا ناقدینِ صحابہ ؓ کو آنحضرت ﷺ اپنی اُمت نہیں سمجھتے بلکہ اُنھیں اُمت کے مقابل فریق کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں۔ اور یہ ناقدین کے لیے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر "فليس منا" کی وعید سنائی گئی ہے۔

۹- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو جس طرح ناموسِ شریعت کا اہتمام تھا، اسی طرح ناموسِ صحابہ ؓ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا۔ کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدینِ صحابہؓ کی جماعت بھی ان "مارقین" سے ہے جن سے جہاد باللسان کا حکم اُمت کو دیا گیا ہے۔ یہ مضمون دیگر احادیث میں صراحتاً بھی آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(ماہنامہ بینات محرم الحرام ۱۳۹۰ھ)

(۱)- (تفسیر القرطبی ج ۱۶ ص ۲۹۷-۲۹۸)

''جو شخص میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بدگوئی کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو قیامت کے دن اس کا نہ کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل''۔

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں:

عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

واللہ! لمشهد رجل منهم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم يغبرّ فيه وجهه فيه خير من عمل احد كم عمره ولو عمر عمر نوح [1].

''اللہ کی قسم! صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کسی جنگ میں شریک ہونا جس میں ان کا چہرہ غبار آلود ہو جائے، غیر صحابہ سے ہر شخص کی ساری عمر کی عبادت اور عمل سے بہتر ہے اگرچہ اس کو عمرِ نوح عطا ہو جائے''۔

طعن بر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اعتقادی ممانعت:

کتاب و سُنّت کے ساتھ اہلِ سُنّت والجماعت کی کتبِ عقائد میں بھی یہ مسئلہ نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ مسطور ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عادل و ثقہ ہیں اور ہر طرح کی جرح سے بالا ہیں، جو ان پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے۔ اس کا اپنا ایمان و اسلام مشکوک و متہم ہے، وہ قابلِ سزا و مستوجبِ عقوبت ہے، الحمدللہ عقائد میں اہلِ سُنّت والجماعت (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) ایک ہیں۔ ان میں سرِ مو فرق نہیں۔ آیئے اہلِ سُنّت والجماعت کی کتبِ عقائد سے طعن بر صحابہ رضی اللہ عنہم کی ممانعت پر چند حوالہ جات پڑھیں اور اسے اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں، ساتھ ہی ناقدین و طاعنینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا شرعی حکم بھی معلوم کریں۔

اہلِ سُنّت والجماعت کے ہاں ''عقیدۃ الطحاوی'' عقائد کا ایک مستند مجموعہ ہے، جس میں حضرت امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ (م ۳۲۱ھ) نے عقائدِ اہلِ سُنّت کو محدثین کے مسلک اور

---

(۱)۔ (*ابوداؤد......ص ۶۳۹ تحت، کتاب السنۃ)
(*مسندِ احمد......ج ۱ص ۱۸۷، تحت مسندات سعید بن زید بن عمرو بن نفیل)

ائمہ ثلاثہ (حضرت سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ (م ۱۵۰ھ)، حضرتِ امامِ ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) اور حضرتِ امامِ محمد (م ۱۸۹ھ) رحمہم اللہ) کے اقوال کے مطابق بڑی جامعیت سے ترتیب دیا ہے، تمام اہلِ سُنّت نے اس بے نظیر مجموعۂ عقائد کو سلفاً وخلفاً قبول کیا ہے اور اسی کو پڑھتے پڑھاتے آئے ہیں۔ آج بھی یہ رسالہ سعودی عرب میں درساً پڑھایا جاتا ہے، اس رسالہ میں لکھا ہے:

ونحب أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم وبغير الحق نذكرهم ،ولا نذكرهم الا بخير، وحبهم دين وايمان واحسان، وبغضهم كفر و نفاق وطغيان......الىٰ قوله...... ومن أحسن القول في اصحاب النبي الله صلى الله عليه و سلم وأزواجه وذرياته فقد برئ من النفاق (۱).

"اور ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ ﷢ سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں افراط وتفریط نہیں کرتے اور نہ ہی ان میں سے کسی سے بیزاری اور تبرّیٰ اختیار کرتے ہیں اور ہم ہر ایسے شخص سے بغض رکھتے ہیں جو صحابہ ﷢ سے بغض رکھتا ہے اور ان کو برائی سے یاد کرتا ہے اور ہم صحابہ ﷢ کا ذکر سوائے نیکی کے نہیں کرتے۔ صحابہ کرام ﷢ سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض کفر، نفاق اور سرکشی ہے......اور جو شخص آنحضرت ﷺ کے اصحاب وازواج اور اولاد ﷢ کے بارے میں حسنِ ظن رکھے وہ نفاق سے بری ہے"۔

حضرتِ امامِ مالک رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ) سے نقل کیا گیا ہے:

ومن شتم اصحابه ادب وقال ايضامن شتم واحدامن اصحاب رسول صلى الله عليه وسلم ابابكر اوعمر اوعثمان اومعاوية او عمرو بن العاص فان قال كانوافي ضلال قتل وان

(۱)۔ (عقیدۃ الطحاویۃ......ص ۱۱-۱۲)

شتم بغير هذا من مشاتمة الناس نكل نكالا شديداً (۱).

''حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کرے تو اس کی تادیب کی جائے گی اور جو شخص اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک صحابی خواہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت معاویہ یا حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہوں کے حق میں یہ کہے کہ یہ لوگ گمراہ تھے تو اسے قتل کیا جائے گا اور اگر انہیں عام لوگوں کی گالیوں کی طرح برا بھلا کہے تو سے سخت سزا دی جائے گی''۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) کا قول ہے:

وقال الميمونى سمعت احمد يقول : مالهم ولمعاوية رضى الله عنه نسئل الله العافية وقال يا ابا الحسن اذا رايت احدا يذكر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم بسوء فاتهمه على الاسلام (۲).

''میمونیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ کو فرماتے سنا کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلب گار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا اے ابوالحسن! جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے تو اس کے اسلام کو مشکوک ومتہم سمجھو''۔

حضرت امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ) فرماتے ہیں:

اذا رأيت الرجل ينتقص أحدا من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فأعلم أنه زنديق (۳).

(۱)-(رسائل ابن عابدین الشامی...... ج ۱ ص ۳۵۸ تحت الباب الثانی فی حکم سابّ احد من الصحابۃ رضی اللہ عنہ)
(۲)-(الصارم المسلول...... ص ۵۷۳ تحت فصل فی حکم سب اصحاب رضی اللہ عنہم وسب اہل بیتہ)
(۳)-(الاصابہ...... ج ۱ ص ۲۲، ثناء اہل العلم علی الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ اصحابِ رسول ﷺ میں سے کسی کی تنقیص کررہا ہے تو تم جان لینا کہ وہ یقیناً زندیق ہے''۔

حضرتِ امامِ ابوبکر السرخسی رحمہ اللہ (م ۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ اثنی علیهم فی غیر موضع من کتاب کما قال تعالیٰ ''محمد رسول اللہ والذین معه'' (الایة) و رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وصفهم بأنهم خیر الناس فقال ''خیر الناس قرنی الذین انافیهم والشریعة انما بلغتنا بنقلهم، فمن طعن فیهم فهو ملحدمنا بذللإسلام دواؤ ہ السیف ان لم یتب(۱).

''تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے متعدد مواضع میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ثنا وصفت بیان فرمائی ہے، جیسے ''محمد رسول اللہ والذین معہ... الخ'' اور رسولِ اقدس ﷺ نے اپنے ارشادات میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ''خیر الناس'' فرمایا ہے اور فرمایا ہے'' وہ لوگ اس عہد کے خیر الناس ہیں جس دور میں میں ہوں اور شریعت ہم تک حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے نقل ہو کر پہنچی ہے، پس جو شخص ان کے حق میں طعن وتشنیع کا مرتکب ہو وہ ملحد اور بے دین اور اسلام کو پس پشت ڈال دینے والا ہے، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا علاج صرف تلوار ہے''۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۸۰ھ) فرماتے ہیں:

ولا نذکر الصحابة الا بخیر (۲).

''ہم نہیں کرتے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر مگر خیر کے ساتھ۔''

(۱)۔(اصول السرخسی..... ج۲ص۱۳۴ تحت من طعن فی الصحابۃ فھو ملحد)
(۲)۔(شرح فقہ اکبر.....ص۸۵)

صحابۂ کرام ﷺ تعدیل کے محتاج نہیں:

حضراتِ صحابۂ کرام ﷺ کا عادل اور خیارِ اُمّت ہونا متفق علیہ امر ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور حضراتِ صحابۂ کرام ﷺ اُمّت میں سے کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو ان کے باطن پر پوری طرح مطلع ہے، ان کی تعدیل کر چکا ہے۔ اکابر علماء نے بڑی صراحت کے ساتھ اس مسئلہ کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

حافظِ کبیر ابوبکر بن الخطیب بغدادی رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

فلا یحتاج أحد منهم مع تعدیل الله تعالى لهم، المطلع علىٰ بواطنهم الىٰ تعدیل أحد من الخلق[1].

''صحابہ ﷺ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں ہیں اللہ تعالیٰ جو ان کے باطن پر مطلع ہے اس کی تعدیل کے ساتھ اور کسی کی تعدیل کی ضرورت نہیں ہے''۔

اسی طرح امام ابنِ اثیر الجزری رحمہ اللہ (م ۶۳۰ھ) لکھتے ہیں:

والصحابة یشارکون سائر الرواة فی جمیع ذلک الا فی الجرح والتعدیل فانهم کلهم عدول لا یتطرق الیهم الجرح لان الله عزوجل ورسوله زکاهم وعدلاهم وذلک مشهور لا نحتاج لذکره[2].

''حضراتِ صحابۂ کرام ﷺ تمام باتوں میں راویوں کے ساتھ شریک ہیں مگر جرح وتعدیل میں نہیں، کیونکہ صحابۂ کرام ﷺ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں، ان پر جرح نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے رسول

---

(۱)۔ (*الکفایہ...... ص ۴۸، باب ماجاء فی تعدیل اللہ ورسولہ الصحابۃ)
(*العواصم من القواصم...... ص ۳۴، تحت اصحاب رسول اللہ ﷺ)
(*الصواعق المحرقۃ...... ص ۲۱۰)

(۲)۔ (اسد الغابہ...... ج ۱ ص ۱۴، مقدمۃ ابن الاثیر)

ﷺ نے ان کا تزکیہ اوران کی تعدیل فرمائی ہے، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تزکیہ وتصفیہ کی یہ بات اتنی مشہور ہے جس کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں"۔

مؤرِخ شہیر علامہ ابنِ خلدون المغربی رحمہ اللہ (م۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

هذا هوالذی ینبغی ان تحمل علیه افعال السلف من الصحابة والتابعین فهم خیار الامة واذا جعلنا هم عرضة القدح فمن الذی یختص بالعدالة والنبی صلی الله علیه وسلم یقول خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم مریتن اوثلاثاً ثم یفشوا الکذب فجعل الخیرة وهی العدالة مختصّة بالقرن الاول والذی یلیه فایاک ان تعود نفسک اولسانک التعرض لا حد منهم(۱).

"اسی خیریت پر مناسب ہے کہ سلف کے اعمال کو حمل کیا جائے جو کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین تھے، کیونکہ وہ "خیارِ اُمت" تھے اور جب ہم انہیں کو ہدفِ تنقید بنانے لگیں تو پھر کون ہے جس کو عدالت کے ساتھ مختص کیا جائے؟ حالانکہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہتر لوگ میرے دور کے ہیں، پھر جو ان سے **متصل** ہوں، دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ، پھر جھوٹ رائج ہو جائے گا، آپ ﷺ نے ان کی بہتری جو عدالت ہے، کو قرنِ اوّل اور ثانی (اور ثالث) کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! ان میں سے کسی ایک کے متعلق دل میں برا خیال اور زبان پر بُرا لفظ ہرگز نہ لانا"۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے معاصی کے صدور کی تکوینی حکمت:

قرآن مجید، احادیثِ مبارکہ اور اکابرِ سلف کے بیانات سے واضح ہوا کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اللہ ورسول ﷺ کے ممدوح ہیں، اور وحی الٰہی ان کے کمالات وصفات سے رطب اللسان ہے،

---

(۱)۔ (مقدمۂ ابن خلدون......ص ۲۱۸، الفصل الثلاثون، فی ولایۃ العہد)

وہ کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں، وہ جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو وحی الٰہی کے انوار سے ان کے قلوب ''خورشید بداماں'' ہو گئے اور وہ مقامِ تزکیہ وتصفیہ کی اس معراج پر پہنچ گئے کہ ''رشکِ ملائک'' ٹھہرے، اگر ان سے ''النادر کالمعدوم'' کے تحت معصیت کا صدور ہوا بھی تو اس میں حق تعالیٰ شانہ کی تکوینی حکمت کارفرما تھی۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) فرماتے ہیں:

ما قاتل أحد علياً إلا وعلي أولىٰ بالحق منه، ولولا ما سار علي فيهم ما علم أحد كيف السيرة في المسلمين [۱].

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جس نے بھی جنگ کی اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق سے زیادہ قریب تھے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ اس طرح کا معاملہ نہ کرتے تو کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ مسلمانوں کے درمیان جب آپس میں اختلاف ہو تو کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے''۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ''تذکرۃ الخلیل'' میں قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ بعد عصر حسبِ معمول آپ صحنِ باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے اور چار طرف مونڈھوں پر خدام وحاضرین کا ایک کثیر مجمع چاند کا ہالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خاں صاحب نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی باہمی جنگ ورنجش کا تذکرہ شروع کر دیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا، یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعۃً حضرت کو جوش آ گیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھرجھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا راؤ صاحب! ایک مختصر سی بات میری سن لیجیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں مخلوق کو قیامت تک پیش آنے والی تمامی ضروریاتِ دین ودنیا سے باخبر کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کے لیے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا،

---

(۱)۔ (مناقب الامام الاعظم از صدر الائمۃ المکی... ج ۲ ص ۸۴،۸۳)

اس تعلیم کی تکمیل کے لیے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہو تو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہیے، پس اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانۂ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔ اب واقعات تھے دو قسم کے ایک وہ جو منصبِ نبوّت کے خلاف نہیں، اور دوسرے وہ جو عظمتِ شانِ نبوّت کے منافی ہیں۔ پس جو واقعات منصبِ نبوّت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آئے، مثلاً تزویج اور اولاد کا پیدا ہونا، ان کا مرنا دفنانا کفنانا وغیرہ وغیرہ تمامی خوشی و غمی کے واقعات حضرت کو پیش آ گئے اور دنیا کو عملاً یہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب، اور کسی کی ولادت وختنہ ونکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلافِ سُنّت۔

مگر وہ واقعات باقی رہے جو رسول ﷺ پر پیش آویں تو عظمتِ رسالتؐ کا خلاف ہو اور نہ پیش آویں تو تعلیمِ محمدی ﷺ ناتمام رہے، مثلاً زنا و چوری وغیرہ ہو تو اس طرح حد و تعزیر ہونا چاہیے اور باہم جنگ وقتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی اُمور میں نزاع و رنجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونا چاہیے۔ یہ امور ذاتِ محمدی ﷺ پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے کی۔

لہٰذا حضراتِ صحابہ ؓ نے اپنے نفوس کو پیش کیا کہ ہم خدام و غلام آخر کس مصرف کے ہیں، جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں اور حکم و نتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو جائے، چنانچہ حضرات صحابہ ؓ پر وہ سب ہی کچھ پیش آ لیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کے لیے رشد و ہدایت بنا اور دنیا کے ہر بھلے برے کو معلوم ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا اور اس طرح کرنا نامناسب۔ پس کوئی ہو ایسا باہمت جاں نثار جو تکمیلِ دینِ محمدی ﷺ کی خاطر ہر ذلّت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھ کر نشانۂ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبانِ حال کہے کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

شہرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جاں نثاری کیا لطف ہے اور کوچۂ معشوق کی ننگ و عار کیا لذیذ شے ہے ۔

از ننگ چہ گوئی مرا نام زننگ ست
واز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ زنام است

سچے عاشق تو اس طرح ہماری تمہاری اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو نثار کریں اور ہم ان کے منصف و ڈپٹی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ دینے کے لیے بیٹھیں اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت گندی کریں، اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہراتِ سَنیّہ کے قدر دان نہیں بن سکتے تو کم سے کم بد زبانی و طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ ''اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضاً'' دیر تک آپ نے یہ تقریر فرمائی کہ دہن مبارک سے پھول جھڑتے اور سامعین کے مشامِ جاں میں جگہ پکڑتے رہے[۱]''۔

اپنی بات:

ان گزارشات کے بعد اب میں موضوع سے متصل ہوتا ہوں...... چند سال قبل جب راقم الحروف اپنی کتاب ''اسلام اور شیعیت کا تقابلی مطالعہ'' کی تصنیف میں مشغول تھا اور شیعیت کی تردید و حمایت میں مخالف و موافق ہر طرح کے مواد کی ورق گردانی میں مصروف تھا، اسی اثنا میں حضرت مولانا علی شیر حیدری صاحب مدظلہم کے افادات پر مشتمل کتاب ''سُنّی موقف'' میں جناب نصیر الدین صاحب نصیر (گولڑہ) کی کتاب '' نام و نسب'' کے چند حوالہ جات نظر سے گزرے، حیران ہوا یہ کون صاحب ہیں جنھوں نے ردِ شیعیت پر نام و نسب کے عنوان سے کتاب تحریر کی ہے، کتاب خریدی تو پتہ چلا کہ کتاب خاص ردِ شیعیت کے موضوع پر نہیں ہے بلکہ ایک تبرائی شیعہ نجم الحسن کراروی کے حضرت سیّدنا غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۵۶۱ ھ) کے نسب

(۱)۔(تذکرۃ الخلیل......ص ۲۴۶۔۲۴۸)

شریف پر بہتان طرازی اور افترا پردازی کا جواب ہے، صرف گیارہویں باب کے صرف ۱۱۹ صفحات موضوع سے متعلق ہیں باقی غیر ضروری ابحاث کے ذریعہ کتاب کا حجم بڑھایا گیا ہے، کتاب کے کُل صفحات ۹۴۶ ہیں جب کہ تصاویر والے صفحات ان کے علاوہ ہیں...... کتاب کا مطالعہ شروع کیا تو پتہ چلا کہ بابِ ہشتم خاص ردِّ شیعیت پر ہے، مطالعہ کے دوران ہم نے مُصنّف کے یہ بیانات پڑھے:

''افسوس ہے کہ اہل السنّت کے عقائد شیعوں اور خارجیوں سے متاثر ہونے لگ گئے ہیں، بعض لوگ جو خود کو اہلِ سُنّت کہتے ہیں انہوں نے شیعہ عقائد کی مخالفت میں اس قدر غلو کیا کہ خارجیوں کی طرح گستاخ اور دریدہ دہن بن گئے اور بعض اہلِ سُنّت نے خارجیوں کی مخالفت میں اتنا غلو کیا کہ شیعوں کی طرح بے ادب ہوگئے۔ چونکہ خوارج گستاخانِ اہلِ بیتؓ ہیں اور روافض گستاخانِ اصحابؓ، اس لیے اس کتاب میں دونو کے عقائدِ فاسدہ اور مزعوماتِ باطلہ کی شدّت سے تردید کی گئی ہے یعنی اہل السنّت والجماعت کو خوارج و روافض دونوں کے عقائد سے بچنا چاہیے اور اہلِ بیت ﷢ اور اصحاب ﷢ کے ساتھ متوازن محبت و نیاز کا اظہار کرنا چاہیے وہ اس طرح کہ ایک کی تعریف دوسرے کی تحقیر و تذلیل کا موجب نہ بننے پائے[۱]۔''

نیز: ''میں یہ کہہ رہا تھا کہ لوگوں کی دشنام طرازیاں اور طرح طرح کی باتیں ہم خانقاہ نشین سنتے رہتے ہیں، مگر بخدا ہم نے اپنے بزرگوں کو اس سے فزوں تر کوئی مقام نہیں دیا، جس کا جواز قرآن وسنت میں موجود ہے اور جو اسلام کی قائم کردہ حدود و قیود میں رہ کر دیا جا سکتا ہے۔ انبیاء تو انبیاء ہیں ہم خود کو اصحاب رسول ﷺ کا بھی غلام ہی تصور کرتے ہیں اور اکثر اولیائے کرام نے اپنے کلام میں اس کا اظہار و اعلان بھی فرمایا ہے۔ ہم نے کسی ولی اور صحابی کو معصوم نہیں مانا۔ اس لیے یہ بات متفق علیہ ہے کہ صرف اور صرف انبیاء علیہم

---

(۱) ۔(نام ونسب......ص ۴۲۷)

السلام ہی معصوم ہوتے ہیں، البتہ اہلِ بیت اطہارؓ، صحابہ کرامؓ اور دیگر صلحائے اُمت کو محفوظ کہا جا سکتا ہے۔ معصوم اور محفوظ کا معنوی فرق اربابِ علم پر بخوبی روشن ہے۔ میں ان مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں جو ابھی تک سُنی العقیدہ نہیں کہ وہ فوراً سُنی مسلک اختیار کر لیں، کیونکہ سُنی درحقیقت سُنی العقیدہ ہی نہیں بلکہ ہیں سُنی العقیدہ (روشن عقیدہ) بھی ہیں احترامِ اہلِ بیت کرامؓ کرتے ہیں اور عزتِ صحابہؓ بھی۔ اہلِ بیتؓ سے نفرت خارجیت ہے اور صحابہؓ سے دشمنی شیعیت ہے۔ حبِ اہلِ بیتؓ، تکریم صحابہؓ اور حرمتِ اولیاءؒ سُنیت ہے۔ آپ نے مذکورہ جملوں پر غور فرمایا کہ خوارج نے صحابہؓ کو لیا اور اہلِ بیتؓ کو چھوڑ دیا شیعہ نے اہلِ بیتؓ کو تسلیم کر لیا مگر صحابہؓ کو تسلیم نہیں کیا۔ غیر مقلدین اور وہابیوں نے زیادہ تر صحابہؓ کو لے لیا اور اہلِ بیتؓ کو اکثر چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ساتھ اولیاء اللہ کی بھی توہین و تحقیر کا اہتمام کیا مگر سُنی العقیدہ چشتی نظامی، قادری، سہروردی، اور نقشبندیوں نے ان سب نفوسِ قدسیہ کے قدم چومے اور ان کا احترام ملحوظ رکھا گویا سُنیوں میں احترام ولایت و امامت [1] بھی ہے، احترامِ صحابہ رسولؐ اور حبِ آلِ علیؓ و بتولؓ بھی ہے، اس لیے برادرانِ ملت! سُنیت کو اپنایئے کہ یہی طریقہ منقول و معقول بھی ہے اور بارگاہِ حق میں مقبول بھی ہے[2]۔

نیز: ''دنیائے اسلام میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سر آنکھوں پر جگہ دی جاتی ہے ان کے اس غیر معمولی اکرام و تکریم کا سبب وہ شرفِ معیت و قربت ہے جو انہیں رسالت مآب ﷺ سے حاصل تھا۔ گویا ان کا احترام درحقیقت سیدِ عالم ﷺ کی ذاتِ پاک کی تعظیم ہے[3]۔

---

(۱)۔ مصنف نام و نسب کے یہ جملے بھی قابلِ غور ہیں عقیدۂ امامت شیعہ مذہب کا سنگِ بنیاد اور اصل الاصول ہے جس کی عملی شکلیں وہ ولایت کے نام سے کرتے ہیں۔

(۲)۔ (ایضاً۔ ص ۴۴۵)

(۳)۔ (ایضاً ص ۴۷۰)

قارئین کرام! جناب نصیر الدین صاحب کے ان بیانات کو پڑھ کر ہمیں انتہائی خوشی ہوئی کہ انہوں نے حقیقتاً اپنی اس کتاب میں افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے اور ''حُبِّ اہلِ بیت اور تکریم صحابہ ﷡'' کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی معروضات کو سپردِ قلم کیا ہوگا، لیکن ہماری یہ خوش فہمی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی، موصوف نے شیعیت و خارجیت کی تردید کا دعوٰی تو ضرور کیا ہے لیکن یہ دعوٰی صرف دعوٰی ہی کی حد تک ہے، ایک مقام پر موصوف نے یہ دعا بھی کی ہے:

''ربّ العزت ہمیں اہلِ بیتؑ اور صحابہ کرامؓ دونوں سے عقیدت و محبت کی توفیق ارزانی فرمائے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کے نزدیک جس صحابی کا جو مقام اور مرتبہ تھا اس کی اتنی ہی عزت و تکریم کرنے کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ یہی اسلام ہے۔ یہی اتباع ہے اور اسی کا نام ایمان ہے[1]''۔

موصوف نے یہ عبارات اپنی کتاب میں لکھی تو ہیں لیکن عمل سے ان کی صریح تکذیب کی ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے تو خود حضراتِ صحابہ ﷡ کو اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی کوئی ناخوش گوار بات یا شکایت مجھ تک نہ پہنچائیں:

لا یبلغنی احد من اصحابی عن احد شیئا فانی احب ان اخرج الیکم و انا سلیم الصدر[2].

''میرے صحابہؓ میں سے کوئی شخص مجھ تک کسی صحابی کی شکایت نہ پہنچائے کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرف نکلوں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو''۔

یہ تو حضراتِ صحابہ ﷡ کو حکم تھا، اُمت کو آنحضرت ﷺ نے وصیت فرمائی کہ:

اللہ اللہ فی اصحابی اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً من بعدی[3].

---

(۱)۔(نام و نسب...... ص ۵۱۹)

(۲)۔(*ترمذی...... ج ۲ ص ۲۵۲، باب فی فضل ازواج النبی ﷺ)

(*ابوداؤد...... ج ۲ ص ۳۱۱، کتاب الادب، باب فی رفع الحدیث من المجلس)

(۳)۔(ترمذی...... ج ۲ ص ۲۲۵، ابواب المناقب، باب فی من سب اصحاب النبی ﷺ)

''اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں مکرّر کہتا ہوں
اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے بارے میں میرے بعد ان کو ہدفِ
تنقید مت بنانا۔''

جہاں تک سلفِ صالحین کی بات ہے تو حضرت سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ (م ۱۵۰ھ) جن کی ذات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تمام کمالات وصفات کو جمع فرمادیا تھا جو سربلندیٔ دین اور وقارِ اسلام کا باعث ہوسکتا تھا، آپ رحمہ اللہ نے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آخری زمانہ پایا اور نہایت ہی گہرائی سے ان قدسی صفات اور رشکِ ملائک انسانوں کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ ان کی صحبت کا فیض اٹھایا، آپ ہی کی بدولت سب سے پہلے فقۂ اسلامی مدوّن ہوئی...... اور آپ ہی ''حدیثِ بشارتِ ثریا'' کے اوّلین مصداق ہیں[1]۔

آپ نے مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر نہایت معقول، جامع اور بصیرت وحقیقت افروز کلام فرمایا ہے، امام شمس الدین محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی الشافعی (م ۹۴۲ھ) لکھتے ہیں:

سئل أبو حنيفة عن علي و معاوية وقتلي صفين، فقال : أخاف أن أقدم على الله تعالىٰ بشئي يسألني عنه، وإذا أقامني يوم القيامة بين يديه لايسألني عن شيء من أمورهم، يسألني عما كلفني، فالاشتغال بذلك اولیٰ[2]

''ایک شخص نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور مقتولینِ صفّین کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت امامؒ نے جواب دیا، میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی بات پیش کروں جس کا وہ مجھ سے سوال کرے اور جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھے اپنے سامنے کھڑا کریں گے تو ان (حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور مقتولین صفّین) کے بارے میں مجھ سے سوال نہیں فرمائیں گے بلکہ مجھ سے وہ سوال

---

(۱)۔(کما قال السیوطی فی التبییض الصحیفۃ...... ص ۲۰ تحت ذکر تبشیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ)

(۲)۔(عقود الجمان.. ص ۳۰۵ الباب الموفی عشرین فی بعض حکم ومواعظ وآدابہ)

فرمائیں گے جس کا میں مکلّف ہوں۔سو اسی کی تیاری میں مصروف و مشغول رہنا بہتر ہے''۔

حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی ''سُنّت کے اتباع'' کو موصوف نے ضروری قرار دیا ہے[۱] فرماتے ہیں:

قال (محمد بن النضر) ذكروا اختلاف اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم عند عمر بن عبدالعزيز فقال : أمر أخرج الله ايديكم منه ما تعملون السنتكم فيه؟ [۲].

''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلافات ونزاعات کا ذکر ہوا تو فرمایا یہ وہ اُمور ہیں جن سے اللہ نے تمہارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے تو پھر تم اپنی زبانوں کو اس میں کیوں ملوّث کرتے ہو''۔

نیز:

تلك دماء كف الله يدى عنها وانا أكره أن أغمس لساني فيها [۳].

''یہ وہ خون ہے جس سے اللہ نے میرے ہاتھ کو محفوظ رکھا ہے سو میں پسند نہیں کرتا کہ اپنی زبان کو اس سے آلودہ کروں''۔

حضرت سیّدنا امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

تلك دماء طهر الله عنها أيدينا فلنطهر عنها السنتنا [۴].

''اس خون سے (جو جنگِ جمل وصفین میں بہا ہے) اللہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے،لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی اس سے پاک رکھیں''۔

---

(۱)-(نام ونسب......ص۵۵۵)

(۲)-(طبقات ابنِ سعد......ج۵ص۲۹۷،تحت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ)

(۳)-(ایضا......ص۳۰۷،تحت عمر بن عبدالعزیز)

(۴)-(* شرح مواقف......ج۸ص۳۷۴،تحت المقصد السابع انہ یجب تعظیم الصحابۃ کلھم)

(* مکتوبات امام ربانی......مکتوب نمبر۲۵۱)

حضرت امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ (م ٩٥ھ) فرماتے ہیں:

تلک دماء طهر الله ایدینا منها افنلطخ السنتنا [۱].

''یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا ہے کیا اب ہم ان سے اپنی زبانوں کو آلودہ کریں؟''۔

حضرتِ امام حسن بصری رحمہ اللہ (م ١١٠ھ) فرماتے ہیں:

قتال شهده اصحاب محمد صلی الله علیه وغبنا، وعلموا وجهلنا، واجتمعوا فاتبعنا واختلفوا فوقفنا [۲].

''یہ ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ ﷡ موجود تھے اور ہم غیر موجود، وہ تمام حالات سے واقف تھے اور ہم غیر واقف، جس معاملہ پر تمام صحابہ ﷡ کا اتفاق ہے ہم اس کی اتباع کرتے ہیں اور جس میں اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں''۔

اسی لیے حضراتِ سلفِ صالحین رحمہم اللہ نے مشاجراتِ صحابہ ﷡ پر (بلا ضرورت) گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے، لیکن مُصنّفِ نام ونسب نے آنحضرت ﷺ کے حکم اور سلف صالحین کی وصیت کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے مشاجراتِ صحابہ ﷡ کی دشوار گزار اور پُر خار وادی میں برہنہ پا قدم رکھا ہے اور بزعمِ خود اہلِ بیتِ نبوی (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات) کی حمایت ومحبت میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی شدید توہین وتنقیص کی ہے، حالانکہ سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ جن سے مُصنّف محبت کا دم بھرتے ہیں، نے حکم دیا تھا:

لا تقولوا الا خیراً [۳].

''تم (حضرت معاویہ ﷜ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں) سوائے کلمۂ خیر کے اور کوئی بات نہ کہو''۔

---

(۱)-(الناهیه..... ص ٦، فصل فی النهی عن ذکر التشاجر)

(۲)-(الجامع الاحکام القرآن للقرطبی..... ج ٦ ص ١٣٢٢، سورۃ الحجرات، تحت وان طائفتان من المؤمنین)

(۳)-(منهاج السنہ..... ج ٣ ص ٦١، فصل ولما قال السلف ان اللہ امر بالاستغفار لاصحاب محمد ﷺ)

لیکن مُصنّف غالباً یہ اصول بھول گئے کہ محبت اطاعت کو مستلزم ہوتی ہے لہٰذا مدعی محبتِ علی ؓ کو اتباعِ علیؓ بھی لازم ہے ؎

لو کان حبک صادقا لاطعته

ان المحب لمن یحب مطیع

(اگر تیری محبت میں صداقت ہوتی تو اپنے محبوب کی فرمانبرداری کرتا

کیونکہ محبّ محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے۔)

اتباعِ سلف صالحین، تعظیمِ اصحابِ رسول اور حُبِّ آلِ بتول ﷺ کی تلقین سے مُصنّفِ نام و نسب کی نہ زبان ہار مانتی ہے، اور نہ ہی قلم سپر انداز ہوتا ہے مگر جب باری اپنے عمل کی آتی ہے تو نہ معلوم یہ "نصیحت" خود اپنے لیے "فضیحت" کیوں بن جاتی ہے لینے اور دینے کا معیار الگ الگ کیوں ہوجاتا ہے؟

موصوف نے جس انداز سے تردیدِ ناصبیت کی آڑ میں سیّدنا معاویہ ؓ کی تنقیص کی ہے اس سے وہ بالکل شیعوں کے ہم نوا وہم رنگ نظر آتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ شیعہ سیّدنا معاویہ ؓ پر اعتراضات لفظ "معاویہ" لکھ کر کرتے ہیں لیکن مُصنّف نے اعتراضات "جناب معاویہؓ" لکھ کر وارد کیے ہیں۔ جس پر ہم مُصنّف نام ونسب ہی کا پیش کیا ہوا شعر پڑھتے ہیں ؎

وہ تو ہیں کھلے دشمن ان کا خیر سے کیا ذکر

دوستی مگر حضرت آپ کی قیامت ہے

سب سے بڑھ کر دکھ تو یہ ہے کہ مُصنّف نے حضرت سیّدنا غوث الاعظم قدس اللہ سرہ کے نسب شریف پر اعتراض کو اپنی حمیّتِ دینی اور غیرتِ خانقاہی کے خلاف سمجھتے ہوئے پانچ سال کی مسلسل محنت کے بعد ان اعتراضات کا جواب ٩٤٦ صفحات کی کتاب کی صورت میں دیا ہے۔ (جس پر نہ ہمیں کوئی شکایت ہے اور نہ تکلیف بلکہ اگر مُصنّف اس کتاب میں صحابیِ رسول کی شان میں گستاخی کے مرتکب نہ ہوتے تو ہم کیا ہر مسلمان اس فرض کفایہ کی ادائیگی پر ان کا شکر گزار ہوتا)..... لیکن اسی کتاب میں مُصنّف نے پورا باب قائم کر کے سیّدنا معاویہ ؓ کی شان میں گستاخیاں اور اعتراضات کیے ہیں حالانکہ سیّدنا معاویہ ؓ صحابی ہیں اور حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ ولی اللہ ہیں۔ مقامِ ولایت کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو مقامِ صحابیت کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے،

حضرت شیخ مجدد رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں:

وفضيلة الصحبة فوق جميع الفضائل والكمالات ولهذا لم يبلغ اويس القرني الذي هو خير التابعين مرتبة ادنى من صحبه عليه الصلوة والسلام فلا تعدل بفضيلة الصحبة شيئاً كائناً ما كان فان ايمانهم ببركة الصحبة ونزول الوحي يصير شهودياً [۱].

''اور صحبتِ نبوی ﷺ کی فضیلت تمام دیگر فضائل وکمالات سے اعلیٰ وبالا ہے، اور اسی واسطے حضرتِ اویس قرنی رحمہ اللہ جو خیر التابعین ہیں کسی ادنیٰ صحابیؓ کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکے پس کسی چیز کو بھی فضیلتِ صحابیت کے ہم پلّہ نہ ٹھہراؤ کیونکہ صحابہ کرام ﷡ کا ایمان تو صحبتِ نبوی ﷺ کی برکت اور مشاہدۂ نزولِ وحی کی وجہ سے شہودی ہوگیا ہے''۔

علامہ ابنِ حجر المکی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أن فضيلة صحبته صلى الله عليه وسلم ورؤيته لا يعدلها شئى [۲].

''صحبت و دیدارِ نبوی ﷺ کے ہم پلّہ کوئی چیز نہیں''۔

حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمہ اللہ (م ۹۴۴ھ) فرماتے ہیں:

آرے در اعتقاد است کہ غیر صحابی اگرچہ در مرتبہ رفیعہ رسد وصاحب ولایت وصاحب تصرف وعطا گردد بمرتبہ صحابہ کرام ﷡ نرسد کہ فضل صحبت فضل کلی است وآن فضل جزئی وفضل جزئی با فضل کلی برابر نبود [۳]۔

---

(۱)- (مکتوبات امام ربانی...... دفتر اول، مکتوب ۵۹)

(۲)- (الصواعق المحرقۃ...... ص ۲۱۳، تحت بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابہؓ)

(۳)- (مکتوباتِ قدوسیہ...... ص ۵۰)

''یہ بات اعتقاد میں شامل ہے کہ غیر صحابی اگر چہ ولایت کے بلند مرتبہ پر پہنچ جائے اور صاحب تصرّف وعطا ہو جائے پھر بھی صحابۂ کرام ؓ کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ صحبتِ نبوی ﷺ کی فضیلت کو فضیلتِ کلّی کا درجہ حاصل ہے، اور مقامِ ولایت کو فضیلتِ تجزوی کا اور جزوی فضیلت ہرگز کلّی فضیلت کے برابر نہیں ہو سکتی''۔

مُفکّرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب اطال اللہ حیاتہ فرماتے ہیں:

''اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ میں صحابیت خود ایک شرف ہے جو کسی علمی کمال یا عملی محنت پر مبنی نہیں، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا علم ہو یا حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی رحمہما اللہ کا عمل، علم و عمل کا کوئی کمال صحابیت کی برابری نہیں کر سکتا(۱) ''۔

اس قدر فضائل کے بعد ایک ولی کی صفائی پیش کرنے کو اپنے لیے باعثِ نجات سمجھنا اور صحابیِ رسول ﷺ کی توہین و تنقیص کرنا بلکہ دانت پیستے ہوئے یہ کہنا کہ:

''ہمیں (حضرتِ معاویہ ؓ کے بارے میں) درجۂ صحابیت کا لحاظ ہے(۲)''۔

کیا یہ بات جلیل القدر صحابی کے لیے سزاوار ہے اور تکریم صحابہ ؓ اسی کا نام ہے؟ پھر اس پر یہ دعا کرنا:

''خدا کرے کہ میری یہ سعیٔ ناچیز بارگاہِ غوثیت میں شرفِ قبولیت سے سرفراز ہو اگر ان کی نگاہ اسے درخورِ اعتنا سمجھے تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں(۳)''۔

سیّدنا غوث الاعظم رحمہ اللہ (م ۵۶۱ھ) حضرت معاویہ ؓ کے متعلق فرماتے ہیں:

اگر در رہ گزر حضرتِ معاویہ ؓ نشینم و گرد سم اسپ جناب بر من افتد

---

(۱)۔(معیارِ صحابیت......ص ۲۷، تحت صحابیت خود ایک شرف ہے)

(۲)۔(نام و نسب......ص ۵۳۳)

(۳)۔(ایضاً......صفحہ ''ذ'')

باعثِ نجات می شناسم[۱]۔

''اگر میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے راستہ میں بیٹھ جاؤں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے سُم کا غبار مجھ پر پڑے تو میں اسے اپنی نجات کا وسیلہ تصور کرتا ہوں''۔

اسی طرح حضرتِ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

وأما قتاله رضی اللہ عنہ لطلحة والزبير وعائشة ومعاوية فقد نص الإمام احمد رحمه الله على الإمساك عن ذلك وجميع ما شجر بينهم من منازعة ومنافرة وخصومة ، لأن الله تعالىٰ يزيل ذلك من بينهم يوم القيامة ، كما قال عزوجل : وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَاناً عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ[۲].

''سیّدنا علیؓ کی سیّدنا طلحہؓ، سیّدنا زبیرؓ، سیّدہ عائشہ صدیقہؓ اور سیّدنا معاویہؓ کے ساتھ جنگ کے بارے میں حضرتِ امام احمد بن حنبلؒ کا قول یہ ہے کہ اس بارے میں سکوت بہتر ہے بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والے اختلافات، جھگڑے اور ناراضگیوں میں سکوت ہی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان ہونے والے تمام اختلافات کو دور فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی، بھائی ہوگئے تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے''۔

تو جس صحابیؓ کے متعلق، حضرتِ غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ جذبات ہوں کہ وہ سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی سُم سے اُٹھی ہوئی غبار کے خود پر پڑ جانے کو باعث سعادت ونجات سمجھتے ہوں اور مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر گفتگو سے منع فرماتے ہوں تو اب حضرتِ غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ محبت کا دعویٰ رکھنے کے باوجود آج کے چند نادان لوگ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ

---

(۱)۔(امداد الفتاویٰ......ج ۴ ص ۱۳۲)

(۲)۔(غنیۃ الطالبین......ص ۷۷)

کی وصیت و نصیحت کے بعد بھی سیّدنا معاویہ ﷛ کی تنقیص کرتے ہوں بلکہ انہیں "بدعتی" کہنے تک سے نہ چوکتے ہوں تو وہ خود اور ان کے تحریر شدہ اوراق "بارگاہِ غوثیت" میں کب شرفِ قبولیت سے سرفراز ہو سکتے ہیں، حضرت سیّدنا غوث الاعظم قدس سرہ تو اپنی دعا کے آخر میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

ومن یترك الآثار قد ضل سعیه

وهل یترك الآثار من كان مسلماً [1]

"جو شخص سلفِ صالحینؒ کے نشانِ قدم کو چھوڑ دے، اس کی محنت رائیگاں جاتی ہے اور کیا کوئی مسلمان سلفِ صالحینؒ کے آثار و نشانات کو چھوڑ سکتا ہے۔"

پھر مُصنفِ نام و نسب نے اس باب میں کوئی نئی تحقیق نہیں فرمائی بلکہ انہی سابقہ اعتراضات کو اپنے ہم مذہب پیشروؤں مثل مودودی صاحب اور روافض کی کتابوں سے سرقہ کیا ہے جن کے مسکت اور دندان شکن جوابات سے اکابر علمائے اسلام بہت پہلے ہی فارغ ہو چکے ہیں۔

بہر رنگِ کہ خواہی جامہ می پوشی

من اندازِ قدت را می شناسم

اب تو جواب الجواب کی باری تھی اور ہے، مُصنفِ نام و نسب اس باب میں ہمت فرماتے تو پھر ہم کہتے کہ "ہاں تاجدار آپ بھی ہیں"......

ع نئی بات کیا فرما رہے ہیں آپ

پھر مُصنف نے اپنی کتاب میں جا بجا محمود احمد عباسی اور حکیم فیض عالم صدیقی کا رد کیا ہے کہ ان دونوں نے اہلِ بیت ﷛ کی شان میں گستاخی کی ہے، اگر وہ گستاخی کے مرتکب ہوئے ہیں تو جناب کب راہِ اعتدال پر رہے انہوں نے اہلِ بیت ﷛ کی شان میں گستاخی کی ہے آپ نے صحابی ﷛ کی شان میں گستاخی کی ہے، گستاخی میں تو آپ دونوں برابر ہیں، گویا۔

تھیں میری اور رقیب کی راہیں خدا خدا

آخر کو دونوں ہم درِ جاناں پہ جا ملے

حدیث شریف میں حضراتِ صحابہ کرامؓ کو "نجوم رشد و ہدایت" بتلایا گیا ہے اور حضراتِ اہل بیتؓ کو سفینۂ نجات و فلاح،

---

(۱)۔(قلائد الجواہر فی مناقب شیخ عبدالقادر... ص ۱۴۱ تحت ادعیہ رضی اللہ عنہ)

سو آنحضرت ﷺ کے فرمانِ عالیہ کے مطابق اہلِ سُنّت والجماعت حضراتِ اہلِ بیت عظام اور صحابۂ کرام ؓ دونوں کی محبت کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جو سفینۂ اہلِ بیت ؓ سے دور ہوگا وہ بحرِ ضلالت میں غرق ہو جائے گا اور جو سفینۂ اہلِ بیت ؓ میں سوار ہو کر صحابۂ کرام ؓ جیسے نجومِ ہدایت کی ضیا پاشیوں سے محروم ہوگا وہ بھی بحرِ ضلالت میں غرق ہوگا، کیونکہ سمندر میں اندھیرے اور تاریکی میں ستاروں کی روشنی ہی مسافر کی رہنمائی کا ذریعہ بنتی ہے۔ حضرتِ ملا علی قاری رحمہ اللہ (م۱۰۱۴ھ) نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حضرتِ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م۶۰۶ھ) کے یہ جملے نقل کیے ہیں جو بحمد للہ تعالیٰ اہلِ سُنّت والجماعت کا طرۂ امتیاز ہیں:

نحن معاشر اهل السنة بحمدالله تعالىٰ ركبنا سفينة محبة أهل البيت واهتدينا بنجم هدىٰ أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم فنرجوا النجاة من اهوال القيامة ودركات الجحيم والهداية الىٰ مايوجب درجات الجنان والنعيم المقيم[1].

''ہم گروہِ اہلِ سُنّت بحمد اللہ محبتِ اہلِ بیت ؓ کے سفینہ میں سوار ہیں اور اصحابِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نجمِ ہدایت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اس لیے امیدوار ہیں کہ قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کے طبقات سے ہمیں نجات ملے گی اور وہ ہدایت ہمیں عطا ہوگی جو جنت کے درجات اور دائمی نعمت کو واجب کر دیتی ہے''۔

شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وأما اهل السنة فيتولون جميع المؤمنين، ويتكلمون بعلم وعدل، ليسوا من أهل الجهل ولامن أهل الأهوا، ويتبرؤن من طريقة الروافض والنواصب جميعاً ويتولون السابقين والأولين كلهم ويعرفون قدر الصحابة وفضلهم

(۱)۔(مرقاۃ المفاتیح۔۔۔ ج۱۰ص۵۵۳، کتاب المناقب والفضائل، باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ)

ومناقبهم، ويرعون حقوق أهل البيت شرعها الله لهم [1].

''اور اہلِ سُنّت تمام مومنین کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، اور علم وعدل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، وہ نہ اہلِ جہل میں سے ہیں، نہ اہلِ اہواء میں سے، وہ روافض اور نواصب دونوں کے طریقہ سے بیزار اور تمام سابقینِ اوّلین کے معتقد اور صحابہ کرام ﷡ کی قدر ومنزلت کے شناسا اور معترف اور ان کے مناقب کے قائل ہیں اور اس سب کے ساتھ حضرات اہل بیت کرام ﷡ کے حقوق کی ادائیگی ضروری سمجھتے ہیں، جو شریعت سے ثابت ہیں''۔

اس ناکارہ کے پیرومرشد سیّدی ومولائی حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

''میں تمام آلؓ واصحابؓ کی محبت وعظمت کو جزوِ ایمان سمجھتا ہوں، اور ان میں سے کسی ایک بزرگ کی تنقیص کو، خواہ اشارے کنائے کے رنگ میں ہو، سلب ایمان کی علامت سمجھتا ہوں۔ یہ میرا عقیدہ ہے اور میں اسی عقیدہ پر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں [2]''۔

حضرت امام رازی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اور حضرت مرشدی شہید قدس سرہ کی یہ عبارات آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہیں اور اس گئے گذرے دور میں، جب ہر طرف ''کامل رہزن'' اور ''قاتل رہبر'' (جو ایمان کے قاتل ہیں) دندناتے پھر رہے ہیں، آنے والے لوگوں کے لئے مشعلِ راہ بھی۔ اللہ پاک ہمارا خاتمہ بھی انہی عقائد واعمال پر فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ۔

ایک اور قابل غور بات عرض کردوں کہ جب مُصنّفِ نام ونسب کے مزاج ومذاق کے خلاف ان کے مخالفین کوئی تاریخی حوالہ یا عبارت پیش کرتے ہیں، (خود راقم الحروف کا اس مخصوص عبارت سے متفق ہونا ضروری نہیں، یہاں اجمالی گفتگو ہے) تو وہ بجائے جواب دینے کے ارقام فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(منہاج السنہ......ج ۱ص ۱۶۵، مطلب کذب المصنف الامامی، تحت الوجہ الخامس)

(۲)۔(اختلافِ اُمّت اور صراطِ مستقیم......ص ۲۴، تحت شیعہ سُنّی اختلاف)

"یہ سب من گھڑت داستانیں اور خارجیوں کی کتب سے مستعار زہریلے مواد کی پچکاریاں ہیں، جنھیں کوئی سلیم العقل انسان تسلیم نہیں کرسکتا(۱)۔"

یہی اصول مُصنّف کو صحابیٔ رسول ﷺ پر اعتراض کرتے وقت کیوں یاد نہیں رہتا اور وہ کیوں نہیں کہتے:

"یہ سب من گھڑت داستانیں اور رافضیوں کی کتب سے مستعار زہریلے مواد کی پچکاریاں ہیں، جنھیں کوئی سلیم العقل انسان تسلیم نہیں کرسکتا۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے بارے میں جناب کے موّقف میں دورنگی کیوں ہے ؎

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو تحقیقِ روایات کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔اس کی دو وجوہ ہیں:

(۱) کیونکہ ان کے خلاف اُن کے زمانہ ہی سے طوفانی پروپیگنڈہ شروع ہوگیا تھا، کسی نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ پر بہت جلد بڑھاپا آ گیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو فرمایا:

کیف لا ولا أزال أری رجلا من العرب قائما علی رأسی یلقح لی کلاماً مایلزمنی جوابه، فان أصبت لم احمد، وإن أخطأت سارت بها البرود (۲).

"کیوں نہ ہو، ہروقت عرب کا کوئی شخص میرے سر پر کھڑا رہتا ہے جو ایسی باتیں گھڑتا ہے جن کا جواب دینا لازم ہوجاتا ہے۔ اگر میں کوئی صحیح کام کروں تو تعریف نہیں کرتا، اگر مجھ سے غلطی ہوجائے تو اسے اونٹنیاں (ساری دنیا میں) لے اڑتی ہیں"۔

(۱)- [illegible] نام و نسب [illegible] ص ۵۳۷)

(۲)- (البدایہ والنہایہ...... ج ۸ ص ۱۴۰، سنہ ۶۰ھ، تحت ھذہ ترجمۃ معاویہؓ وذکر شئ ایامہ وما ورد فی مناقبہ وفضائلہ)

(۲) بنواُمیہ کے بعد ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ء میں عہدِ بنوعباس شروع ہوا، جس کا بانی ابوالعباس السفاح تھا، اس نے اور اس کے جانشینوں نے بنواُمیہ سے اپنی مثالی عداوت کا ثبوت دیا اور اکابر بنواُمیہ کی قبریں تک اکھڑوادیں، اور خلفائے بنواُمیہ کی اولادوں اور ان کے حامیوں کو چن چن کر قتل کیا۔ معروف عباسی خلیفہ مامون الرشید نے تو یہاں تک اعلان کر دیا تھا کہ:

برئت الذمة ممن ذكر معاوية بخير [1].

''جو شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کے ساتھ کرے گا ہم اس سے بری الذمہ ہیں''۔

یہی بات مُصنف کے ممدوح مؤرخ علامہ مسعودی شیعہ نے اپنی کتاب مروج الذہب میں لکھی ہے:

وفي سنته اثنتى عشرة ومائتين نادى منادى المأمون: برئت الذمة من أحد من الناس ذكر معاوية بخير أو قدمه (على أحد) من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم [2].

''۲۱۲ھ میں مامون نے منادی کرائی کہ جو شخص معاویہؓ کا ذکر خیر کے ساتھ کرے گا یا اس کو کسی صحابی پر مقدم جانے گا، حکومت اس سے بری الذمہ ہے''۔

یہی دور اسلامی تاریخ کی تدوین کا دور تھا، سو اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ اس دور میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے محامد ومحاسن کو مؤرخین کس طرح بیان کر سکتے تھے، یا ان کی اسلام و اہلِ اسلام کے لئے کس طرح مدوّن کر سکتے تھے۔ الا ماشاءاللہ۔ ....

معروف ندوی مؤرخ مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم لکھتے ہیں:

''بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی، یہ سب بنواُمیہ کے سخت دشمن تھے، اس لیے بنواُمیہ کی مخالفت میں جو صدا امیر معاویہؓ کے عہد میں اٹھی تھی، وہ بنی عباس کے پورے دورِ حکومت تک برابر گونجتی رہی بلکہ اس کا غلغلہ اور زیادہ بلند ہوگیا اور بنی عباس کی حکومت وہ تھی جس کا سکہ مشرق سے مغرب تک رواں تھا،

---

(۱)۔(دول الاسلام ... ج ا ص ۱۲۹ تحت سنۃ ۲۱۱ھ)

(۲)۔(مروج الذہب ج ۴ ص ۴۰ ذکر ایام المامون تحت نداء المامون فی امر معاویۃ وسبہ)

اس لیے امیر معاویہؓ کے مثالب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئے، اسی زمانہ میں تاریخ نویسی کا آغاز ہوا، اس لیے ایسی بہت سی غلط روایتیں جو عرصہ سے زبانوں پر چڑھی چلی آرہی تھیں، تاریخوں میں داخل ہوگئیں، کیونکہ ایسے ابتدائی دور میں جبکہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، روایات کی اتنی تحقیق وتنقید جس سے افسانہ وحقائق میں پورا پورا امتیاز ہوسکے مشکل تھی، گویا بہت سی بے سروپا روایتیں جن کا لغو ہونا بالکل عیاں تھا تنقید سے مسترد ہوگئیں، پھر بھی بہت سے غلط واقعات تاریخ کا جز بن گئے [۱]"۔

العواصم من القواصم کے محشی اور معروف مصری فاضل ومحقق علامہ محبّ الدین الخطیب رحمہ اللہ (م ۱۳۹۰ھ) فرماتے ہیں:

إن التاريخ الاسلامي لم يبدأ تدوينه إلا بعد زوال بني أمية وقيام دول لايسرّ رجالها التحدث بمفاخر ذلك الماضي ومحاسن أهله . فتولى تدوين تاريخ الاسلام ثلاث طوائف : طائفة كانت تنشد العيش والجدة من التقرب إلى مبغضي بني أمية بما تكتبه وتؤلفه [۲].

"تاریخِ اسلامی کی تدوین بنواُمیہ کے زوال کے بعد اوران حکومتوں کے قیام کے زمانہ میں شروع ہوئی جن کا برسرِ اقتدار طبقہ اپنے اس ماضی کے مفاخر اوراس وقت کے اربابِ اقتدار کے محاسن سے خوش نہیں تھا، چنانچہ تاریخِ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی (ان میں سے) پہلا گروہ وہ تھا جن کی زندگی کا مقصد بنواُمیہ کے بغض اور مخالفت کرنا اوران کے کاموں میں کیڑے نکال کران کے دشمنوں (بنوعبّاس) کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا"۔

آگے بڑھنے سے قبل امامِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی

---

(۱)- (سیر الصحابہؓ ...... ج۶ص ۹۳-۹۴، حالات امیر معاویہؓ)

(۲)- (العواصم من القواصم ...... ۱۷۷ حاشیہ)

رحمہ اللہ (م۱۳۸۳ھ) کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں، جس میں انہوں نے ناقدینِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے تین گروہوں کو بڑی جامعیت اور بالغ نظری کے ساتھ بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں سوءِ ظن رکھنے والے تین گروہ ہیں،

اوّل: روافض خیر! ان کا سوءِ ظن چنداں حالِ تعجب نہیں، کیونکہ وہ ایسے مقدس حضرات سے سوءِ ظن رکھتے ہیں جن کا مثل اُمّتِ مرحومہ میں ایک بھی نہیں، **دوسرا گروہ** ان جاہل صوفیوں کا ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی محبت کا تکملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگوئی کو سمجھتے ہیں، یہ لوگ اپنے کو سُنّی کہتے ہیں، مگر درحقیقت نہ صرف اس امر میں بلکہ بہت سے اُمورِ اصول وفروع میں اہلِ سُنّت کے مخالف ہیں بلکہ فرقہائے شیعہ میں داخل ہیں۔ **تیسرا گروہ** اس زمانہ کے بعض اہلِ ظاہر کا ہے، بعض روایات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطاعن ان کی نظر سے گزرے اور بوجہ ظاہریت کے ان کی تاویل تک ان کے ذہن کی رسائی نہ ہوئی، ان سب میں سب سے زیادہ مضرّت دوسرا گروہ (جاہل صوفیوں) کا ہے[1]''۔

اس تمہیدی کلام کے بعد اب ہم مُصنّفِ نام ونسب کے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر بزعمِ خود وارد کئے ہوئے اعتراضات کے جوابات کی طرف عنانِ قلم کو موڑتے ہیں۔ والامر بید اللہ تعالیٰ وھو الموفق...... لیکن اس سے پہلے ہم مُصنّف سے یہ کہنا ضرور چاہیں گے ؎

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

اور بقولِ خمار بارہ بنکوی

دوسروں پر اگر تبصرہ کیجیے
سامنے آئینہ رکھ لیا کیجیے

(۱)۔(ازالۃ الخفا مترجم......ج ۱ ص ۱۷۵ حاشیہ)

بنو اُمیّہ کے مبغوض قبیلہ ہونے کا اِلزام

مُصنّفِ نام ونسب بعنوان ''بنو اُمیّہ اور یزید کے بارے میں چند احادیث'' کے تحت لکھتے ہیں:

''بنو اُمیّہ اور یزید کے بارے میں چند احادیث نقل کر رہا ہوں، یاد رہے کہ ان کے ناقل شیعہ نہیں ''خالص سُنّی'' ہیں، مگر آپ کہیں گے کہ سُنّی بھی آدھے شیعہ ہوتے ہیں۔ اگر اہلِ بیتؓ سے عقیدت ومحبت شیعیت ہے تو سُنّی ضرور شیعہ ہیں مگر بفضلہٖ تعالیٰ خارجی نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

اهل بيتي سيلقون بعدي من امتي قتلاً وتشديداً وان أشد قومنا لنا بغضاً بنو أميّه وبنو مخزوم (رواه حاكم).

میرے اور میرے اہلِ بیتؓ کو قتل اور سخت تشدّد کا سامنا کرنا پڑے گا اور بے شک ہماری قوم سے بنو اُمیّہ اور بنو مخزوم ہمارے ساتھ بغض میں سخت ہیں[1]''۔

مُصنّفِ نام ونسب نے اس کے بعد دو مزید روایات مذمّتِ یزید میں نقل کی ہیں، لیکن ہمارا موضوع چونکہ دفاعِ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہے، لہٰذا ہم ان روایات پر بحث کو قلم زد کرتے ہیں اور صرف مذکورہ روایت ہی کا جواب دیتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

الجواب: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مُصنّفِ نام ونسب کے مذکورہ اعتراض کا جواب روایۃً و درایۃً دونوں طریقوں سے دے دیا جائے، جس سے اس بات کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے گی کہ مُصنّف نے جو روایت پورے قبیلۂ بنو اُمیّہ کو مبغوض ٹھہرانے کے لیے پیش کی ہے، قواعدِ روایت کی رُو سے اس کا کیا مقام ہے؟ کیا وہ روایت قابلِ قبول ہے؟ کہیں مُصنّفِ محترم ''من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار[2]'' کا مصداق تو نہیں بن رہے ہیں۔

---

(۱)۔(نام ونسب.....ص ۵۱۲)

(۲)۔(بخاری......ج ۱ ص ۲۱، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ)

دوسرے کہیں پیش کردہ روایت مشاہدہ اور عقل کے خلاف تو نہیں؟ ان دونوں پہلوؤں پر گفتگو کے بعد، انشاء اللہ، کوئی اِشکال باقی نہیں رہے گا۔ مُصنّف نے ہمیں تاکید کی تھی کہ ''یاد رہے کہ ان کے ناقل شیعہ نہیں خالص سُنّی ہیں۔''

ہم نے مُصنّف کی اس تاکید کو بہت یاد رکھا، لیکن افسوس جس کتاب سے یہ روایت لی گئی ہے یعنی ''مستدرک حاکم'' اس کے مؤلّف امام ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری خود شیعہ ہیں یقین نہ آئے تو لسان المیزان کھول کر دیکھیں، اس میں لکھا ہے:

هو شيعيٌّ مشهور [۱].

''امامِ حاکم مشہور شیعہ ہیں''۔

اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) نے ایک روایت کے ذیل میں امامِ حاکم کے بارے میں کہا ہے:

قلت قبح الله رافضيا افتراه [۲].

''میں کہتا ہوں کہ اللہ رافضی کا ناس کرے، یہ بات اس نے خود گھڑ لی ہے''۔

اسی طرح شیعہ اسماء الرّجال کی مشہور کتب (اعیان الشیعہ [۳] اور الکنی والالقاب [۴]) میں امامِ حاکم کا ترجمہ موجود ہے۔

ایک قابل وضاحت بات:

ہاں ہم یہاں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ مطلق تشیّع ردِّ روایت کے لیے کافی نہیں ہے کیونکہ متأخرین اور متقدمین کی اصطلاح میں تشیّع کا مطلب جُدا جُدا ہے [۵]۔ لہٰذا متقدمین کے تشیّع کو آج کے تشیّع پر قیاس نہیں کرنا چاہیے۔

---

(۱)۔(لسان المیزان ......ج ۵،ص ۲۳۳،حرف المیم ،ترجمہ امام حاکم نیشاپوری)

(۲)۔(المستدرک للحاکم......ج ۳،ص ۳۲)

(۳)۔(ج ۹،ص ۳۹۱)

(۴)۔(ج ۲،ص ۱۷۰)

(۵)۔(تہذیب التہذیب......ج ۱،ص ۱۱۸، ۱۱۹،حرف الالف،ترجمہ ابان بن تغلب الربعی)

حضرتِ امامِ حاکمؒ شیعہ تھے، لیکن ان کے عہد سے لے کر آج تک کے محدثین ان کی احادیث کا اعتبار کرتے رہے ہیں، البتہ مستدرک حاکم کی تمام روایات ایک مرتبہ کی نہیں ہیں بلکہ اس میں ہر قسم کی زوایات موجود ہیں، لہٰذا محدثین کے نزدیک مستدرک حاکم کی وہی روایات قابلِ اعتبار ہیں جن کی تصحیح پر امامِ حاکم کے ساتھ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) تلخیص المستدرک میں متفق ہوں، کما قال الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ):

> ولہٰذا علمای حدیث قرار دادہ اند کہ بر مستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر بعد از دیدن تلخیص ذہبی (۱)۔

> ''اسی وجہ سے علمائے حدیث نے بیان کر دیا ہے کہ حاکم کی مستدرک پر تلخیصِ ذہبی کے دیکھے بغیر اعتماد نہ کرنا چاہئے''۔

یہ وضاحت ہم نے مُصنّف نام ونسب کے اس بیان کی قلعی کھولنے کے لیے کی ہے، جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ''یاد رہے ان کے ناقل شیعہ نہیں، خالص سنی ہیں۔''

امامِ حاکمؒ کو ''خالص سُنّی'' کہنا مولانا نصیرالدین کے نوادرات میں سے ہے۔

اب سنداً مُصنّف کی پیش کردہ روایت کا حال ملاحظہ ہو:

- اس روایت کی سند جو مستدرک حاکم میں ہے وہ یوں ہے:

> اخبرنی محمد بن المؤمل بن الحسن حدثنا الفضل حدثنا نعیم بن حماد ثنا الولید بن مسلم عن ابی رافع اسماعیل بن رافع عن ابی نضرۃ قال قال ابو سعید الخدری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل بیتی سیلقون الخ ......ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ (۲)۔

جبکہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

> لا واللہ لیس بصحیح کیف واسماعیل متروک ثم

---

(۱)۔(بستان المحدثین......ص ۱۱۳، تحت مستدرک حاکم)

(۲)۔(مستدرک حاکم......ج ۴ ص ۴۸۷، کتاب الفتن والملاحم)

لم يصح السند اليه [1].

''اللہ کی قسم یہ روایت صحیح نہیں، یہ کس طرح صحیح ہوسکتی ہے کہ اس میں اسماعیل متروک ہے اور پھر سند بھی اسماعیل تک صحیح نہیں''۔

ہم اوپر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں کہ مستدرک کی صرف وہی حدیث قابلِ اعتماد ہوگی جس پر امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، امام حاکمؒ کے ساتھ متفق ہوں اور یہاں حال یہ ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) اللہ کی قسم کھا کر اس روایت کے غیر صحیح ہونے کا اعلان کررہے ہیں۔

اب ذرا دیگر راویوں کے حالات ملاحظہ ہوں:

(۱) اس روایت کی سند میں الفضل بن محمد الشعرانی ہے، محدث القتبانی کہتے ہیں کہ یہ کذاب ہے، میزان الاعتدال میں ہے کہ یہ غالی شیعہ ہے [2]۔

سو، غالی شیعہ کی روایت مذمتِ بنواُمیہ میں کیسے قابلِ قبول ہوسکتی ہے؟ اور مُصنّفِ نام و نسب نے جو دعویٰ کیا تھا کہ ''ان کے راوی خالص سُنّی ہیں'' کیا اس وقت محترم پیر صاحب غنودگی کے عالم میں تھے ؟

(۲) اس روایت کی سند میں نعیم بن حماد ہے، اس کی توثیق وتضعیف میں محدثین کا اختلاف ہے، امام ابنِ معینؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں وہ محض ہیچ ہے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ اس نے آنحضرت ﷺ سے بیس احادیث ایسی بھی روایت کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں (ممکن ہے یہ حدیث بھی ان ہی میں سے ہو ..... ناقل)، امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے، نعیم بن حماد تقویتِ سُنّت کے لیے جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی توہین میں جھوٹی حکایات گھڑا کرتا تھا جو سب کی سب جھوٹی ہیں [3]۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دشمن کی روایت نصیرالدین صاحب ہی کے لیے حجت ہوسکتی

---

(۱)۔ (ایضاً)

(۲)۔ (میزان الاعتدال ..... ج ۳ ص ۳۵۸، ترجمہ الفضل محمد البیہقی الشعرانی)

(۳)۔ (تہذیب التہذیب ..... ج ۸، ص ۵۲۶۔۵۳۰، ترجمہ نعیم بن حماد بن معاویہ بن الحارث)

ہے اہلِ سُنّت اسے کسی طرح سے قبول نہ کر سکیں گے[۱]۔

(۳) اس روایت کی سند میں ولید بن مسلم بھی ہے جو کہ مدلّس ہے۔ ابو مسہرؒ کہتے ہیں کہ وہ جھوٹے راویوں سے بھی تدلیس کر لیا کرتا تھا۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ جب یہ عن سے روایت کرے تو اس کی حدیث قابلِ اعتبار نہیں[۲]۔

اتنی خرابیوں کے باوجود بھی اگر پیر نصیر الدّین صاحب کی پیش کردہ روایت صحیح ہے تو دنیا میں ضعیف و موضوع روایت کون سی ہوگی؟

اسی طرح امام حاکمؒ نے مستدرک میں ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ:

کان ابغض الاحیاء الی رسول اللہ (ﷺ) بنو امیۃ بنو حنیفۃ وثقیف[۳].

جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی تمام مرویات اپنی مسند میں نقل کی ہیں، مگر زیرِ بحث روایت میں بنواُمیّہ کا ذکر نہیں ہے، صرف بنو حنیفہ اور ثقیف کا ذکر ہے[۴]۔

اس روایت میں بھی بنواُمیّہ کا اضافہ کس کا کمال ہے؟

علی سبیل التنزل اگر ان روایات کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ان قبائل کا ہر شخص اور ہر فرد ناپسندیدہ اور مبغوض ہے، اسی طرح کسی قبیلے، جگہ یا شہر کو پسند

---

(۱)- مشہور غیر مقلّد عالم جناب ابراہیم میر سیالکوٹی صاحب، نعیم بن حماد پر میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب اور نہایۃ السؤل کے حوالہ سے کڑی جرح نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''خلاصۃ الکلام یہ کہ نعیم کی شخصیت ایسی نہیں کہ اس کی روایت کی بنا پر حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسے بزرگ امام کے حق میں بدگوئی کریں، جن کو حافظ شمس الدّین ذہبیؒ جیسے ناقد رالرّجال امامِ اعظمؒ کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں۔'' (تاریخ اہلحدیث......ص ۴۵)

مُصنّفِ نام ونسب کو اس اقتباس کو پڑھ کر ہوش کے ناخن لینے چاہئیں کہ ایک غیر مقلّد حضرت امامِ اعظمؒ کے خلاف نعیم بن حماد کی روایت کو قبول نہیں کرتا اور مُصنّفِ نام ونسب اس کی روایت کی بنیاد پر پورے قبیلۂ بنواُمیہ جس میں حضرت عثمان اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جیسے حضرات شامل ہیں کو مبغوض ٹھہرا رہے ہیں۔

(۲)- (*میزان الاعتدال......ج ۴، ص ۳۴۷، ترجمہ الولید بن مسلم)

(*تہذیب التہذیب......ج ۹، ص ۱۶۹، حرف الواو، تحت الولید بن مسلم القرشی)

(۳)- (المستدرک للحاکم......ج ۴، ص ۴۸۱)

(۴)- (مسندِ احمد......ج ۴، ص ۴۲۸، تحت مسندات ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ)

کرنے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اس قبیلے اور شہر کا ہر شخص محبوب اور پسندیدہ ہے۔ قبیلۂ قریش آپ ﷺ کا محبوب قبیلہ اور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ آپ ﷺ کے پسندیدہ شہر ہیں۔ مگر ابولہب وابوجہل وامثالھم جو قریشی ومکی امیر اور یہود ومنافقین جو مدینہ منورہ کے باشندے ہیں، آپ ﷺ کو سخت ناپسند ہیں۔

امام ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) نے بالکل صحیح کہا ہے:

أن هذا الاستنتاج أعني قول المعترض فهو الخ دليل علىٰ جهل مستنتجة وأنه لادراية له بمبادئ العلوم، فضلا عن غوامضها، لأنه يلزم علىٰ هذه النتيجة لوسلمت أن عثمان وعمر بن عبدالعزيز كليهما لا أهلية فيهما للخلافة وأنهما من الأشرار، وذلك خرق لإجماع المسلمين، وإلحاد في الدين...... فبطلت تلك النتيجة وبان أن قائلها جاهل أومعاند فلا يرفع إليه رأس ولايقال له وزن ولا يعبأ بما يلقيه ولا يعتد بما يبديه لقصورفهمه وتحقق كذبه ووهمه [1].

"اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی نتیجہ اخذ کرنا، اس نتیجہ اخذ کرنے والے کی جہالت پر اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کو مبادی علوم کی بھی درایت نہیں، چہ جائیکہ غوامض علوم، کیونکہ اس نتیجہ سے لازم آتا ہے کہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی اہلِ خلافت نہ ہوں اور معاذ اللہ اشرار میں شامل ہو جائیں، اور یہ بات اجماعِ مسلمین کے خلاف اور صریح اِلحاد ہے...... پس یہ نتیجہ باطل ہوا اور اس کا قائل جاہل یا معاند ہے، جس کا کلام قابلِ التفات ہی نہیں، کیونکہ اس کا فہم ناقص اور کذب ووہم ثابت ہے"۔

---

(۱)۔(تطہیر الجنان...... ص ۳۰۔۳۱، الفصل الثالث: فی الجواب عن امور طعن علیہ بعضھم بھا)

درایت کے اعتبار سے:

روایت کی اسنادی حیثیت واضح ہوجانے کے بعد عرض یہ ہے کہ اگر بنو اُمیہ ایسا ہی مبغوض قبیلہ تھا تو بنو ہاشم نے بنو اُمیہ سے کثیر روابطِ نسبی وغیر نسبی کیوں روا رکھے؟ انہیں کیوں اعلیٰ و عمدہ مناصب سے نوازا گیا؟ ذیل میں بنو اُمیہ اور بنو ہاشم کے درمیان چند نسبی وغیر نسبی روابط و تعلقات ذکر کیے جا رہے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

نسبی روابط:

(۱) آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادی محترمہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیّدنا عثمان غنی اموی رضی اللہ عنہ سے کیا تھا[۱]۔

(۲) جب سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح سیّدنا عثمان اموی رضی اللہ عنہ سے کردیا[۲]۔

(۳) سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن اُمّ المؤمنین اُمِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان اُموی رضی اللہ عنہا سرکارِ دوعالم ﷺ کے عقد میں تھیں[۳]۔

(۴) سیّدنا عثمان غنی اموی رضی اللہ عنہ کی نانی محترمہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی محترمہ تھیں، ان کا نام اُمِ حکیم البیضاء بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہے[۴]۔

(۵) حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ والد اور والدہ دونوں کی طرف سے بالترتیب چھٹی اور پانچویں پشت میں سرورِ دوعالم ﷺ سے مل جاتے ہیں[۵]۔

(۶) سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان اُموی رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کے ہم زلف ہیں، اُمّ المؤمنین اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن قریبۃ الصغریٰ سیّدنا معاویہ اُموی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں[۶]۔

---

(۱)۔(اسد الغابہ...... ج ۳ ص ۶۰۷، تحت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

(۲)۔(طبقاتِ ابن سعد...... ج ۸ ص ۳۰۔۳۱، ترجمہ اُمِ کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ)

(۳)۔(ایضاً...... ج ۸، ص ۷۷، تحت رملہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہا)

(۴)۔(مستدرک حاکم... ج ۳ ص ۹۶، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

(۵)۔(مروج الذھب...... ج ۲ ص ۳۴۱، تحت ذکر نسبہ، ولمع من اخبارہ وسیرہ)

(۶)۔(المحبر ... ص ۱۰۲، تحت اسلاف رسول اللہ ﷺ)

(۷) حضرت جعفرِ طیار بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پوتی حضرت اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان بن عثمان بن عفان کے نکاح میں تھیں [۱]۔

(۸) سیّدنا حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی حضرت سکینہ بنت حسین حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان اموی کے نکاح میں تھیں [۲]۔

(۹) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ بنتِ الحسین بن علی بن ابی طالب کا نکاح حضرت عثمان اموی کے پوتے عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان اموی کے ساتھ ہوا [۳]۔

(۱۰) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی اُمّ القاسم بنت الحسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب کا نکاح حضرت عثمان غنی اموی رضی اللہ عنہ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمان بن عفان اموی کے ساتھ ہوا [۴]۔

(۱۱) ہند بنتِ ابی سفیان اموی کا نکاح حضرت علی ہاشمی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے حارث بن نوفل بن عبدالمطلب بن ہاشم سے ہوا [۵]۔

(۱۲) حضرت سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کی نانی میمونہ بنتِ ابی سفیان بن حرب اُموی ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ساس میمونہ بنت ابی سفیان اُموی ہیں اور یہی حضرت علی اکبرؒ شہید کربلا کی نانی محترمہ ہیں [۶]۔

(۱۳) آنحضرت ﷺ کے چچا سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پوتی لبابہ بنت عبیداللہ بن عباس سیدنا ابوسفیان اُموی رضی اللہ عنہ کے پوتے ولید بنِ عتبہ بن ابی سفیان کے نکاح میں تھیں [۷]۔

(۱۴) حضرت معاویہ اُموی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ابا القاسم بن ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کا نکاح

---

(۱)۔(المعارف لابنِ قتیبہ۔۔۔ص ۹۰، اخبار علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

(۲)۔(طبقات ابنِ سعد۔۔۔۔ج ۸ ص ۳۴۷، ترجمہ سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہ)

(۳)۔(ایضاً۔۔۔۔ ۳۴۶، ترجمہ فاطمہ بنت حسینؓ)

(۴)۔(جمہرۃ الانساب العرب۔۔۔۔ج ۱ ص ۸۵، تحت ولد ابی العاص بن امیہ)

(۵)۔(الاصابہ۔۔۔۔ج ۸ ص ۳۴۵، حرف الھاء، تحت ھند بنت ابی سفیانؓ)

(۶)۔(نسب قریش۔۔۔ص ۵۷، تحت ولد حسین بن علی بن ابی طالب)

(۷)۔(المحبر۔۔۔ص ۴۴۱، تحت اسماء من تزوج ثلاثۃ ازواج فصاعدا من النساء)

حضرت جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی رملہ بنتِ محمد بن جعفر بن ابی طالب سے ہوا[۱]۔

(۱۵) امام حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی نفیسہ بنتِ زید بن الحسن بن علی بن ابی طالب کا نکاح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اموی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ولید بن عبدالملک بن مروان بن الحاکم بن ابی العاص بن اُمیہ سے ہوا[۲]۔

(۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی رملہ بنتِ علی بن ابی طالب کا نکاح مروان کے لڑکے معاویہ بن مروان بن الحکم بن ابی العاص بن اُمیہ سے ہوا[۳]۔

(۱۷) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی پوتی زینب بنتِ حسن بن حسن بن ابی طالب کا نکاح مروان کے پوتے ولید بن عبدالملک بن مروان سے ہوا[۴]۔

(۱۸) مروان کے بھائی الحارث بن الحکم کے پوتے اسماعیل بن عبدالملک بن الحارث بن الحکم بن ابی العاص بن اُمیہ کے نکاح میں حضرت امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی پوتی خدیجہ بنتِ حسین بن حسن بن علی بن ابی طالب تھیں[۵]۔

(۱۹) آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اگر میری چالیس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں باری باری سب کو عثمان اموی کے نکاح میں دے دیتا[۶]۔

جو قبیلہ مبغوض ہو اور جس کے درمیان قبائلی تعصب اور نسلی عصبیت کارفرما ہو، کیا اس سے اسی طرح کے نسبی روابط رکھے جاتے ہیں؟

غیر نسبی روابط:

(۱) عثمان اموی رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے۔

(۲) حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تھے۔

(۳) حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ کی بدولت چودہ سو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ کی رضا کی سند ملی۔

(۴) حضرت عثمان اُموی رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ سیّدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ ﷺ کی

---

(۱)۔(المحبر ...... ص ۴۴۱ تحت اسماء من تزوج ثلاثۃ ازواج فصاعداً من النساء)

(۲)۔(طبقات ابنِ سعد ...... ج ۵ ص ۲۳۴)

(۳)۔(نسب قریش ...... ص ۴۵)

(۴)۔(نسب قریش لمصعب الزبیری ... ص ۵۲)

(۵)۔(ایضاً ...... ص ۱۷۱)

(۶)۔(اسد الغابہ ...... ج ۳ ص ۳۷۶ تحت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

علالت کے باعث غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے، مگر آپ ﷺ نے ان کو بدریوں میں شمار فرمایا اور غنائم میں سے حصہ عطا کیا [۱]۔

(۵) غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان اُموی رضی اللہ عنہ نے جیشِ ہذا کی تیاری کے لیے سرکارِ دوعالم ﷺ کی خدمت میں زرِ کثیر پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ماضر عثمان ماعمل بعد هذا اليوم [۲].

''آج کے بعد عثمانؓ (اُموی) کو کوئی کام نقصان نہیں پہنچا سکے گا''۔

(۶) حدیبیہ کے موقع پر سرورِ دوعالم ﷺ نے حضرت عثمان اموی رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ روانہ فرمایا [۳]۔

(۷) اسی موقع پر آپ ﷺ نے اپنے دائیں دستِ مبارک کو حضرتِ عثمان اُموی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا [۴]۔

(۸) فتحِ مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے سیدنا ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہ کے گھر کو ''دارالامن'' قرار دیا [۵]۔

(۹) غزوۂ حنین میں جب کفار کے قیدیوں کو زیرِ حراست رکھنے کی ضرورت پیش آئی تو آنحضرت ﷺ نے اس کا نگران حضرت ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہ کو بنایا [۶]۔

(۱۰) علاقہ نجران جب فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اس کے صدقات پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو عامل اور امیر مقرر فرمایا [۷]۔

---

(۱)۔ (٭ بخاری...... ج ۱ ص ۵۲۲، مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)
(٭ الاستیعاب...... ج ۳ ص ۱۵۶، حرف العین تحت ذکر عثمان بن عفان)
(٭ اسد الغابہ...... ج ۳ ص ۶۰۷، تحت عثمان بن عفان)

(۲)۔ (مستدرک حاکم...... ج ۳، ص ۱۰۲، کتاب معرفۃ الصحابۃؓ)

(۳)۔ (٭ بخاری...... ج ۱ ص ۵۲۳، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)
(٭ مشکوٰۃ...... ص ۵۶۲، کتاب الفتن تحت مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ)

(۴)۔ (ایضاً)

(۵)۔ (مسلم...... ج ۲ ص ۱۰۳، باب فتح مکۃ)

(۶)۔ (المصنف لعبد الرزاق...... ج ۵ ص ۳۸۱، تحت وقعۃ حنین)

(۷)۔ (سنن الدار قطنی...... ج ۴ ص ۱۶، روایت نمبر ۴۶، تحت کتاب الطلاق)

(۱۱) قبیلہ بنی ثقیف کے اسلام لانے پر ان کے بُت کو پاش پاش کرنے کے لیے آپ ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابوسفیان اموی رضی اللہ عنہما کا انتخاب فرمایا[۱]۔

(۱۲) سیدنا یزید بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہما کاتبِ وحی ہیں[۲]۔

(۱۳) آنحضرت ﷺ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو علاقہ تیماء کا امیر مقرر فرمایا[۳]۔

(۱۴) آنحضرت ﷺ نے سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو قبیلہ بنی فراس کے صدقات پر عامل مقرر فرمایا[۴]۔

(۱۵) آنحضرت ﷺ کے ملاقاتی اور مہمان سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے گھر ٹھہرتے تھے[۵]۔

(۱۶) حضرت امیر معاویہ ﷜ کاتبِ وحی تھے[۶]۔

(۱۷) حضرت امیر معاویہ ﷜ کو آنحضرت ﷺ نے قطعۂ اراضی کی تعیین پر روانہ فرمایا[۷]۔

(۱۸) آنحضرت ﷺ کے قصرِ شعر (بال مبارک تراشنے) کی سعادت حضرت معاویہ اُموی ﷜ کو حاصل ہوئی۔

(۱۹) آنحضرت ﷺ نے حضرت عتاب ﷜ بن اسید اُموی ﷜ کو مکہ پر حاکم بنایا۔

(۲۰) حضرت خالد بن سعید اُموی ﷜ کو عہدِ نبوی ﷺ میں بنی مذحج کے صدقات پر اور صنعاء اور یمن پر حاکم و عامل بنایا۔

(۲۱) حضرت ابان بن سعید بن العاص اُموی ﷜ کو آنحضرت ﷺ نے پہلے سرایا پر عامل بنایا پھر بحرین کا[۸]۔

---

(۱)-(البدایہ والنہایہ ...... ج ۵، ص ۳۰-۳۳، تحت قدوم وفد ثقیف علی رسول اللہ ﷺ)
(۲)-(جوامع السیرۃ ...... ص ۲۶، تحت کتابہ ﷺ)
(۳)-(المحبر ...... ص ۱۲۶، تحت امراء رسول اللہ ﷺ)
(۴)-(الاصابہ ...... ج ۶، ص ۵۱۶، تحت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(۵)-(طبقات ابن سعد ...... ج ۷، ص ۱۴۹، تحت ہانی الحمد انی ﷜)
(۶)-(جوامع السیرۃ ...... ص ۲۷، تحت کتابہ ﷺ)
(۷)-(التاریخ الکبیر للبخاری ...... ج ۴، ص ۱۷۵، القسم الثانی تحت باب وائل بن حجر ﷜)
(۸)-(منہاج السنہ ...... ج ۳، ص ۱۷۵-۱۷۶، فصل قال الرافضی واما عثمان فانہ ولی امور المسلمین من لا یصلح الولایۃ)

(۲۲) عثمان بن ابی العاص کو طائف اور اس کے ملحقات کا عامل بنایا[1]۔

سرِ دست ان بائیس حوالہ جات پر اکتفا کرتا ہوں اور مُصنّف نام ونسب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو قبیلہ مکروہ ومبغوض اور قابلِ نفرت تھا اس کو یہ مناصب کیوں عطا کیے گئے؟ ہم نے تطویل کے خوف سے دورِ صدیقی اور دورِ فاروقی کے مناصب کو چھوڑ دیا ہے، حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وكان بنو أمية أكثر القبائل عمالاً للنبی ﷺ[2].

''نبی ﷺ کے مقرر کردہ عاملین میں دوسرے خاندانوں کی نسبت بنواُمیہ کے لوگوں کی کثرت تھی''۔

قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعجباً لاستكبار الناس ولاية بنی أميه، وأول من عقدهم الولاية رسول الله صلى الله عليه وسلم[3].

''تعجب ہے کہ لوگ بنو اُمیّہ کی حکومت و اقتدار سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں، حالانکہ جس ذاتِ گرامی قدر نے انہیں سب سے اوّل حکومت پر متعین فرمایا وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے''۔

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ایک مقام پر مزید لکھتے ہیں:

أن بنی أمية كان رسول الله ﷺ يستعملهم فی حياته واستعملهم من بعده من لايتهم بقرابة فيهم أبوبكر الصديق رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ[4].

''آنحضرت ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں بنواُمیہ کو عامل بنایا، پھر

---

(۱)۔(تہذیب التہذیب......ج ۵ ص ۳۹۱، تحت عثمان بن ابی العاص الثقفی)
(۲)۔(منہاج السنہ......ج ۲ ص ۱۴۵، فصل قال الرفضی الوجہ الخامس فی بیان وجوب اتباع مذہب الامامیۃ)
(۳)۔(العواصم من القواصم......ص ۲۳۴، تحت النبی ﷺ اول من عقد الولایۃ لبنی امیۃ)
(۴)۔(منہاج السنہ......ج ۳ ص ۱۷۵، فصل قال الرافضی واما عثمان فانہ ولی امور المسلمین من لا یصلح الولایۃ)

آپ ﷺ کے بعد ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے بنواُمیہ کو اعلیٰ مناصب پر فائز فرمایا اور یہ حضرات بنواُمیہ کی قرابت سے متہم نہ تھے''۔

معروف ندوی مؤرِخ حضرت مولانا شاہ معین الدّین صاحب ندوی مرحوم بنوامیہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بنواُمیہ میدانِ رزم کے مرد تھے، حضرت عثمانؓ اور امیر معاویہؓ کے دور کی فتوحات اس کی شاہد ہیں، بحر روم میں سب سے پہلے اُمویوں ہی نے بیڑے دوڑائے، افریقہ کو اُمویوں ہی نے فتح کیا، یورپ کا دروازہ اُمویوں ہی نے کھٹکھٹایا، اموی اس لیے نہیں بھرے گئے تھے کہ امیر معاویہؓ کے ہم خاندان تھے، بلکہ اس لیے بھرے گئے تھے کہ وہ تلوار کے دھنی اور میدانِ جنگ کے مرد تھے یہی وجہ ہے کہ تنہا بنی اُمیہ کے دور میں جس قدر فتوحات ہوئی ہیں اس کی نظیر مابعد کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی (۱)''۔

قارئین محترم! آپ نے دلائل کے ساتھ سرورِ دوعالم ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی ''اُمیہ نوازی'' ملاحظہ فرمائی، بنوہاشم کے ساتھ آپ ﷺ کا کیا معاملہ تھا، جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب کی زبانی سنیں:

''اس کے برعکس نبی اکرم ﷺ نے اپنی حینِ حیات میں کسی ہاشمی کو نہ تو مستقل طور پر کسی صوبہ کی حکومت عطا فرمائی اور نہ ہی کسی بڑی فوج کا خودمختار سپہ سالار بنایا، اپنی اس دُنیوی زندگی کے آخری ایام میں آپ نے سیّدنا علی ؓ کو چندروز کے لیے یمن کا کلکٹر مقرر فرمایا لیکن اقتدارِ اعلیٰ اور افسری سیّدنا ابوموسیٰ اشعریؓ اور سیّدنا معاذ بن جبلؓ کو عطا فرمائی، (حلیۃ الاولیاء ابونعیم اصفہانی...... ج ۱ ص ۲۵۴، مدارج النبوۃ...... ص ۵۰۲، زرقانی ج ۳ ص ۹۹، مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵،) چنانچہ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ کی پوری تاریخِ اسلام کی ورق گردانی فرمالیجیے آپ کو ایک گورنر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا تعلقِ نسبی بنی ہاشم

(۱)۔(سیر الصحابہؓ...... ج ۶ ص ۱۲۷، تحت حالات امیر معاویہ)

سے ہو، بلکہ بنو ہاشم میں سے بعض لوگوں نے تقرر کی خواہش کا اظہار کیا لیکن آپ ﷺ نے منظور نہ فرمایا، یہی وجہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی اس حیات دُنیوی کے آخری ایام میں جب آپ ﷺ کی طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا تو سیّدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیّدنا علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ اے علیؓ! خدا کی قسم تین دن کے بعد تم پر کوئی اور حاکم ہوگا اور تم اس کے محکوم ہوگے خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اس بیماری میں انتقال فرما جائیں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہوگا؟ اگر ہم میں سے ہوگا تو معلوم ہو جائے گا ورنہ آپ اس کو ہمارے متعلق وصیت فرما دیں گے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں انکار فرما دیں تو پھر ہم ہمیشہ کے لیے اس سے محروم ہو جائیں گے، بخدا میں اس بارے میں آپ سے ایک حرف بھی نہ کہونگا (بخاری .. کتاب المغازی، مسند احمد ...... ج ۱ ص ۲۶۳، ۳۲۵، البدایہ والنہایہ...... ج ۵ ص ۲۲۷، ۲۵۱۔)

غرض کہ عہدِ رسالت میں اکثر و بیشتر بنو امیہ کو گورنری کے عہدوں پر فائز کیا گیا اور بنو ہاشم میں سے ایک فرد بھی ایسا نہ تھا جس کو آپ نے کسی اور جگہ کا گورنر بنا کر بھیجا ہو حالانکہ آپ ﷺ کے چچا سیّدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ ﷺ کے چچا کے بیٹے سیّدنا عقیل اور سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر تمام عصبات موجود تھے، سرکاری عہدہ تو ایک طرف رہا آپ ﷺ نے غزوات کے سلسلہ میں ۲۸ مرتبہ مدینہ پاک کو چھوڑا لیکن ایک مرتبہ بھی انتظامی امور کی انجام دہی کے لیے آپ ﷺ نے بنو ہاشم میں سے اپنے نائبین کا تقرر نہیں فرمایا بلکہ کبھی کسی اموی کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور کبھی کسی انصاری کو، کبھی کسی مخزومی کو تو کبھی کسی کلبی اور غفاری کو، جنگِ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے سیّدنا علیؓ کو مدینہ میں چھوڑا لیکن اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کر کے نہیں بلکہ صرف اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے واسطے اور اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی محمد بن

مسلمہ انصاری کو مقرر فرمایا۔طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۱۹ (۱)''۔

اب جبکہ روایۃً اور درایۃً بنو اُمیہ کی حیثیت واضح ہوگئی ہے اور مصنف نام ونسب کی پیش کردہ روایت کا بھرم کھل گیا ہے، ہم محدثین کے چند اقوال نقل کرتے ہیں، جس میں انہوں نے اس قسم کی مرویات کا یکجا تجزیہ کیا ہے، حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

ومن ذلک: الأحادیث فی ذم معاویة رضی اللہ عنہ ...... وکل حدیث فی ذمه فهو کذب...... وکل حدیث فی ذم بنی أمیة فهو کذب (۲).

''یعنی ان گھڑی ہوئی روایات میں سے وہ احادیث ہیں جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص میں منقول ہیں اور ہر وہ حدیث جو ان کی تنقیص میں ہے، جھوٹی ہے...... اور ہر وہ حدیث جو بنو اُمیہ کی تنقیص میں ہے، جھوٹ ہے''۔

حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

ومن ذلک الاحادیث فی ذم معاویة...... وذم بنی امیة (۳).

''یعنی ان جعلی روایات میں سے وہ بھی ہیں جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور بنو اُمیہ کی مذمت میں ہیں''۔

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور بنو اُمیہ:

بنو اُمیہ کی مدح میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چند اقوالِ عالیہ ملاحظہ فرمائیں:

عن ابن سیرین قال: قال رجل لعلی: أخبرنی عن قریش، قال: أرزننا أحلاماً إخوتنا بنی أمیة (۴).

''ابنِ سیرینؒ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علیؓ سے کہا

---

(۱)۔(سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت وکردار۔۔ ص ۱۰۴۔۱۰۶ تحت سیاسی نظام میں بنو امیہ کا مقام)

(۲)۔(المنار المنیف ..... ص ۱۱۰، فصل ۳۲)

(۳)۔(موضوعات لملا علی قاری۔۔ ص ۱۰۶، فصل ومما وضعہ جھلۃ المنتسبین الی السنۃ)

(۴)۔(المصنف لعبد الرزاق ۔۔ ج ۵، ص ۴۵۱ تحت بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ)

کہ مجھے قریش کے بارے میں بتایئے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عقل میں
بڑھے ہوئے ہمارے بھائی بنواُمیہ ہیں''۔

نیز: فقال و أما بنو أمية فقادة، أدبة،ذادة [1].

''اور بنواُمیہ سردار ہیں،سخی ہیں اور حمایت ودفاع کرنے والے ہیں''۔

حاصلِ بحث:

مختصراً یہ کہ آنحضرت ﷺ کے اقوال واعمال اور خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقوال سے واضح ہوا کہ بنواُمیہ ایک منظور ومقبول، مظفر ومنصور اور مستحسن و پسندیدہ قبیلہ ہے، اور جن روایات میں بنواُمیہ کا مکروہ ومبغوض ہونا پایا جاتا ہے وہ روایات عندالمحدثین صحیح نہیں ہیں۔اب جو ان جعلی روایات سے بنواُمیہ کا مبغوض ومطرود ہونا بیان کرتا ہے وہ خود عنداللہ مبغوض ومطرود اور ملعون ہے، آخر میں ہم مُصنّف نام ونسب ہی کا لکھا ہوا ایک اقتباس پیش کررہے ہیں، اسے چشمِ عبرت سے ملاحظہ فرمایئے:

> ''اس تفصیلی جائزے سے ایک منصف مزاج اور ذی عقل انسان بنواُمیہ کی دینی حیثیت اور مقام کا خود اندازہ کرسکتا ہے۔اگر اب بھی کوئی شک وشبہ ذہن کے کسی گوشہ میں جاگزیں ہو، جبکہ ہم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا تو ایسی صورت میں ان افراد کے لیے (جن کی نگاہ میں بنواُمیہ مبغوض قبیلہ ہے ......ناقل) ہم بارگاہِ ایزدی میں یہی دعا کرسکتے ہیں:
>
> بہ ایں بے حاصلاں یا دانشے یا مرگِ ناگاہے [2]۔''

---

(۱)-(ایضاً ...... ج۱۱ص۵۷ تحت فضائل قریش)

(۲)-(نام ونسب ......ص۵۵۵)

عدمِ فضیلت کا اِلزام

مُصنّف نام ونسب بعنوان ''جنابِ معاویہ ؓ کے حق میں واردشدہ احادیث پر محدّثین کا تبصرہ'' لکھتے ہیں:

''چونکہ خارجی فضائلِ اہلِ بیتؓ کی احادیث کو موضوع اور ضعیف قرار دیتے ہیں، اس لیے مناسب ہے کہ جن احادیث کو وہ صحت کا اعلیٰ معیار سمجھتے ہیں، ان احادیث کے متعلق محدّثین کی رائے بھی پیش کردی جائے، چنانچہ علامہ ابنِ حجر عسقلانیؒ شارح بخاری تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسحاق بن راہویہؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ: لم یصح فی فضائل معاویة شیء معاویہ بن ابی سفیانؓ کے فضائل کی روایات میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے...... اور اسحاق بن راہویہؒ، نسائی وغیرہما نے بھی اسی بات کو پختہ ثابت کیا ہے۔ چنانچہ اسی روایت کو امام جلال الدّین السیوطیؒ نے بھی نقل کیا ہے[1]''۔

الجواب: جہاں تک فضائل اور محبتِ اہلِ بیت ؓ کی بات ہے تو اہلِ سُنّت نے کبھی ان کے بارے میں دو رائے نہیں رکھیں بلکہ ہمیشہ ان کی محبت وعقیدت کو حرزِ جان بنایا ہے، ان کے در کی غلامی اور ان کی کفش برداری کو اپنے لیے باعث فخر وسعادت سمجھا ہے۔ اہلِ سُنّت کی کتبِ حدیث میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں مناقبِ اہلِ بیت اور فضائلِ علی، فضائلِ فاطمہ اور فضائلِ حسنین ؓ کے ابواب نہ قائم کیے گئے ہوں......

الحمدللہ حضراتِ اہلِ بیت ؓ سے محبت ضروریاتِ مذہبِ اہلِ سُنّت میں سے ہے اور ہمارا یہ مؤقف کتاب وسُنّت اور سیرتِ صحابہؓ کی مجموعی آواز پر مبنی ہے، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ (م۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

---

(۱)۔ (نام ونسب......ص۵۱۴۔۵۱۵)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزوِ ایمان بلکہ مدارِ ایمان ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبتِ قریبہ رسول اللہ ﷺ سے ہے اس کی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانے سے واجب ولازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبتِ قربت حاصل ہے اس لیے ان کی محبت بلاشبہ جزوِ ایمان ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ازواجِ مطہرات اور دوسرے صحابۂ کرام ﷺ جن کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ متعدد قسم کی نسبتیں قربت اور قرابت کی حاصل ہیں ان کو فراموش کردیں۔

خلاصہ یہ کہ حُبِّ اہلِ بیتؓ وآلِ رسولؐ کا مسئلہ اُمت میں کبھی زیرِ اختلاف نہیں رہا، باجماع واتفاق ان کی محبت وعظمت لازم ہے اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے ورنہ آلِ رسول ﷺ ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلۂ نسب کتنا ہی بعید بھی ہو، ان کی محبت وعظمت عین سعادت واجر وثواب ہے[1]''۔

جہاں تک محبتِ اہلِ بیت ﷺ کی بات ہے تو اس میں ہم مُصنف کے اس شعر سے صد فی صد متفق ہیں۔

خواہ میری یہ فراست ہے کہ نادانی ہے
حُبِّ اولادِ نبی ؐ، شرطِ مسلمانی ہے

لیکن جہاں تک مُصنف کے سیّدنا معاویہ ﷺ کی عدمِ فضیلت کے اثبات پر دیئے گئے حوالہ کا تعلق ہے تو یہ قول بعض بزرگوں کا ہے، نہ تو یہ حدیث ہے، نہ صحابہؓ کا فرمان ہے، نہ کسی تابعی کا قول ہے اور نہ ہی جمہور علمائے اُمت اس قول پر متفق ہیں۔ ممکن ہے ان بزرگوں کو صحیح روایات نہ ملی ہوں، کسی محدّث کا کسی حدیث سے لاعلم ہونا حدیث کے غیر موجود ہونے پر دلالت نہیں کرتا، خود مُصنف کے ممدوح جناب احمد یار خان گجراتی (م۱۳۹۱ھ) فرماتے ہیں:

''کسی محدّث کا حدیث سے بے خبر رہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ

---

(۱)۔(معارف القرآن......ج ۷ ص ۶۹۱، ۶۹۲ تحت سورۃ الشوریٰ آیت ۲۳)

حدیث موجود ہی نہ ہو[۱]"۔

مُصنف کا حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر "عدمِ فضیلت" کا الزام لگانا کوئی نئی تحقیق نہیں بلکہ شروع ہی سے "بغضِ معاویہ" کے مریض "حُبِّ علی رضی اللہ عنہ" کے دھوکے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام دھرتے رہے ہیں، اس کا نام ہرگز "حُبِّ علی رضی اللہ عنہ" نہیں...... علماء کرام رحمہم اللہ نے اس کے جوابات بھی ارشاد فرمائے ہیں۔

کیا عدمِ صحت کا قول صحتِ عدم کو مستلزم ہے؟

پھر یہ بات خود قابلِ غور ہے کہ کیا کسی حدیث کے بارے میں عدمِ صحت کا قول اس حدیث کے موضوع ہونے پر دلالت کرتا ہے؟ ہرگز نہیں، جو یہ بات کہتے ہیں وہ مصطلحاتِ محدّثین ہی سے ناواقف ہیں، چند اکابر کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

(۱) حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

لایلزم من کون الحدیث لم یصح أن یکون موضوعاً [۲].

"کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔"

(۲) علامہ عبدالباقی زرقانی رحمہ اللہ (م۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں:

نفیہ الصحۃ لاینافی انہ حسن کما علم [۳].

"حدیث کا صحیح نہ ہونا حسن کے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ معلوم ہے"۔

(۳) حافظ ابن الہمام رحمہ اللہ (م۸۶۱ھ) سے منقول ہے:

وقول من یقول فی حدیث انہ لم یصح ان سلم لم یقدح لان الحجۃ لا تتوقف علی الصحۃ بل الحسن کاف [۴].

---

(۱)۔(امیر معاویہؓ...... ص۸۹، دوسرا باب، امیر معاویہؓ پر اعتراضات وجوابات، اعتراض نمبر۱۲)

(۲)۔(القول المسدد...... ص۳۵، الحدیث السابع)

(۳)۔(شرح الزرقانی علی المواہب...... ج۵ص۵۵، تحت ذکر نعلہ صلی اللہ علیہ وسلم)

(۴)۔(مرقاۃ المفاتیح...... ج۳ص۸۸، کتاب الصلوۃ، الفصل الثانی من باب مالا یجوز من العمل فی الصلوۃ)

(ترجمہ) ''کسی حدیث کی نسبت کہنے والے کا یہ کہنا کہ وہ صحیح نہیں اگر مان لیا جائے تو بھی یہ بات موجبِ قدح نہیں کیونکہ حجیت کچھ صحیح ہونے پر موقوف نہیں بلکہ حسن بھی کافی ہے''۔

(۴) علامہ نور الدین السمہودی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) ''جواھر العقدین فی فضل الشرفین'' میں فرماتے ہیں:

قد يكون غير صحيح وهو صالح للاحتجاج به إذ الحسن رتبته بين الصحيح والضعيف [۱].

''اور کبھی کبھی غیر صحیح حدیث قابلِ استدلال ہوتی ہے کیونکہ حسن کا مرتبہ صحیح اور ضعیف کے درمیان ہے۔''

(۵) حافظ ابنِ حجر المکی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) امام احمد رحمہ اللہ (م ۲۴۱ھ) کے قول پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قول أحمد إنه لا يصح أي لذاته، فلا ينفي كونه حسنا لغيره والحسن لغيره يحتج به كما بين في علم الحديث [۲].

''امام احمدؒ کا یہ فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ صحیح لذاتہ نہیں تو یہ حسن لغیرہ کی نفی نہ کرے گا اور حسن اگرچہ لغیرہ ہو حجت ہے جیسا کہ علمِ حدیث میں بیان ہو چکا ہے''۔

(۶) حضرت مولانا عبد الحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ (م ۱۳۰۴) لکھتے ہیں:

كثيراً ما يقولون: لا يصح، ولا يثبت هذا الحديث ويظن منه من لا علم له أنه موضوع او ضعيف وهو مبنى على جهله بمصطلحاتهم وعدم وقوفه على مصرحاتهم [۳]

---

(۱)۔(الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل۔ ص ۱۹۵، ایقاظ۔۶۔فی ان نفی الصحۃ والثبوت لا یلزم منہ الخ)
(۲)۔(الصواعق المحرقۃ۔ ص ۱۸۵، الفصل الاول، فی الآیات الواردۃ فیھم، المقصد الخامس)
(۳)۔(الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل ص ۱۹۱، ایقاظ۔۹۔فی ان نفی الصحۃ والثبوت الخ)

''اکثر لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ'' یہ حدیث صحیح نہیں'' اور'' یہ حدیث ثابت نہیں'' بے علم لوگ ان جملوں سے یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع یا ضعیف ہے حالانکہ یہ بات ان (بے علم) لوگوں کی مصطلحاتِ حدیث سے جہالت اور اس کی تصریحات سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے''۔

(۷) مُصنّفِ نام ونسب کے ممدوح جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی (م ۱۳۴۱ھ) لکھتے ہیں:

''محدثینِ کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں، اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط وباطل ہے، بلکہ صحیح ان کی اصطلاح میں ایک اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کے شرائط سخت دشوار اور موانع وعوائق کثیر وبسیار، حدیث میں ان سب کا اجتماع اور ان سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث میں تفصیل کی جائے، کلامِ طویل تحریر میں آئے، ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے، یہ حدیث صحیح نہیں، یعنی اس درجہ عُلیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حسن کہتے ہیں، یہ باں کہ صحیح نہیں، پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی، ورنہ حسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبہ سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سینکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتبِ صحاح بلکہ عند التحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پوری لیاقت رکھتی ہے وہی علماء جو اسے صحیح نہیں کہتے برابر اس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں[1]''۔

چند صفحات کے بعد خاں صاحب بریلوی، پیر نصیر صاحب کے ہم خیال لوگوں پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''بعض جاہل بول اٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی

---

(۱)۔(منیر العین......ص ۲۱، افادۂ اوّل)

حدیث صحیح نہیں، یہ ان کی نادانی ہے، علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھ خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیزو! مُسلّم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے (۱)"۔

خاں صاحب بریلوی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

(لایصح) لا ینفی وجود الحسن (۲).

حسن حدیث کی حجیت پر کلام کرتے ہوئے حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

ھذا القسم من الحسن مشارک لاصحیح فی احتجاج به وان کان دونه (۳).

"حدیث حسن کی یہ قسم (یعنی حسن لذاتہ) اگرچہ صحیح سے درجہ میں کم ہے مگر حجت ہونے میں صحیح کی شریک ہے"۔

(۸) مُصنّف کے دوسرے ممدوح عالم جناب احمد یار خان گجراتی (م ۱۳۹۱ھ) لکھتے ہیں:

"اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں کیونکہ صحیح کے بعد درجۂ حسن باقی ہے لہٰذا اگر حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے (۴)"۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر بعض حضرات کی طرف سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے متعلق "عدمِ صحت" کا قول پایا گیا ہے تو وہ ہرگز مضر نہیں کیونکہ عدمِ صحت سے مقبول روایت کی نفی نہیں ہوسکتی، لیکن یہ بات اس تقدیر پر ہے جبکہ امام اسحاق بن راھویہؒ کے قول کو پوری تفصیل کے ساتھ درست مانا جائے جس پر حضراتِ محدّثین نے ان کا تعقب فرمایا ہے، حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ (م ۵۷۱ھ) اور حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(منیر العین......ص ۵۳ افادۂ شانزدھم)

(۲)۔(فتاویٰ رضویہ......ج ۱ ص ۲۶ تحت باب الوضوء)

(۳)۔(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر......ص ۳۳ بحث حدیث حسن لذاتہ)

(۴)۔(جاء الحق......ص ۳۵۰ تحت انگوٹھے چومنے پر اعتراض)

کتب الی ابو نصر القشیری ، أنا ابوبکر البیھقی انابو عبد اللہ الحافظ قال سمعت ابا العباس الأصم قال سمعت ابی یقول سمعت اسحاق بن ابراھیم الحنظلی یقول لا یصح عن النبی ﷺ فی فضل معاویة بن ابی سفیان شیء وأصح ما روی فی فضل معاویة حدیث أبی حمزة عن ابن عباس" أنه کان کاتب النبی " فقد أخرجه مسلم فی صحیحه ، وبعده حدیث العرباض: "اللّٰھم علمه الکتاب " وبعده حدیث ابن أبی عمیرة : "اللّٰھم اجعله ھادیا مھدیا " (۱).

"اسحٰق بن ابراہیم الحنظلیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کوئی بھی صحیح روایت حضور اکرم ﷺ سے مروی نہیں ہے اور سب سے صحیح روایت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ابی حمزہ رضی اللہ عنہ کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ وہ کاتب نبی ﷺ تھے اور اس کے بعد حدیثِ عرباض رضی اللہ عنہ ہے "اے اللہ! معاویہ کو کتاب کا علم سکھا دے" اور اس کے بعد ابن ابی عمیرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "اے اللہ! معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دے"۔

حافظ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) نے بھی ایسا ہی قول نقل کیا ہے:

وقال السّیوطی الشافعی أصح ماورد فی فضل معاویة حدیث ابن عباس" أنه کاتب النبی صلی اللہ علیه وسلم " فقد اخرجه مسلم فی صحیحه وبعده حدیث العرباض رضی اللہ عنہ : " اللّٰھم علمه الکتاب " وبعده حدیث ابن أبی عمیرة : "اللّٰھم اجعله ھادیا ومھدیا " (۲).

(۱)-(٭تاریخ مدینہ دمشق ۔ ج ۵۹ ص ۱۰۶ تحت ترجمۃ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(٭البدایہ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۲۲ ۔سنہ ۶۰ ھ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ)
(۲)-(تنزیہ الشریعۃ ۔ ج ۲ ص ۸ ۔ الفصل الاول تحت باب فی طائفۃ من الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

''امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح تر روایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ بیشک وہ کاتبِ نبی ﷺ تھے اس کو مسلم نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور اس کے بعد حدیث عرباض رضی اللہ عنہ ہے اے اللہ! معاویہ کو کتاب کا علم سکھا دے اور ان کے بعد ابنِ ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اے اللہ اس کو ھادی اور مھدی بنادے''۔

حافظ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ (م۹۷۴ھ) فرماتے ہیں :

قيل عبر البخاری بقوله باب ذكر معاوية ولم يقبل فضائله ولا مناقبه لأنه لم يصح في فضائله شئ كما قاله ابن راهويه و ذلک أن تقول : أن كان المراد من هذه العبارة أنه لم يصح منهاشئ على وفق شرط البخاری فأكثر الصحابة كذلک إذا لم يصح شئ عنهما، وإن لم يعتبر ذلک القيد فلا يضره ذلک لمايأتی أن من فضائله ماحديثه حسن حتى عندالترمذی كماصرح به جامعه وستعلمه مما يأتي. والحديث الحسن لذاته كماهنا حجة إجماعابل الضعيف في المناقب حجة أيضا،و حينئذ فماج ذكره ابن راهويه بتقدير صحته لا يخدش في فضائل معاوية [1].

''بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ بخاریؒ نے جس باب میں حضرت معاویہؓ کے حالات بیان کیے ہیں اس باب کا عنوان ''بابِ ذکرِ معاویہؓ'' رکھا ہے، ''بابِ فضائلِ معاویہؓ'' نہیں رکھا، نہ یہ کہا کہ ''بابِ مناقبِ معاویہؓ'' اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت معاویہ کے فضائل میں کوئی صحیح حدیث وارد ہی نہیں ہوئی جیسا کہ ابنِ راھویہؒ نے بیان کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مراد ہے کہ بخاری کی شرط کے مطابق کوئی روایت صحیح نہیں تو اکثر صحابہ کی یہی حالت ہے اور اگر ''شرطِ بخاری'' کی قید نہ لگائی جائے تو یہ بات غلط ہوگی کیونکہ ان کے فضائل

(۱)۔(تطہیر الجنان واللسان.... ص:۹۔۱۰، الفصل الثانی، فی فضائلہ ومناقبہ وخصوصیاتہ وعلومہ واجتھادہ الخ)

میں بعض حدیثیں حسن ہیں، جیسا کہ امام ترمذیؒ نے جامع ترمذی میں بیان کیا اور عنقریب تم کو معلوم ہوگا کہ حدیث ''حسن لذاتہٖ'' بالاجماع حجت ہے، بلکہ مناقب میں تو ضعیف حدیث بھی حجت ہوتی ہے۔الختصر ابن راھویہؒ نے جو کچھ بیان کیا وہ فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں قادح نہیں ہوسکتا''۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کاتبِ نبوی ﷺ ہونے کی فضیلت کو جو حضرتِ امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے علمائے کرام ''اصح'' چیز فرمارہے ہیں، معلوم ہوا کہ علماء کے نزدیک فضیلتِ کتابتِ نبوی ﷺ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں صحیح تر فضیلت ہے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے سو ان کی فضیلت کے عدمِ صحت کا قول درست نہیں اور جو روایات اس سے کم درجہ کی ہیں ان کے حق میں اکابر محدثین ''حسن'' ہونے کا حکم لگارہے ہیں جس سے شرعی مسائل اور فقہی احکام ثابت ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ) جنھیں مُصنّف نے اپنی اسی زیرِ بحث کتاب میں محقق و عالمِ دین حضرتِ علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ..... جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے[1]، فرماتے ہیں:

فان اريد بعدم الصحة عدم الثبوت فهومردود، لمامر بين المحدّثين فلاضيرفان فسحتهاضيقة وعامة الاحكام و الفضائل انما تثبت بالاحاديث الحسان لعزة الصحاح ولا ينحط مافى المسند والسنن عن درجة الحسن وقد تقرر فى فن الحديث جوازالعمل بالحديث الضعيف فى الفضائل فضلا عن الحسن وقد رأيت فى بعض الكتب المعتبرة من كلام الامام مجدالدّين بن الاثيرصاحب ميزان الجامع حديث مسند احمد فى فضيلة معاوية صحيح الاانى لااستحضرالكتاب فى الوقت ولم ينصف الشيخ عبدالحق الدهلوىؒ فى شرح سفرا لسعادة فانه اقر كلام المصنف ولم يتعقبه كتعقبه على سائر تعصباته[2].

---

(۱)-(حاشیہ ص ۵۰۴)

(۲)-(الناھیہ.....ص ۳۹، فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ)

''سو اگر عدمِ صحت سے مراد یہ ہے کہ فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی حدیث ثابت ہی نہیں تو یہ قول مردود ہے اور اگر صحت سے صحت مصطلحہ عند المحدثین مراد ہے تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ اس کا دائرہ تنگ ہے۔ احادیثِ صحیحہ کی قلت کے باعث بیشتر احکام وفضائل احادیثِ حسان ہی سے ثابت ہوتے ہیں اور مسند احمد اور سنن کی حدیث درجۂ حسن سے کم تر نہیں، اور فنِ حدیث میں طے ہو چکا ہے کہ فضائل کے باب میں ضعیف حدیث پر بھی عمل جائز ہے، حسن کی تو کیا بات ہے اور میں نے کسی معتبر کتاب میں امام مجدالدین ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول دیکھا تھا کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مسندِ احمد کی حدیث صحیح ہے۔ مگر اس وقت وہ کتاب ذہن میں نہیں رہی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح سفر السعادۃ'' میں انصاف نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے مُصنف کے اس فقرہ پر تعقب نہیں کیا جیسا کہ اس کے دوسرے تعقبات پر تعقب کیا ہے''۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں چند احادیث:

اب حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں چند احادیث ہم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں جن کو اکابر محدثین رحمہم اللہ نے اپنی تصانیف میں درج فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(۱) حضرتِ عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب[1]۔

---

(۱)۔(٭البدایہ والنہایہ......ج ۸ص ۱۲۱، تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(٭تاریخ اسلام ذہبی......ج ۲ص: ۳۰۹، تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(٭سیر اعلام النبلاء......ج ۴ص ۲۸۸، ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(٭اصابہ......ج ۲ص ۱۶۴، تحت حارث بن زیاد الشامی)
(٭مسند احمد......ج ۱ص ۴۶۶، مسندِ ابن عباس رضی اللہ عنہما)
(٭مجمع الزوائد...... ج ۹ص ۵۹۴۔۵۹۵، باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

''اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب وحساب کا علم عطا فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما(۱)''۔

(۲) حضرتِ عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

اللّٰهم علم معاوية الكتاب والحساب وقه العذاب (۲).

''اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب وحساب کا علم دے اور عذاب سے محفوظ رکھ(۳)۔''

---

(۱)-امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا الحديث رواته ثقات ، لكن اختلفوا في صحبة عبدالرحمن والأظهر أنه صحابي، روى نحوه من وجوه أخر. (تاریخ اسلام..... ج۲ص۳۰۹)

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دراحادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ (مکتوبات: دفتر اول، مکتوب۲۵۱)

(۲)-(*مسند احمد.....ج۴ص۱۵۷، تحت مسند عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ

(*صحیح ابنِ حبان.....ج۶ص۱۷۱، تحت ذکر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*تاریخ الاسلام للذہبی.....ج۲ص۳۰۹، تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*مجمع الزوائد.....ج۹ص۵۹۴، باب ماجاء فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*الاستیعاب.....ج۳ص۴۷۴، تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*سیر اعلام النبلاء.....ج۴ص۲۸۸، تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*التاریخ الکبیر للامام بخاری..... ج۸ص۲۰۴، تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*البدایہ والنہایہ.....ج۸ص۱۲۰، تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*موارد الظمآن.....ص۵۶۶، باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*کنز العمال ج۶ص۱۰۹، تحت فضائل الصحابہ حرف المیم)

(۳)- مسندِ احمد کی اس حدیث کے صحیح ہونے کا تو مصنفِ نام ونسب انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ وہ خود مسندِ احمد کے بڑے مداح ہیں اور ان کا کہنا ہے:

''غالباً کوئی حدیث ایسی نہیں جس کی اصل اس مسند میں نہ ہو اور یہ دیگر مسانید سے ''صحیح تر'' ہے۔'' (نام ونسب، ص۵۴۷)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م۱۲۳۹ھ) نے امام مجدالدین ابن الاثیر کے حوالہ سے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (الناہیہ.....ص۳۹)

(۳) حضرتِ عبدالرحمٰن بنِ ابی عمیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی:

اللهم اجعله هاديا مهديا واهدبه. قال الترمذی حسن غريب (۱)

''اے اللہ! معاویہؓ کو (لوگوں کے لیے) ہادی بنا، ہدایت یافتہ فرما اور ان کے ذریعہ دوسروں کو ہدایت عطا فرما''۔

(۴) عمیر بنِ سعد کہتے ہیں کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر سوائے بھلائی کے مت کرو کیونکہ میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے:

اللّٰهم اهده (۲)

''اے اللہ معاویہ کو ہدایت عطا فرما''۔

ان احادیث پر حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ کا تبصرہ:

ہماری ذکر کردہ چاروں احادیث حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) نے البدایہ والنہایہ میں نقل فرمائی ہیں (جن کا حوالہ بقیدِ جلد وصفحہ مذکورہ احادیث کے ذیل میں دیا جا چکا ہے) حافظ

---

(۱)-(*جامع ترمذی......ص ۵۷۴، کتاب المناقب، باب مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*التاریخ الکبیر للامام بخاری...... ج ۷ ص ۲۰۴ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*تاریخ اسلام للذہبی...... ج ۲ ص ۳۱۰ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*مشکوٰۃ المصابیح......ص ۵۷۹، باب جامع المناقب)
(*البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۲۱ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*سیر اعلام النبلاء......ج ۴ ص ۲۸۸ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*موارد الظمآن......ص ۵۶۶، باب فی معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ)
(*حلیۃ الاولیاء...... ج ۸ ص ۳۵۸ تحت بشر بن الحارث الحافی)
(*المعجم الاوسط......ج ۱ ص ۳۸۰)
(۲)-(*التاریخ الکبیر للبخاری...... ج ۴ ص ۲۹۰ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(* ترمذی شریف......ص ۵۴۷، ابواب المناقب، باب مناقب معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما
(*البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۲۲، ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ

ابنِ کثیر رحمہ اللہ ان روایات کے نقل کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

واكتفينا بما أوردناه من الأحاديث الصحاح والحسان و المستجادات عما سواها من الموضوعات و المنكرات [۱].

''ہم نے صحیح، حسن اور جیّد احادیث ہی کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، اور موضوع و منکر روایات سے احتراز کیا ہے''۔

تائیدات:

منقولہ بالا احادیث کے ساتھ ساتھ ہم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں چند احادیث اور پیش کر رہے ہیں جو ''صحیح'' ہیں اور مُصنّفِ نام و نسب کو ایاز! قدر خود را بہ شناس کا مشورہ دیتے ہیں۔

(۱) صحیح بخاری ''باب ماقيل في قتال الروم'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا [۲].

''میری اُمّت کا پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا، انہوں نے (جنت کو اپنے لیے) واجب کر لیا ہے۔''

اس بات پر اُمّت کا اجماع ہے کہ اس ''اوّل جیش'' کے ''امیرِ جیش'' سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، کیا یہ حدیثِ صحیح ان کی فضیلت میں نہیں ہے؟ اور کیا ناقد کو اس طرح جنت کی سند حاصل ہے؟ حافظ ابنِ حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) اور حافظ بدر الدّین عینی الحنفی (م ۸۵۵ھ) رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

قال المهلب في هذا الحديث منقبة لمعاوية لانه أول من غزا البحر [۳].

''مہلب نے کہا ہے کہ اس حدیث میں حضرت امیر معاویہؓ کی منقبت ہے کیونکہ وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے سب سے پہلے سمندر پار جہاد کیا۔''

---

(۱)-(*البدایہ والنہایہ......ج ۸ص ۱۳۲، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ)

(۲)-(*بخاری......ج ۱ص ۴۱۰، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم)
(*مسلم......ج ۲ص ۱۴۱-۱۴۲، کتاب الامارۃ، باب فضل الغزو فی البحر)

(۳)-(*فتح الباری......ج ۶ص ۱۰۲، کتاب الجہاد باب ما قیل فی قتال الروم)
(*عمدۃ القاری......ج ۱۴ص ۲۹۳، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم)

لہٰذا یہ حضرت معاویہؓ کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے اور اس دنیا میں بشارتِ جنت نہایت سعادت مندی ہے فلہٰذا حضرت معاویہؓ کے حق میں عدمِ فضیلت کا قول کسی طرح درست نہیں۔

(۲) حضرتِ عبدالملک بن عمیر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

یا معاویة : إن ملکت فأحسن [۱]۔

''اے معاویہؓ ! جب تمہیں اقتدار نصیب ہو تو لوگوں سے حسن سلوک کرنا''۔

مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں علامہ ابنِ حجر المکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والحدیث حسن کما علمت، فھو مما یحتج به علی فضل معاویة ﷛ [۲]۔

''یہ حدیث درجۂ حسن میں ہے، جیسا کہ معلوم ہے اور یہ حضرتِ معاویہ ﷛ کے فضائل میں قابلِ استدلال ہے''۔

تائیدِ مزید:

(۱) پھر آپ ﷛ کا کاتبِ وحی اور آنحضرت ﷺ کی بارگاہِ عالیہ سے جاری شدہ خطوط و فرامین کا کاتب ہونا آپ ﷛ کی بڑی عظیم فضیلت ہے۔ سیرت کی کتابوں میں جہاں کاتبانِ نبوی ﷺ کا تذکرہ ہے وہاں آپ ﷛ کا نامِ نامی اسمِ گرامی بھی ہے۔

(ملاحظہ ہو: الاستیعاب تحت الاصابہ [۳]، مجمع الزوائد [۴] البدایہ والنہایہ [۵]، جوامع السیرۃ [۶])

خدمتِ نبوی ﷺ کی سعادت کے آگے ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے، حضرتِ معاویہ ﷛ کو بار بار یہ سعادت میسر آئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

---

(۱)-(*المصنف لابن ابی شیبہ ــ ج ۱۱ ص ۱۴۷-۱۴۸، کتاب الامراء)

(*المطالب العالیہ......ج ۴ ص ۱۰۸ تحت باب فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ)

(۲)-(الصواعق المحرقہ......ص ۲۱۸، باب الخاتمۃ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابہؓ)

(۳)-(ج ۳ ص ۳۷۵)

(۴)-(ج ۹ ص ۳۵۷)

(۵)-(ج ۸ ص ۲۱)

(۶)-(ص ۲۰)

(۲) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن معاویة قال قصرت عن راس رسول الله بمشقص [۱].

''ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے بال مشقص (لوہے کا خاص قسم کا آلہ) کے ساتھ کاٹے''۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آنحضرت ﷺ کے کچھ ''بال مبارک'' اور ''ناخن مبارک'' بھی بطورِ تبرّک موجود و محفوظ تھے جسے آپ نے اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی تھی جو پوری ہوئی [۲]۔

(۴) پھر غزوات (مثلاً حنین، طائف، تبوک) میں آپ رضی اللہ عنہ کی شرکت اور آنحضرت ﷺ سے آپ کے نسبی تعلقات...... یہ وہ فضائل ہیں جنھیں ''ناقدینِ معاویہ'' اپنے باطن کی آلودگی سے کبھی گدلا نہیں کر سکتے۔ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں بھی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے، پیر سیّد محمد کرم شاہ ازہری صاحب رقم طراز ہیں:

''پھر ظہر سے پہلے سرکارِ دوعالم ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ حضور ﷺ نے اپنے پیچھے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو بٹھایا ہوا تھا اور جا کر طوافِ افاضہ کیا، اس کو طواف صدر اور طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں [۳]''۔

ان سب کے علاوہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نہ صرف صحابی بلکہ ایک فقیہ اور مجتہد صحابی رسول ہونا بذاتِ خود ایک عظیم فضیلت ہے اور فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم میں قرآن کی جتنی آیات اور آنحضرت ﷺ کی جتنی احادیث موجود ہیں وہ سب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مستقل بابِ فضیلت رکھتی ہیں، ان فضائل کے ہوتے ہوئے اگر دوسرے فضائل نہ بھی ہوں تو اس سے آپ کی شان میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی، حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(* صحیح البخاری......ج ۱ ص ۲۳۳، کتاب الحج، باب الحلق والتقصیر عند الاحلال)
(* صحیح مسلم......ج ۱ ص ۴۰۸، باب جواز التقصیر المعتمر من شعرہ)
(۲)۔(تاریخ الخلفاء مترجم......ص ۷۰)
(۳)۔(ضیاء النبی ﷺ......ج ۴ ص ۷۶۸، باب حجۃ الوداع)

ومراده ومراد من قال ذلک من أهل الحديث : أنه لم يصح حديث في مناقبه بخصوصه، وإلا فماصح عندهم في مناقب الصحابة رضي الله عنهم على العموم، ومناقب قريش فهو رضي الله عنه داخل فيه [1].

''یعنی ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی مناقب کے لیے عدمِ صحتِ حدیث کا قول ہے، ورنہ وہ تمام صحیح و مُسلّم مناقب جو صحابۂ کرام اور قریش کے لیے کتاب وسُنّت میں علی العموم موجود ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں داخل ہیں''۔

حافظ جلال الدّین السّیوطی رحمہ اللہ کا حوالہ:

مُصنّف نے ''عدمِ فضیلت'' کے اعتراض میں علامہ جلال الدّین السّیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۱۱ھ) کو بھی اپنا ہم نوا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور تاریخ الخلفاء ص ۱۳۹ کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن ہمیں تلاشِ بسیار کے باوجود حضرتِ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''عدمِ فضیلت'' کا قول نہ مل سکا۔ ہاں! سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جملے ضرور ملے:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک دربارِ رسالت میں کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیے اور بحیثیتِ کاتب ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احادیث کے راوی ہیں، آپ کے حوالہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے منجملہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ، ابنِ زبیر رضی اللہ عنہ ابودرداء رضی اللہ عنہ، جریر بجلی رضی اللہ عنہ، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ وغیرہ اور تابعین کے منجملہ ابنِ مسیب، حمید بن عبدالرحمن وغیرہ نے احادیث بیان کی ہیں، ہوشیاری و بُردباری میں مشہور تھے۔ آپ کی فضیلت میں اکثر احادیث وارد ہیں۔ ترمذی نے ابنِ ابی عمیر صحابی کی زبانی لکھا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا کی:

(۱)۔(المنار المنیف ... ص ۱۰۹، فصل ۴۰)

اے اللہ! انہیں ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔

احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی زبانی لکھا ہے۔
میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے:

"اے اللہ! معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتاب اور حساب سکھا دے اور عذاب سے محفوظ رکھ"۔

ابنِ ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی نے عبدالملک بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب سے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ:

اے معاویہ! جب تمہیں اقتدار نصیب ہو تو لوگوں سے حسنِ سلوک کرنا۔
اس وقت سے مجھے امید تھی کہ میں خلیفہ ضرور بنوں گا[1]"۔

حضرتِ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب آنحضرت بود او صاحب فضیلت جلیلہ و زمرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم زنہار در حق او رسوءِ ظن نکنی و در ورطۂ سب او نہ افتی تا مرتکب حرام نشوی (۲)۔

"جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ایک شخص تھے، اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے اور زمرۂ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑے صاحبِ فضیلت تھے، تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہو گے"۔

کیا اب بھی ہم نہ کہیں۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

---

(۱)۔(تاریخ الخلفاء......ص ۶۵ تحت حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ)
(۲)۔(ازالۃ الخفاء ...... فصل ...... فتح ...)

ایک اور طرز سے:

چلیے کچھ دیر کے لیے ہم ان تمام دلائل کو چھوڑ کر مصنّف کے تحریر کردہ جملوں پر غور کرتے ہیں کہ کیا اس سے فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تمام احادیث کی نفی ہو جاتی ہے؟ موصوف کا کہنا ہے:

''صاحبِ فتح الباری فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ نے اپنے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ لوگوں نے جناب امیر معاویہؓ کے لیے اپنی طرف سے فضائل ومناقب کی ''جو روایات'' گھڑ لی ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں اور فضائلِ معاویہؓ میں بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو(۱)''۔

صاحبِ فتح الباری حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا یہ اشارہ نقل کر رہے ہیں کہ لوگوں نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ''جو روایات'' گھڑ لی ہیں وہ جعلی ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ میں کوئی روایت ثابت ہی نہیں ہے۔ خود حضرتِ امامِ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مسندِ احمد (۲) میں حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کی احادیث نقل کی ہیں۔

اگر وضعی اور گھڑی ہوئی روایات کے انکار سے کُل روایات کی نفی لازم آتی ہے تو قبلہ! سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نمبر تو بعد میں ہے، سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کس کے فضائل میں احادیث وضع کی گئی ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) عامر الشعبی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

ما کذب علی احد من ھذہ الامۃ ما کذب علیٰ علی رضی اللہ عنہ (۳)۔

''اُمت میں جس قدر جھوٹ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر باندھا گیا ہے اس قدر کسی پر نہیں باندھا گیا''۔

حافظ ابنِ قیم جوزی رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(نام ونسب......ص ۵۱۵)

(۲)۔(ج ۴ ص ۱۲۷، ۲۱۶)

(۳)۔(٭ تذکرۃ الحفاظ......ج ۱ ص ۸۲ تحت ذکر ابو عامر الشعبی)

(٭ میزان الاعتدال......ج ۱ ص ۴۳۶ تحت ذکر الحارث بن عبد اللہ الاعور)

قال الحافظ أبويعلى الخليلي في كتاب الإرشاد:

وضعت الرافضة في علي ﷺ وأهل البيت نحو ثلاث مائة ألف حديث (۱).

"حافظ ابویعلی الخلیلیؒ "کتاب الارشاد" میں فرماتے ہیں کہ روافض نے فضائلِ علی اور فضائلِ اہلِ بیت ﷺ میں تین لاکھ احادیث گھڑ کر پھیلا دی ہیں"۔

حافظ خلیلی رحمہ اللہ کے اس ارشاد پر حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ یوں مہرِ تصدیق ثبت کرتے ہیں:

ولا تستبعد هذا، فإنك لو تتبعت ماعندهم من ذلك، لوجدت الأمر كما قال (۲).

"اور (حافظ خلیلیؒ کی) اس بات میں کوئی استبعاد نہیں اگر تم (وضع شدہ مواد کی) جستجو کرو گے تو معاملہ ایسا ہی پاؤ گے جیسا کہ حافظ الخلیلیؒ نے کہا ہے"۔

حضراتِ علمائے کرام کے ان بیانات سے بعد اب اگر کوئی نادان فضائلِ علی ﷺ واہلِ بیت ﷺ کی تمام احادیث کا انکار کردے جیسا کہ مُصنّف نام ونسب نے سیّدنا معاویہ ﷺ کے ساتھ کیا ہے (۳) تو پھر اس کے لیے سوائے ہدایت کی دعا کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔ اب رہا مُصنّف کا آخری جملہ کہ:

"فضائلِ معاویہ ﷺ میں بہت سی احادیث مروی ہیں، لیکن اس میں کوئی روایت ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو"۔

اس بحث میں دو باتیں لائقِ توجہ ہیں:

(۱) یہ بات گھڑی ہوئی روایات کے بارے میں کہی جارہی ہے، کیونکہ سلسلۂ کلام پیچھے سے جعلی احادیث کے بارے میں چل رہا ہے کہ فضائلِ معاویہ ﷺ میں جو گھڑی ہوئی روایات مروی ہیں، ان میں سے کوئی روایت ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو، یہ بات ہمارے مؤقف کے

(۱)-(المنار المنیف ......ص ۱۰۸، فصل ۳۰)
(۲)-(ایضاً)
(۳) -(نام ونسب . ص ۵۱۸)

ہرگز خلاف نہیں، بلکہ ہم بھی وضعی اور جعلی روایات کا انکار کرتے ہیں، خواہ وہ حضرتِ علی ﷛ کے بارے میں ہوں یا حضرتِ معاویہ ﷛ کے بارے میں، جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی (م۱۳۴۱ھ) فرماتے ہیں:

"انصافاً یوں ہی وہ مناقبِ امیرِ معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائلِ امیر المؤمنین واہلِ بیت ﷛ میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں کما نص علیہ الحافظ ابویعلیٰ والحافظ الخلیلی فی الارشاد یونہی نواصب نے مناقبِ معاویہ ﷛ میں حدیثیں گھڑیں کما ارشد الیہ الامام الذاب عن السنہ احمد ابن حنبل رحمہ اللہ [1]"۔

(۲) اگر اس بیان سے فضائلِ معاویہ ﷛ کی تمام احادیث کا انکار مقصود ہے تو یہ بیان مشاہدہ اور نقل دونوں کے خلاف ہے، کیونکہ جمہور محدّثین فضائلِ معاویہ ﷛ میں وارد شدہ احادیث کو "صحیح" اور "حسن" قرار دیتے ہیں۔

(۳) اور جہاں تک ضعیف روایات کی بات ہے تو فضائل کے باب میں ضعیف روایات بھی مقبول ہوتی ہیں، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے الموضوعات الکبیر [2] علامہ ابنِ حجر مکّیؒ نے تطہیر الجنان [3]، علامہ سخاویؒ نے المقاصد الحسنہ [4] اور علامہ محمد بن عراق الکنانیؒ نے تنزیہ الشریعہ [5] میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

اگر ضعیف روایات قابلِ قبول نہ ہوں تو خود فضائلِ سیدنا علی ﷛ کی بے شمار روایات کو چھوڑ دینا ہوگا۔

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا حوالہ:

مُصنّف نام ونسب نے "عدمِ فضیلت" کے اعتراض میں شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م۷۲۸ھ) کو بھی اپنا ہم مسلک ثابت کرنے کی سعی فرمائی ہے، اس سلسلہ میں مُصنّف نے حضرت شیخ الاسلام کی کتاب منہاج السنۃ کا حوالہ بھی دیا ہے، پہلے وہ حوالہ اور اس پر مُصنّف کا تبصرہ

(۱)۔ (فتاویٰ رضویہ جدید......ج۵ص۴۶۱)

(۲)۔ص۱۰۸ (۳)۔ص۱۳ (۴)۔ص۴۳۱ (۵)۔ج۲ص۱۵۷

ملاحظہ ہو پھر ہمارا جواب......

"شیخ ابن تیمیہ اگرچہ شیعوں کے شدید مخالف ہیں اور ان کے عقائدِ باطلہ کی تردید میں ایک ضخیم کتاب منہاج السنہ کے نام سے تصنیف کی جسے آفاقی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، اس منہاج السنہ میں ابنِ تیمیہؒ جناب معاویہؓ کے فضائل اور ان کے اجتہاد کے سلسلہ میں مروی احادیث کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ہاں معاویہ کے ساتھ مروانیہ وغیرہم کا ایک بڑا گروہ ہے، وہ لوگ جنھوں نے ان کے ساتھ مل کر لڑائی کی یا ان کے بعد جو ان کے متبعین ہوئے وہ کہتے ہیں کہ وہ (معاویہؓ) علی المرتضیٰؓ کے ساتھ لڑائی کے معاملہ میں حق پر تھے اور معاویہؓ مجتہد و مصیب تھے اور علی المرتضیٰؓ یا ان کے ساتھی ظالم تھے یا خطائے اجتہادی میں مبتلا تھے اور اس سلسلہ میں معاویہؓ کے لیے بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جیسے کتاب المروانیہ، جس کے مصنف جاحظ ہیں......اور "ایک گروہ" نے تو معاویہؓ کے فضائل میں من گھڑت روایات اور احادیث رسالت مآب ﷺ سے روایت کیں لیکن وہ سب کی سب جھوٹ ہیں اور اس سلسلہ میں ان کے لمبے چوڑے دلائل ہیں یہاں جن کے ذکر کا موقع نہیں لیکن یہ لوگ اس بارے میں اہل سُنت کے نزدیک خطا پر ہیں اگرچہ روافض کی خطا ان کی خطا سے بڑھ کر ہے۔ (منہاج السنہ......ج ۲ ص ۲۰۷)

......شیخ ابنِ تیمیہؒ نے شیعہ سے شدید مخالفت کے باوجود حق بات کہہ دی اور حق یہ ہے کہ اہلِ حق کا حق بھی یہی ہے کہ مخالفت کے باوجود حقائق کو تسلیم کریں، شیعہ سے ان کی مخالفت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ ابنِ تیمیہؒ جہاں خوارج اور بنواُمیہ کے اس منظم گروہ کا ذکر کر رہے ہیں جنھوں نے جنابِ امیر معاویہؓ کے فضائل و مناقب میں احادیث وضع کیں وہاں یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ شیعوں کی خطا ان سے بڑی خطا ہے، ایسے انسان کا فضائلِ جنابِ معاویہؓ کے سلسلہ میں مروی احادیث کے لیے کل کذب (وہ سب

روایات جھوٹی ہیں) کہنا خصوصی اہمیت رکھتا ہے حالانکہ شیعہ کو نیچا دکھانے کے لیے وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ اگر فضائلِ اہلِ بیتؓ میں مروی احادیث صحیح ہیں تو جنابِ معاویہؓ کے حق میں مروی احادیث بھی پایۂ صحت کو پہنچی ہوئی ہیں مگر اُنھوں نے ایسا نہیں کیا...... ع

''خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را''[1]

الجواب: شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے دیے گئے حوالہ اور اس سے مُصنّف کے اخذ شدہ مضمون (جو ان کی ''علمیت'' اور ''کمالِ اخذ و استنباط'' پر پوری طرح گواہ ہے) پر ہم وہی کہنا چاہتے ہیں جو امیر المؤمنین ویعسوب المسلمین سیّدنا و مولانا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے کہا تھا:

هذه كلمة حق يراد بها باطل[2].

مُصنّف نے حافظ ابنِ تیمیہؒ کے ذکر کردہ حوالہ سے جو مفہوم و مراد اخذ کیا ہے وہ خارجیوں ہی کے قبیل سے ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہ کہ حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ ان حضرات کے اس خیالِ فاسد کی تردید فرما رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کے معاملہ میں ظالم یا خطائے اجتہادی کے مرتکب تھے اس سے حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ وہ معاذ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (مُصنّفِ نام ونسب کی طرح) باطل پر اور خطائے منکر کا مرتکب گردانتے تھے...... وہ جہاں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے مخصوص فضائل' ان کے ''احق بالخلافۃ'' اور مشاجراتِ میں ''اقرب الی الحق'' ہونے کے قائل ہیں وہیں وہ حضراتِ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلاف کو ''اجتہادی'' مانتے ہیں جیسا کہ صفحاتِ گزشتہ میں حافظ صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے بیان کر چکا ہوں...... ہاں! ابنِ تیمیہؒ نے ایک نصیحت ضرور کی ہے جسے بطورِ عبرت نقل کر دیتا ہوں:

ولهذا كان من مذهب أهل السنة الامساك عما شجر بين الصحابة فانه قد ثبتت فضائلهم و وجبت موالاتهم

---

(۱)۔ (نام ونسب...... ص ۵۱۷۔۵۱۹)

(۲)۔ (البدایہ والنہایہ...... ج ۷ ص ۲۸۱، سنہ ۳۷ تحت خروج الخوارج)

ومحبتهم وما وقع منه ما يكون لهم فيه عذر يخفى على الانسان ومنه ما تاب صاحبه منه ومنه ما يكون مغفوراً فالخوض فيما شجر يوقع في نفوس كثير من الناس بغضا وذما ويكون في ذلك هو مخطئا بل عاصيا فيضر نفسه ومن خاض معه في ذلك كماجرى لأكثر في ذلك فانهم تكلموا بكلام لا يحبه الله ولا رسوله اما من ذم من لا يستحق الذم واما من مدح امور لا تستحق المدح ولهذا كان الامساك طريقة أفاضل السلف [1].

" اسی لیے مشاجراتِ صحابہ ﷡ کے بارے خاموشی اہلِ سُنّت والجماعت کا مذہب ہے کیونکہ ان کے فضائل ثابت اور ان سے محبت واجب ہے اور ان کے ذریعہ سے جو واقعات وقوع پذیر ہوئے ان کے بارے میں ان کے نزدیک ایسے عذر ہوں گے جن تک ہر انسان کی رسائی نہیں، اکثر لوگوں سے وہ مخفی ہیں، نیز ان میں سے بعض تائب ہوگئے ہوں گے اور بعض مغفور ہوں گے، ان کے باہمی جھگڑوں میں بحث کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف بغض اور مذمت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے، اسی طرح وہ شخص خطا کار اور گناہ گار ہوگا اور اپنے ساتھ اس شخص کو بھی نقصان میں ڈال دے گا جو اس کے ساتھ اس بارے میں بحث کرے گا جس طرح اکثر کلام کرنے والوں کا مشاہدہ کیا گیا ہے وہ عموماً ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی ہیں جو فی الواقع مستحق ذم نہیں ہوتے اور ان کی مذمت اور جو چیزیں قابل مدح نہیں ہوتیں، ان کی مدح کر جاتے ہیں اسی لیے افاضلِ سلف کا طریقہ یہ رہا ہے کہ اس بارے میں خاموشی اختیار کی جائے"۔

---

(۱)۔(منہاج السنۃ......ج ۲ ص ۲۱۹۔۲۲۰، فصل قال الرافضی وکان بالیمن یوم الفتح الخ)

مُصنّفِ نام ونسب نے حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی اس بات کا جسے وہ ''افاضلِ سلف کا طریقہ'' فرمارہے ہیں کتنا پاس ولحاظ رکھا؟

(۲) حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک گروہ نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں من گھڑت روایات اور احادیث رسالت مآب ﷺ سے روایت کیں لیکن وہ سب کی سب جھوٹی ہیں''۔

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی ان عبارات سے مُصنّف نام ونسب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب وفضائل میں رسالت مآب ﷺ سے جتنی احادیث مروی ہیں ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک کل کذب وہ سب کی سب جھوٹی ہیں...... حالانکہ ایسا نہیں ہے حضرتِ شیخ الاسلام رحمہ اللہ تو ان روایات کی نفی فرمارہے ہیں جو ''ایک گروہ'' نے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کو ثابت کرنے کے لیے گھڑی ہیں، اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں واردشدہ احادیث ''سب کی سب جھوٹی'' ہیں۔

خود فتاویٰ ابنِ تیمیہؒ میں حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل پر بڑا جیّد کلام فرمایا ہے اور فضائلِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہماری نقل کردہ احادیث میں سے ایک حدیث کو بطورِ استدلال پیش کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ومعاوية قد استكتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال:
''اللّٰهم علمه الكتاب والحساب، وقه العذاب'' (۱).

''حضور اکرم ﷺ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب بنایا اور ان کے بارے میں فرمایا: اے اللہ! معاویہ کو کتاب وحساب کا علم دے اور عذاب سے محفوظ فرما''۔

کیا حافظ ابنِ تیمیہؒ نے اس حدیث کو موضوع ومن گھڑت جانتے ہوئے بھی اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا؟ اور کیا اب مُصنّفِ نام ونسب کے نزدیک حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ پر:

---

(۱)۔ (مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام...... ج۳۵ ص۶۴، باب الخلافۃ والملک الخ تحت دعاء الرسول لمعاویۃ)

من كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار[1].

کی وعیدِ شدید صادق نہیں آئے گی؟

(۳) مُصنفِ نام ونسب لکھتے ہیں کہ ''شیخ ابنِ تیمیہؒ نے شیعہ سے شدید ''مخالفت'' کے باوجود حق بات کہہ دی ...... عزیزِ من! شیخ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کو شیعہ سے شدید ''اختلاف'' ہے نہ کہ ''مخالفت'' ...... اختلاف اور مخالفت میں فرق ہوتا ہے جس سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں آپ کو تو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ''اختلاف'' کا حق بھی نہیں مگر آپ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''مخالفت'' پر کمر بستہ ہیں ...... ع

اے طفلِ خود معاملہ قد سے عصا بلند

---

(۱)-(بخاری ...... ج۱ص۲۱، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

بدعت کا اِلزام

مُصنّفِ نام ونسب بعنوان ''دورِ بنواُمیہ کی بدعات'' ارقام کرتے ہیں:

''بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں شروع ہو گیا تھا، مگران کے اخلاف نے تو انتہا کر دی، یہاں اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں، مختصراً ایک بدعت ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ محی الدّین ابنِ عربیؒ لکھتے ہیں...... عیدین میں اذان اور اقامت نہ کہنا سُنّت ہے، مگر جناب معاویہؓ نے نمازِ عید سے پہلے اذان اور تکبیر شروع کروا دی۔ (فتوحاتِ مکیہ ج ۱ ص ۵۴۰) چونکہ ایسے تاریخی حقائق وشواہد کو زیرِ بحث لانا ہمارا موضوع نہیں ورنہ بے شمار ایسے تاریخی حقائق حوالہ جات کے ساتھ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے انسان ضرور چونک اٹھتا ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا اور قرآن وسنت میں اس کا ثبوت کہاں پر موجود ہے[1]''۔

اس بحث میں دو امور لائقِ توجہ ہیں:

(۱) بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں شروع ہو گیا تھا...... گویا اپنے عہد میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بانی بدعات ہیں۔ (اعاذنا اللہ)

(۲) جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عید سے پہلے اذان اور تکبیر شروع کروا کر بدعت کا ارتکاب کیا......

جوابِ امرِ اوّل: جہاں تک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بدعات کا تعلق ہے تو یہ ایک متفقہ امر ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال واعمال بدعات میں داخل نہیں، بلکہ ان کے اقوال

---

(۱)۔(نام ونسب......ص۵۱۹)

واعمال تو اُمت کے لیے حجت ہیں...... اس کے لیے منہاج السنہ [۱]، اعلام الموقعین [۲]، بدائع الفوائد [۳]، طبقات سبکی [۴]، عمدۃ القاری [۵]، کتاب العلم [۶]، احکام [۷]، ازالۃ الخفاء [۸]، اور یسر من رأی [۹] کا مطالعہ کیجیے۔

اور صحابۂ کرام ﷺ اُمت میں سے کسی کی تعدیل کے محتاج نہیں۔ اس مضمون کو خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے شروع میں ذکر کر چکا ہوں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: مرقاۃ [۱۰]، اسد الغابہ [۱۱]، استیعاب [۱۲]، اصابہ [۱۳]، تقریر الاصول [۱۴]، فواتح الرحموت [۱۵]، مسامرۃ [۱۶]۔

جب صحابۂ کرام ﷺ کے اقوال واعمال اُمت کے لیے حجت ہیں اور وہ کسی کی تعدیل کے محتاج بھی نہیں ہیں تو وہ خود بدعت کا موضوع کیسے بن سکتے ہیں؟

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ناجی فرقہ وہی ہوگا:

ما انا علیہ واصحابی [۱۷]۔

''جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہوگا۔''

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں صاف طور پر بتلا دیا ہے کہ میرا طریقہ اور میرے صحابہ ﷺ کا طریقہ تمہارے لیے قندیلِ ہدایت ہے، **بأیهم اقتدیتم اهدیتم** ان میں سے جس کی بھی پیروی کرلو ہدایت ہی پر رہو گے۔ اس حدیث سے جہاں صحابہ ﷺ کی فضیلت ومنقبت ثابت ہوتی ہے وہیں یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ ﷺ کو اپنے ساتھ شامل کرکے اُمت کو حق اور باطل کے پرکھنے کا میزان ومعیار بھی بتلا دیا ہے۔ خود قرآن نے جماعتِ صحابہ ﷺ کو معیارِ حق قرار دیا ہے:

---

(۱)۔ ج۱ ص۲۵۶ (۲)۔ ج۱ ص۶۷ (۳)۔ ج۴ ص۷۷۴ (۴)۔ ج۱ ص۲۶۲

(۵)۔ ج۳ ص۳۲۳ (۶)۔ ج۲ ص۸۳ (۷)۔ ج۲ ص۱۴۰ (۸)۔ ج۱ ص۱۶ (۹)۔ ج۲ ص۴۸

(۱۰)۔ ج۵ ص۵۱۷ (۱۱)۔ ج۱ ص۲ (۱۲)۔ ج۱ ص۲ (۱۳)۔ ج۱ ص۱۱

(۱۴)۔ ج۲ ص۲۶۰ (۱۵)۔ ج۱ ص۱۵۶ (۱۶)۔ ج۱ ص۱۵۸

(۱۷)۔ (*ترمذی...... ج۲ ص۸۹، ابواب الایمان، باب افتراق ھذہ الامۃ)

(*مستدرک حاکم...... ج۱ ص۱۲۹، کتاب العلم)

(*مشکوٰۃ...... ج۱ ص۳۰، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (۱).

''اور جو شخص مخالفت کرے رسول (ﷺ) کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی ہے اور چلے مومنین کا راستہ چھوڑ کر ہم اس کو پھیر دیں گے، جدھر وہ جاتا ہے اور اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے اور وہ ہے بہت بُرا ٹھکانا''۔

اس آیتِ مبارکہ میں ''سبیل المؤمنین'' سے مراد جماعتِ صحابہ ﷡ ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

أوصيكم باصحابی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ...... فليلزم الجماعة (۲).

''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں صحابہؓ کے بارے میں (کہ ان کے نشانِ قدم کی پیروی کرنا) پھر جو ان سے متصل ہیں، پھر جو ان سے متصل ہیں...... اس جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا''۔

اسی لیے حدیث میں آنحضرت ﷺ نے صحابہ ﷡ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کو خیر القرون کہا ہے (۳)۔

سیّدنا عبداللہ ابنِ مسعود ﷛ (م ۳۲ھ) کا ارشاد ہے:

من كان مستنا فليستن بمن قدمات فإن الحی لاتومن عليه الفتنة أولئک أصحاب محمد صلی الله عليه وسلم كانوا أفضل هذه الأمة ، أبرها قلوبا، و أعمقها علما، وأقلها تكلفها إختارهم الله لصحبة نبيه، و لإقامة دينه، فأعرفوالهم

---

(۱)۔(النساء:۱۱۵)

(۲)۔(* مستدرک......ج ۱ ص ۱۱۴، کتاب العلم)

(* مسند ابوداؤد طیالسی......ج ۱ ص ۷)

(۳)۔(* بخاری......ج ۱ ص ۵۱۵، باب فضل اصحاب النبی ﷺ)

(* مسلم......ج ۲ ص ۳۰۹، کتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذین یلونھم الخ)

فضلهم ، وأتبعوهم على أثرهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم (۱)۔

''جو شخص اقتدا کرنا چاہتا ہے تو ان حضرات کی اقتدا کرے جو فوت ہو چکے ہیں، کیونکہ زندہ شخص فتنہ سے مامون نہیں اور یہ (قابلِ اقتدا لوگ) اصحاب محمد ﷺ ہیں جو اس اُمّت میں سب سے افضل، پاکیزہ قلوب کے مالک ،عمیق علم والے، سب سے بڑھ کر تکلّف سے پرہیز کرنے والے تھے، اللہ تعالی نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت و رفاقت اور دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا تھا، ان کے فضائل کو پہچانو، ان کے نشانِ قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے سیرت و اخلاق کو اختیار کرو کیونکہ یہ حضرات ہدایت اور صراطِ مستقیم پر تھے''۔

حضرت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (م ۱۰۱ھ) ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

فارض لنفسك مارضي به القوم لأنفسهم ، فإنهم على علم وقفوا، وببصر نافذ كفوا ، وهم على كشف الأمور كانوا أقوى، بفضل ما كانوا فيه أولى فإن كان الهدىٰ ما انتم عليه سبقتموهم إليه (۲)۔

''تم اپنی ذات کے لیے اسی طریق کو پسند کرو جس کو سلفِ صالحینؒ نے اپنے لیے پسند کیا، کیونکہ یہ حضرات صحیح علم پر مطلع تھے، اور وہ گہری بصیرت کی بنا پر ان بدعات سے مجتنب و محترز رہے اور بلاشبہ وہ معاملات کی تہہ تک پہنچنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے، اور جس حالت پر وہ تھے، وہ افضل تر حالت تھی، پس اگر ہدایت کا راستہ وہ ہے جو تم نے سلفِ صالحینؒ کے برخلاف اختیار کیا ہے تو

(۱)۔(رواہ رزین مشکوٰۃ......ج ۱ص ۳۳، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)
(۲)۔(ابوداؤد......ج ۲ص ۲۷۷، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ہدایت کی طرف ان حضرات سے (معاذ اللہ) سبقت لے گئے ہو"۔

امام الہند حضرتِ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

اقول: الفرقة الناجية هم الاخذون فى العقيدة والعمل جميعا بما ظهر من الكتاب والسنة وجرىٰ عليه جمهور الصحابة والتابعين......الىٰ ان قال...... وغير الناجية كل فرقة انتحلت عقيدة خلاف عقيدة السلف اوعملا دون اعمالهم [1].

"میں کہتا ہوں کہ فرقۂ ناجیہ صرف وہی ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں کتاب وسُنّت، جس پر جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعین کاربند تھے، کی پیروی کرے......اور غیر نجات یافتہ ہر وہ فرقہ ہے جو سلفِ صالحین کے عقیدہ کے خلاف کوئی اور عقیدہ یا عمل اختیار کرے"۔

سو جن کے اقوال و اعمال اُمّت کے لیے حجت ہوں، وہ خود لائقِ اقتدا ہوں، معیارِ ہدایت ہوں، دائرۂ بدعات میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟ جو صحابہ کرام ﷺ پر بدعات کا الزام لگاتا ہے وہ بدعت کی تعریف (جو سلفِ صالحینؒ سے منقول ہے) ہی سے ناواقف ہے۔ بلکہ حضراتِ سلف صالحین کے نزدیک تو جماعتِ صحابہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنے والا تارکِ سُنّت کہلاتا ہے:

واما ترک السنة فالخروج من الجماعة [2].

"اور سُنّت کو چھوڑنا جماعت سے خروج ہے"۔

بدعت کی تعریف:

مولانا سخاوت علی جونپوری الحنفی رحمہ اللہ (م ۱۲۷۵ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(حجۃ اللہ البالغہ......ج ۱ص ۱۷۰، مبحث فی الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(۲)۔(٭مستدرک......ج ۱ص ۱۲۰، کتاب العلم)

(٭منہاج السنہ......ج ۳، ص ۲۳۶، فصل قال الرافضی ایضا الاجماع لیس اصلا فی الدلالۃ الخ)

''بدعت وہ کام خواہ عقیدہ کہ دین کا ہو اور آخرت کا نفع اور ضرر اس میں سمجھتے ہوں، ثابت نہ ہوا ہو، رسولِ مقبول ﷺ سے اور آپ ﷺ کے صحابہ ؓ سے[1]''۔

حضرتِ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ (م ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں:

ان البدعة المذمومة هو المحدث فی الدين من غير ان يكون فی عهد الصحابة والتابعين ولادل عليه الدليل الشرعی[2].

''مذموم بدعت وہ ہے جو دین کے اندر ایجاد کی جائے اور وہ عہدِ صحابہؓ اور تابعینؒ میں نہ ہوا اور نہ ہی اس پر کوئی دلیلِ شرعی دال ہو۔''

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

هو كل ماحدث فی الدين بعد زمن الصحابة بلاحجة شرعية[3].

''بدعت ہر وہ چیز ہے جو صحابہ کرام ؓ کے عہد کے بعد بلا حجتِ شرعیہ دین میں نکالی جائے''۔

حضرتِ علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

أما اهل السنة والجماعة فيقولون فی كل فعل وقول لم يثبت عن الصحابة هو بدعة لانه لو كان خيرا لسبقونا اليه لأنهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها[4].

---

(۱)۔(رسالہ تقویٰ ......ص ۹)

(۲)۔(شرح المقاصد ......ج ۲ ص ۲۷۱ تحت المبحث الثامن حکم المومن والکافر والفاسق)

(۳)۔(نبراس ......ص ۲۱)

(۴)۔(تفسیر ابنِ کثیر ......ج ۴ ص ۱۵۷ تحت سورۃ فصلت)

''اہلِ سُنّت والجماعت کا کہنا یہ ہے کہ ہر وہ قول وفعل جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو، بدعت ہے کیونکہ اگر اس کام میں خیر ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور اس کام میں سبقت لے جاتے، اس لیے کہ اُنھوں نے نیکی کے کسی پہلو اور عمدہ خصلت کو ترک نہیں کیا بلکہ وہ ہر کام میں سبقت لے گئے ہیں''۔

مفتی اقلیمِ ہند حضرتِ مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۲ھ) فرماتے ہیں:

''بدعت ان چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت میں ثابت نہ ہو، یعنی قرآن مجید اور احادیثِ شریف میں اس کا ثبوت نہ ملے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں اس کا وجود نہ ہو[1]''۔

حضرت مولانا کریم بخش رحمہ اللہ (م ۱۳۶۵ھ) فرماتے ہیں:

''اصطلاحِ شریعت میں بدعت ہر وہ فعلِ دین ہے جس کو قرونِ ثلاثہ کے اہلِ حق کی اکثریت نے قبول نہ کیا ہو[2]''۔

اسی لیے سیّدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ) کا ارشاد ہے:

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد كفيتم [3].

''تم ہمارے (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے) نشانِ قدم کی اتباع کرو اور بدعات نہ ایجاد کرو، تم جس دین پر ہو وہ تمہیں کافی ہے''۔

سیّدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ (م ۳۶ھ) فرماتے ہیں:

كل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تعبدوها [4].

''ہر وہ عبادت جسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہیں کیا تم بھی مت کرنا''۔

---

(۱)۔(تعلیم الاسلام......حصہ چہارم ص ۴۴)

(۲)۔(حقیقۃ الایمان......ص ۳۸)

(۳)۔(الاعتصام......ج ۱ ص ۵۹، الباب الثانی فی ذم البدع وسوء منقلب اصحابہا، تحت الوجہ الثالث من النقل)

(۴)۔(الاعتصام......ج ۲ ص ۳۶۶، الباب الثامن فی الفرق بین البدع والمصالح المرسلۃ والاستحسان)

اسی طرح ہمارے فقہائے کرام رحمہم اللہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ ﷛ کے عدم فعل کو ایک مستقل ضابطہ اور دلیل سمجھتے ہیں اور اس سے استدلال پکڑتے ہیں۔ چند ایک مقامات دیکھیے :

(۱) حضرت ابن عباس ﷛ فرماتے ہیں کہ:

''دعا میں سجع کی رعایت کی طرف دھیان نہ رکھنا اور اس سے پرہیز کرتے رہنا، کیونکہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ ﷛ دعا میں سجع نہیں کرتے تھے (۱)''۔

(۲) عالمگیری میں ہے:

''سورۃ الکافرون کا آخر تک باجمع پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ وہ بدعت ہے، صحابہ ﷛ اور تابعین سے منقول نہیں ہے (۲)''۔

(۳) محمد بن عیسٰی الطباع رحمہ اللہ حضرتِ امامِ مالک رحمہ اللہ (م ۱۷۹ھ) کا اصول نقل کرتے ہیں کہ:

کل حدیث جاءک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یبلغک ان احداً من الصحابہ فعلہ فدعہ (۳)۔

''ہر حدیث جو تمہیں نبی پاک ﷺ سے ملے اور اس پر کسی صحابی کا عمل نہ ہوا سے چھوڑ دو''۔

اس تفصیل سے اتنی بات تو واضح ہوجاتی ہے کہ اقوال واعمالِ صحابہ ﷛ حجت ہیں، ہم غیر مقلدین کو روتے تھے کہ وہ اقوالِ صحابہ ﷛ کو حجت نہیں مانتے، لیکن آج سُنّیت کے نام پر ایسے مولوی بھی پیدا ہوگئے ہیں جو خود صحابہ ؓ کو ''بدعتی'' کہہ رہے ہیں، نعوذ باللہ، یعنی اب تک تو حضراتِ صحابہ ﷛ کے طرزِ عمل سے بدعت اور سُنّت کی شناخت ہوتی تھی لیکن اب ''لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا'' کے تحت لوگوں نے صحابہ ﷛ ہی کو ''بدعتی'' کہنا شروع کردیا ہے۔ فیا للعجب!

مزید حیرانی اس بات پر ہوتی ہے کہ اگر صحابہ نعوذ باللہ، بدعتی ہیں تو ان کی اقتدا کا حکم چہ معنی دارد؟

---

(۱)۔(صحیح البخاری......ج ۲ ص ۹۳۸، کتاب الدعوات، باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء)

(۲)۔(فتاویٰ عالمگیری......ج ۴ ص ۲۶۴، باب الکراہیۃ بحوالہ المنہاج والواضح......ص ۹۷)

(۳)۔(الفقیہ والمتفقہ......ج ۱ ص ۱۳۲، باب القول فیما یرد بہ خبر الواحد)

پھر سیّدنا حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بدعت کی تہمت...... جو مجتہد صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ اصحابِ فتویٰ اور کئی احادیث کے راوی ہیں، سیّدنا عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لیس احد منا اعلم من معاویة (۱).

''ہم (موجود صحابہؓ) میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے''۔

ایک مرتبہ وتر کی بحث میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ہی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت کی تعریف **انه فقیه** (۲) کہہ کر فرمائی:

مُصنّف نام ونسب نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ بدعتی کہا، لیکن ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

ما کان معاویة علی رسول اللہ ﷺ متهماً (۳).

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے میں (کسی کے ہاں) متہم نہیں تھے''۔

پھر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار اصحابِ فتویٰ میں ہوتا ہے (۴)۔

حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احادیث نقل کی ہیں، جن کی تعداد ایک سو تریسٹھ ۱۶۳ ہے۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں عبداللہ ابنِ عباس، عبداللہ ابنِ زبیر، ابودرداء، ابوسعید الخذری اور عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

اب ایسے جلیل القدر اور مجتہد صحابی کو ''بدعتی'' قرار دینا واقعی بڑے حوصلہ کی بات ہے،

---

(۱)۔(السنن الکبریٰ للبیہقی......ج ۳ ص ۲۶، باب الوتر)

(۲)۔(صحیح البخاری......ج ۱ ص ۵۳۱، ذکر معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۳)۔(مسند احمد......ج ۴ ص ۹۵، مسند الشامیین)

(۴)۔(*اعلام الموقعین......ج ۱ ص ۵، ابتدائی فصول)

(*تدریب الراوی ص ۴۰۴، بحث واکثرہم فتیا ابنِ عباس)

(*الاصابہ......ج ۱ ص ۱۶۶، مقدمۃ الکتاب، الفصل الثالث)

(۵)۔(*الاصابہ......ج ۶ ص ۱۲۲ تحت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما

(*اسد الغابہ......ج ۵ ص ۲۲۳۔۲۲۴ تحت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

اگر میں آج مہر علی شاہ صاحب (م ۱۳۵۶ھ) کا نام لے کر انہیں ”بدعتی“ کہہ دوں تو کیا مہر صاحب کا کوئی عقیدت منداس ”الزام“ کو برداشت کرے گا اور کیا یہ جملہ ان کے حلقۂ ارادت میں کہرام برپا نہیں کردے گا؟ اگر ”بدعتی“ کہنا مہر علی صاحب کی ذاتِ سیادت مآب کے شایانِ شان نہیں بلکہ صراحتاً تنقیص، سوئے ادب اور گستاخی ہے تو کیا کسی صحابی کی شان میں ایسے الزامات زیبا ہیں؟

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

جوابِ امرِ دوم: دوسرا الزام مُصنّف نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ یہ عائد کیا ہے:

”عیدین میں اذان واقامت نہ کہنا سُنّت ہے مگر جناب معاویہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عید سے پہلے اذان اور تکبیر شروع کروادی“۔

الجواب: موصوف جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ تہمت دھر رہے ہوں گے تو اگر ان کا ضمیر (کسی درجہ میں بھی) زندہ ہے تو انہیں ضرور ملامت کر رہا ہوگا...... کیا اس الزام کی نسبت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب صحیح ہے؟

اور کیا یہ حدث جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کیا گیا ہے واقعات کے اعتبار سے درست ہے؟ کیا مقامِ طعن میں مجروح و مقدوح روایات فائدہ دیتی ہیں؟ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں اتباعِ سنت اور نہی منکرات کا جذبہ کتنا تھا اس کے لیے درج ذیل کتب کی طرف مراجعت فرمایئے:

مجمع الزوائد (۱)، مشکوٰۃ (۲)، مسلم (۳)، المصنف لابنِ ابی شیبہ (۴)، السنن للدارمی (۵)، تاریخ المدینہ المنورہ (۶)، الادب المفرد للبخاری (۷)، مسند امام احمد (۸)، ترمذی (۹)، السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۰)، مسند الحمیدی (۱۱)۔

ایسے متبع سنت، مجتہد اور فقیہ صحابی رضی اللہ عنہ پر بدعت کی تہمت دھرنا انصاف و دانشمندی ہے؟ اور کیا کسی انسان کی طرف (صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو کیا بات ہے) ناکردہ جرم کا انتساب صحیح ہے؟ ہم اس سے زیادہ اور کیا کہیں...... ہم اس طعن کے جواب میں مُصنّف نام ونسب سے وہی سوالات کرنا چاہتے ہیں جو محقق العصر وکیلِ صحابہؓ اور سفیرِ اہلِ بیتؓ حضرت اقدس مولانا محمد نافع صاحب نفعنا اللہ بعلومہ نے ناقدین وطاعنینِ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے (اسی طعن کے سلسلے میں) کیے ہیں:

---

(۱)- ج۹ ص۳۵۷، (۲)۲- ص۱۰۵، (۳)- ج۱ ص۲۸۸، (۴)- ج۲ ص۳۵۱، (۵)- ص۲۰۰، (۶)- ج۱ ص۱۳۲، (۷)- ص۱۴۴، (۸)- ج۴ ص۹۳، (۹)- ج۲ ص۱۰۰، (۱۰)- ج۴ ص۲۹۰، (۱۱)- ج۲ ص۲۷۳۔

"(۱) طعن پیدا کرنے والے احباب کے ذمہ ہے کہ یہ بات واضح کریں کہ اذان صلوٰۃ العید کو کس سن اور کس سال میں جاری کیا گیا؟

(۲) تمام ممالکِ اسلامیہ میں اس کا اجراء کیا گیا یا صرف بلادِ شام میں[۱]؟

(۳) جس علاقہ میں یہ حکم جاری کیا گیا اس میں کیا ردِ عمل ہوا؟

(۴) کیا اس دور کے سب اہلِ اسلام (صحابہؓ و تابعینؒ و غیرھم) نے اس کو قبول کیا؟ یا مخالفت ہوئی؟

(۵) پھر اس مخالفت کی وضاحت درکار ہوگی کہ کن حضرات نے مخالفت کی؟ اور کن حضرات نے تائید کی؟

(۶) خصوصاً اہلِ حرمین نے اس حکم پر عمل کیا یا اس کو رد کیا؟

(۷) ہاشمی اکابر نے اس سے کیا تاثر لیا؟ تعاون کیا یا تخالف کیا؟

ان تمام تفصیلات کو سامنے لا کر پھر اس کا تجزیہ کرنا ہوگا اور مسئلہ کے نشیب و فراز کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ یہ چیزیں معترض احباب کے ذمہ ہیں کہ ان کو صاف کریں۔ اگر حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کو مطعون کرنا مطلوب ہے تو پھر ان کوائف کو واضح کیجیے اور اگر اس دور کے اکابرِ اُمت نے مخالفت کی تھی تو وہ حکم نافذ کیسے ہو سکا؟ نیز اس مخالفت کی وضاحت کسی صحیح حوالہ کے ساتھ مطلوب ہے۔

مقامِ طعن میں مجروح و مقدوح روایات کام نہیں دے سکتیں اور اگر اکابر (بشمول بنی ہاشم...... ناقل) نے موافقت کی تھی تو اس کے نتیجہ میں صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ ان تمام حضرات پر ارتکابِ بدعت کا طعن وارد ہوتا ہے، جنھوں نے تعاون علی الاثم والعدوان کا ارتکاب کیا، حالانکہ یہ حضرات تعاون علی الاثم والعدوان کرنے والے نہیں تھے[۲]"۔

---

(۱)۔ (جبکہ کتبِ حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر تھے، بغیر اذان و اقامت کے نمازِ عید پڑھاتے تھے۔ (المصنف لعبد الرزاق...... ج ۳ ص ۲۷۸، تحت باب الاذان لھما (عیدین) المصنف لابنِ ابی شیبہ...... ج ۲ ص ۱۶۸، تحت بحث ہذا)

(۲)۔ (سیرت امیر معاویہؓ...... ج ۲ ص ۳۲۶-۳۲۷ تحت خطبہ و اذان قبل العید)

اس بحث کے آخر میں ہم مُصنّف نام ونسب سے تین باتیں مزید کہنا چاہتے ہیں:

(۱) مُصنّفِ نام ونسب نے ایک بے سند قول پیش کر کے سیّدنا معاویہ ؓ کو ''بدعتی'' کہہ دیا...... حالانکہ صحابہ کرام ؓ کا مقام تو اتنا بلند ہے کہ اگر کسی حدیث سے صحابہ کرام ؓ کی ذواتِ مقدسہ پر حرف آتا ہو تو اس کی تاویل ضروری ہے، اس بات کو شروع میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (م ۱۳۹۶ھ) کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں۔ دو حوالہ جات مزید ملاحظہ فرمایئے:

شیخ الاسلام حضرتِ علامہ محی الدین نووی رحمہ اللہ (م ۶۷۷ھ) لکھتے ہیں:

قال العلماء الاحادیث الواردة التی فی ظاهرها دخل علی صحابی یجب تاویلها قالوا ولا یقع فی روایات الثقات الا مایمکن تاویله[۱].

''علماء کا قول ہے کہ وہ احادیث جن سے کسی صحابی پر بظاہر حرف آتا ہو، ان کی تاویل واجب ہے، علماء یہ کہتے ہیں کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی روایت موجود نہیں، جس کی تاویل نہ ہو سکے''۔

امامِ راشد حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ (م ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں:

''یہ مؤرِخین کی روایات تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں، نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے، نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں ہر غث وثمین سے اور ارسال وانقطاع کے ساتھ لیا گیا ہے، خواہ ابنِ اثیر ہوں یا ابنِ قتیبہ، ابنِ ابی الحدید ہوں یا ابنِ سعد۔

ان اخبار کو مستفاض ومتواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے، صحابۂ کرام ؓ کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائلِ نقلیہ وعقلیہ کی موجودگی میں اگر روایاتِ صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا ماؤل قرار دی جاتیں، چہ جائیکہ روایاتِ تاریخ[۲]''۔

---

(۱)۔(مسلم مع النووی...... ج ۲ ص ۲۷۸، باب من فضائل علی بن ابی طالب)

(۲)۔(مکتوباتِ شیخ الاسلام...... ج ۱ ص ۲۸۷ مکتوب نمبر ۸۹)

(۲) مُصنّف نام ونسب نے صحابی رسول ﷺ کو "بدعتی" کہہ کر خود بدعت کا ارتکاب کیا ہے، علم کلام کے مقتدر عالم علامہ ابوالشکور السالمی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۵ھ) فرماتے ہیں:

الکلام فی البدعة علی خمسة اوجه الکلام فی اللہ والکلام فی کلام اللہ والکلام فی قدر اللہ والکلام فی عبید اللہ والکلام فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [1].

"بدعت کے پانچ انداز ہیں: اللہ کی ذات وصفات پر (سلفِ صالحینؒ سے ہٹ کر) کلام کرنا، قرآن کے بارے میں نیا قول پیش کرنا، اللہ کی قدرت پر بحث کرنا، اللہ کے پیغمبروں پر کلام کرنا، صحابہ کرام ﷺ پر رائے زنی کرنا"۔

(۳) مُصنّفِ نام ونسب نے جو بہتان سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر باندھا، اوّل تو اس کی نسبت ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف مخدوش ہے، اگر بالفرض اس کی نسبت سیّدنا معاویہؓ کی جانب صحیح بھی ہوتی تب بھی اس کو کسی پہلو سے "بدعت" نہیں کہا جا سکتا، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم ارقام فرماتے ہیں:

"میرا جواب یہ ہے کہ اگر وہ صحابی یا تابعی مجتہد ہے اور اپنے قول کی بنیاد کسی بھی شرعی دلیل پر رکھتا ہے (خواہ وہ شرعی دلیل ہمیں کمزور نظر آتی ہو) تو بلاشبہ اسے "اجتہاد" ہی کہا جائے گا، اسے "بدعت" یا "تحریف" نہیں کہہ سکتے، ایسی صورت میں عمل تو بلاشبہ قرآن وحدیث اور خلفائے راشدینؓ کی سُنّت ہی پر کیا جائے گا، صحابیؓ کے منفرد مسلک کو کمزور، مرجوح، یہاں تک کہ اجتہادی غلطی بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اسے "بدعت" قرار دینے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

صحابۂ کرامؓ کا معاملہ تو بہت بلند ہے، بعد کے فقہاء مجتہدین سے ایسے بے شمار اقوال مروی ہیں جو بظاہر قرآن وسُنّت کے خلاف نظر آتے ہیں، لیکن چونکہ ان کی کوئی نہ کوئی شرعی بنیاد کمزور یا مضبوط موجود ہے، اس لیے ایسے اقوال کو اجتہادی غلطی تو کہا گیا ہے لیکن "بدعت" کسی نے نہیں کہا۔ مثلاً امام شافعیؒ

---

(۱)۔(التمہید... ص ۱۹۲، القول الرابع)

اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا جان بوجھ کر چھوڑ دے تب بھی ذبیحہ حلال ہوتا ہے (بدایۃ المجتہد ...... ج ا ص ۴۴۶) حالانکہ قرآن کریم کی صریح آیت موجود ہے کہ:

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ

''اور اس (ذبیحہ) میں سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو''۔

جمہور فقہاء نے امام شافعیؒ کے اس مسلک کی تردید کی ہے، اسے کمزور کہا ہے، اور اس پر عمل نہیں کیا، لیکن کیا کوئی ایک عالم بھی ایسا بتایا جا سکتا ہے جس نے اس مسلک کی وجہ سے امام شافعیؒ پر بدعت کا الزام عائد کیا ہو؟ وجہ یہی ہے کہ امام شافعیؒ مجتہد ہیں اور اپنے قول کی ایک شرعی بنیاد رکھتے ہیں، یہ بنیاد جمہور کے نزدیک کمزور سہی، لیکن ان کو ''بدعت'' اور ''تحریفِ دین'' کے الزام سے بَری کرنے کے لیے کافی ہے، ورنہ اگر ملک صاحب کے اصول کے مطابق ''بدعت'' کے خطاب میں اتنی فیاضی سے کام لیا جائے تو اُمت کا شاید کوئی مجتہد بھی اس نشتر کی زد سے نہیں بچ سکے گا کیونکہ ہر ایک کے یہاں ایک دو اقوال ضرور ایسے ملتے ہیں جو بظاہر قرآن و سنت کے خلاف نظر آتے ہیں اور جمہور اُمت نے اسی لیے ان کو قبول نہیں کیا بلکہ رد کر دیا ہے مگر ان کے عمل کو ''بدعت'' کسی نے نہیں کہا۔

ہاں! شرط یہ ہے کہ ایسے قول کا قائل اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اور اس کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جا سکتا ہو کہ وہ خواہشاتِ نفسانی کی اتباع میں تحریفِ دین کا مرتکب ہوگا، امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان الرای المذموم ما بنی علی الجهل واتباع الهوی من غير ان يرجع اليه وما كان منه ذريعة اليه وان كان فی اصله محموداً وذلك راجع الیٰ اصل شرعی فالاول داخل تحت حد البدعة وتتنزل عليه ادلة الذم والثانی خارج عنه ولا يكون بدعةً ابداً.

(الاعتصام...... ج ا ص ۱۳۱)

"قابلِ مذمت رائے وہ ہے جو جہالت اور خواہشات کی پیروی پر مبنی ہو اور اس میں کسی اصلِ شرعی کی طرف رجوع نہ کیا گیا ہو، اور رائے کی دوسری قسم وہ ہے جو اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے محمود ہو لیکن رائے مذموم کا ذریعہ بن سکتی ہے، اور اس کی بنیاد کسی شرعی اصل پر ہوتی ہے ان میں سے پہلی قسم تو بدعت کی تعریف میں داخل ہے اور اس پر مذمت کے دلائل کا اطلاق ہوتا ہے، لیکن دوسری قسم کی رائے اس سے خارج ہے اور وہ کبھی بدعت نہیں ہو سکتی (۱)"۔

(۴) مصنف نے تو ایک بے سند قول پیش کر کے سیدنا معاویہ ﷛ کو "بدعتی" کہہ دیا۔ اب ہم ایک باسند قول پیش کر کے ان سے اس کا جواب طلب کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے:

"جس حاملہ عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو وضعِ حمل سے اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے (۲)"۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

وقد قال جمهور العلماء من السلف وأئمة الفتوى في الأمصار: إن الحامل إذا مات عنها زوجها تحل بوضع الحمل وتنقضي عدة الوفاة، وخالف في ذلك علي فقال: تعتد آخر الأجلين، ومعناه أنها أن وضعت قبل مضي أربعة أشهر وعشر تربصت إلى انقضائها ولا تحل بمجرد الوضع، وان انقضت المدة قبل الوضع تربصت الوضع. أخرجه سعيد بن منصور وعبد بن حميد عن علي بسند صحيح، وبه قال ابن عباس كما في هذه القصة، ويقال إنه رجع عنه، ويقويه إن المنقول

---

(۱)۔ (حضرت معاویہ ﷛ اور تاریخی حقائق ... ص ۱۶۶۔۱۶۸، تحت بدعت کا الزام)

(۲)۔ (* بخاری ...... ج ۲ ص ۸۰۲، کتاب الطلاق، باب واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن)

(* مسلم ... ج ۱ ص ۴۸۶، کتاب الطلاق، باب انقضاء العدة المتوفی عنہا وغیرها بوضع الحمل)

عن اتباعه وفاق الجماعة فی ذلک [1]۔

''جمہور علمائے سلف اور ائمہ فتویٰ کا قول یہ ہے کہ حاملہ عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وضعِ حمل کے ساتھ ہی وہ آزاد ہو جائے گی اور اس کے ساتھ اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ حضرت علی ؓ کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ایسی عورت دونوں مدتوں میں بعد والی مدت تک عدت گزارے گی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو وضعِ حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو گیا تو چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی۔ صرف وضعِ حمل سے آزاد نہ ہوگی اور اگر مدت مذکورہ وضعِ حمل سے پہلے پوری ہوگئی تو وضعِ حمل تک انتظار کرے گی۔

حضرت علی ؓ سے یہ فتویٰ سعید بن منصور اور عبد بن حمید نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جیسا کہ واقعہ میں مذکور ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی تھا پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا اور ان سے اجماعِ اُمت کے اتباع کا منقول ہونا اس (رجوع) پر قوی دلیل ہے''۔

حضرت علی ؓ کا یہی فتویٰ فروع کافی [2] من لا یحضرہ الفقیہ [3] تہذیب الاحکام [4] میں بھی موجود ہے۔

ع بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

''فتوحاتِ مکّیہ'' کے حوالہ پر بحث:

مصنف نام ونسب کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عائد کیے گئے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مُصنّف کے اس موضوع پر پیش کیے گئے حوالہ کی بھی تحقیق کر لی جائے، مصنف نے اپنی بات کی تائید میں شیخِ اکبر محی الدین بن عربی رحمہ اللہ (م ۶۳۸ھ) کی کتاب فتوحاتِ مکیہ ج ا ص ۵۴۰ کا حوالہ پیش کیا ہے، فتوحاتِ مکیہ کا حوالہ پیش کرنے

(۱)-(فتح الباری۔ ج ۹ ص ۴۶۹ کتاب الطلاق، باب واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم الخ)
(۲)- ج ۶ ص ۱۱۴۔ (۳)- ج ۳ ص ۳۲۹۔ (۴)- ج ۸ ص ۱۵۰

سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ اس بے بنیاد اعتراض کے لیے مصنف کے پاس کتب تاریخ و حدیث سے باسند کوئی حوالہ نہیں اور پھر فتوحاتِ مکیہ کا حوالہ بھی بے سند ہے، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۶۱ھ) امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (م ۱۸۱ھ) کا یہ قول مقدمہ صحیح مسلم میں نقل کرتے ہیں کہ:

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء [1]۔

''اسناد دین میں سے ہیں اگر اسناد نہ ہوتیں تو ہر کوئی جو کچھ چاہتا کہہ دیتا''۔

اب رہی بات فتوحاتِ مکیہ کی تو اوّل تو اس میں اکابر علمائے اعلامؒ کی تحقیق کے مطابق الحاقات ہو چکے ہیں [2]۔

دوم رہی بات فتوحات کی اسنادی اور حوالہ جاتی حیثیت، تو ہم ذیل میں حضرتِ مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ) کا ایک اقتباس نقل کر رہے ہیں جس سے قارئین کو فتوحات کی اسنادی حیثیت سے مکمل آگاہی ہو جائے گی:

> مخدوما! فقیر را تاب استماع امثال این سخناں ہرگز نیست بے اختیار رگِ فاروقیم در حرکت می آید و فرصت تاویل و توجیہ آں نمی دہد قائل ایں سخناں شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در کار است نہ کلام محی الدین عربی وصدر الدین قونوی وعبد الرزاق کاشی مارا بنص کار یست نہ بفص فتوحاتِ مدنیہ از فتوحاتِ مکیہ مستغنی ساختہ است [3]۔
>
> ''مخدوم محترم! فقیر کو ہرگز اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگِ فاروقی حرکت میں آ جاتی ہے اور ایسے اقوال کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی، اس طرح کا مقولہ شیخ کبیر یمنی کا ہو یا شیخِ اکبر شامی کا ہمیں

---

(۱)۔(صحیح مسلم... ج ۱ص ۱۲ تحت مقدمۃ الکتاب)

(۲)۔(*الیواقیت والجواہر...... ج ۱ص ۷)

(*تاریخ دعوت وعزیمت...... ج ۲ص ۱۵۸)

(۳)۔(مکتوباتِ امام ربانی..... دفتر اول مکتوب: ۱۰۰)

کلامِ محمد عربی ﷺ درکار ہے نہ کہ محی الدین ابنِ عربی، صدرالدین قونوی اور عبدالرزاق کاشی، ہم کو نص (۱) سے کام ہے نہ کہ فص (۲) سے، فتوحات مدنیہ (۳) نے ہم کو فتوحاتِ مکیہ (۴) سے مستغنی کر دیا ہے (۵)''۔

امامِ راشد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے پائے کے بزرگ ہیں اور بہت بڑے محقق ہیں اس لیے یہ قول یا تو درحقیقت ان کا ہے ہی نہیں بلکہ ان کی تصنیف میں ملاحدہ نے چھپا کر داخل کر دیا ہے جیسا کہ امام العارفین شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے اور اگر ان کا قول ہی ہو تو یقیناً اس میں ان سے خطا ہوئی ہے، وہ بڑے ہیں مگر معصوم نہیں ہیں اس لیے جمہور کا قول صحیح ہے (۶)''۔

---

(۱)-نصوص کتاب وسنت مراد ہیں (۲)-شیخ اکبر رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''فصوص الحکم'' کی طرف اشارہ ہے (۳)- تعلیمات کتاب وسنت (۴)-شیخ اکبر کی مشہور کتاب جس کا حوالہ نصیرالدین صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''بدعتی'' ثابت کرنے کے لیے دیا ہے۔ (۵)-اس حوالہ کے نقل کرنے سے مقصد شیخ اکبر رحمہ اللہ کی مخالفت نہیں، ہم ان کے بارے میں وہی موقف رکھتے ہیں جو جمہور علمائے اہلِ سنت رحمہم اللہ کا ہے، جس کی ترجمانی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحب رحمہ اللہ (م ۱۴۰۳ھ) نے ''علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' میں فرمائی ہے۔

(۶)-(مکتوبات شیخ الاسلام۔ ج ۱ ص ۲۲۲ مکتوب نمبر ۸۳)

خطائے منکر کے ارتکاب کا اِلزام

مُصنفِ نام ونسب ''اجتہادی خطا کی حقیقت'' کے عنوان کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ خلیفۂ برحق تھے، اور اس پر اجماعِ اُمت ہے۔ جناب امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو رویّہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔ ان کے اس رویّے کو محض خطائے اجتہادی قرار دے کر موجبِ اجر و ثواب سمجھنا محلِ نظر ہے۔ کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جدّ و جہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے، مگر دُنیوی اور ملکی اُمور میں ایسی اجتہادی خطا کو جو موجبِ فتنہ بنے باعث اجر و ثواب قرار دینا قرینِ دانش مندی و انصاف نہیں ہے۔ ہمیں درجۂ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب معاویہؓ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرزِ عمل کو ''اجتہادی کارنامہ'' سمجھنے سے قاصر ہیں[1]۔''

الجواب: چند نکات کی طرف توجہ فرمائیں:

(۱) جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ برحق ہونے کا تعلق ہے تو اس سے آج تک کسی سُنّی مسلمان نے انکار نہیں کیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تھے اور اپنے زمانہ میں اَحق بالخلافۃ بھی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وعلى أحق الناس بالخلافة فى زمنه بلا ريب عند أحد من العلما ......من لم يربع بعلى فى الخلافة فهو أضل من حمار أهله [1].

حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ مستحق خلافت تھے، یہ

---

(۱)۔(نام ونسب .... ص ۵۳۲۔۵۳۳)

(۲)۔(منہاج السنہ... ج ۲ص ۲۰۸، قال الرافضی الثانی عشر الفضائل اما نفسانیۃ او بدنیۃ او خارجیۃ الخ)

''ایسی حقیقت ہے جس کے تسلیم کرنے میں کسی ایک عالم کو بھی شک نہیں ہے.... جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ رابع نہ مانے وہ اپنے گھر کے گدھے سے زیادہ گم کردہ راہ ہے''۔

(۲) جہاں تک افضلیتِ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو باعتبارِ مراتب سیدنا علی رضی اللہ عنہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ ''السابقون الاولون'' کے ائمہ میں سے ہیں اور سیّدنا معاویہ ''مسلمۃ الفتح'' کے لوگوں میں سے، وہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل ہیں۔ جبکہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے بہت بعد ایمان والوں میں سے ہیں، خود سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ مستحق خلافت ہیں، مجھ سے زیادہ حق دار ہیں، آپ مہاجرین اولین میں سے ہیں،..... مجھے آپ جیسی سبقتِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی قرابت حاصل نہیں ہے[1]''۔

اسی طرح حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

والله إني لأعلم أن علياً أفضل مني وأحق بالأمر[2].

''اللہ کی قسم! میں خود کو علی رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتا، بلکہ بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور امر (خلافت) کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں''۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے سے افضل اور احق بالخلافۃ سمجھتے تھے۔ یہ ناکارہ اس مقام پر یہ بات کہنا ضروری سمجھتا ہے کہ جس طرح مراتب فضائل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں، اسی طرح بعد والوں کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی نسبت نہیں، اگر وہاں زمین و آسمان کا فاصلہ ہے تو یہاں بھی فرق عرش سے تحت الثریٰ تک کا ہے۔

(۳) سیّدنا علی و سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگ ہوئی ہے، جیسا کہ شروع میں حافظ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اور مجدّد الفِ ثانی رحمہما اللہ (م ۱۰۳۴ھ) کے حوالہ سے عرض

---

(۱)۔(سلیم بن قیس..... ص ۱۶۱)

(۲)۔(البدایہ والنہایہ..... ج ۸ ص ۱۲۹، سنہ ۶۰ھ تحت ترجمۃ معاویہ رضی اللہ عنہ)

کر چکا ہوں کہ اس کی بنیاد حصولِ خلافت یا طلبِ اقتدار پر نہ تھی بلکہ ہر دو فریق ایک دوسرے سے دین کے تحفظ اور سربلندی کے لیے برسرِ پیکار تھا۔ حضرت علامہ شعرانی (م ۹۷۶ھ) اور علامہ کمال الدین المقدسی الشافعی (م ۹۰۵ھ) رحمہما اللہ منازعت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وليس المراد بما شجر بين علي ومعاوية المنازعة في الامارة كما توهمه بعضهم وانما المنازعة كانت بسبب تسليم قتلة عثمان ﷛ الى عشيرته ليقتصوا منهم [1].

''حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین تنازع امارت و حکومت (کے حصول) میں نہیں تھا، جیسا کہ بعض (کم عقلوں) کو وہم ہوا ہے۔ بلکہ قاتلین (عثمان ﷛) کو وارثین (عثمان ﷛) کے حوالہ کر دینے میں تنازع ہوا تھا تاکہ وہ ان سے قصاص لے سکیں''۔

حضرتِ مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۳۴ھ) حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ (م ۵۰۵ھ) کا قول نقل کرتے ہیں:

آن منازعت برامر خلافت نبودہ بلکہ استیفاء قصاص در بدء خلافت حضرت امیر بودہ [2]۔

''حضرتِ علی ﷛ اور حضرتِ امیرِ معاویہ ﷛ کے مابین تنازع امرِ خلافت میں نہیں تھا بلکہ حضرتِ علی ﷛ کی خلافت کے ابتدائی دور میں (حضرتِ عثمان ﷛ کے) قصاص طلبی کا جھگڑا تھا''۔

خود حضرتِ امیرِ معاویہ ﷛ کا ارشاد ہے:

ماقاتلت عليا الا في امر عثمان [3].

''میرا علی سے قتال صرف (قصاص دم) عثمان ﷛ کے معاملہ میں ہے''۔

---

(۱)۔(*الیواقیت والجواھر... ج ۲ ص ۷۷، المبحث الرابع والاربعون فی بیان وجوب الکف عما شجر بین الصحابۃ الخ)
(*المسامرۃ ج ۲ ص ۱۵۸۔۱۵۹ تحت الاصل الثامن فی فضل الصحابۃ)

(۲)۔(مکتوباتِ امام ربانی... مکتوب نمبر ۲۵۱)

(۳)۔(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱۱ ص ۹۲، کتاب الامراء)

نیز: واما الخلافة فلسنا نطلبها [۱].

"ہم اس مقام میں خلافت کے طلب گار نہیں ہیں"۔

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما فریقین میں رفع نزاع کی کوشش کر رہے تھے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میری طرف سے جا کر بتلا دو:

فقولا له فليقدنا من قتلة عثمان ثم أنا أوّل من بايعه من أهل الشام [۲].

"آپ کہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دیں، پھر پہلا میں ہوں جو اہلِ شام میں سے ان کی بیعت کرے گا"۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس دعویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے نامۂ عنبر شمامہ میں فرماتے ہیں:

والظاهر أن ربنا واحد، ونبينا واحد، ودعوتنا فى الاسلام واحدة لانستزيدهم فى الايمان بالله والتصديق برسوله ولا يستزيدوننا : الأمر واحد إلا مااختلفنا فيه من دم عثمان، ونحن منه براء [۳].

"(صفین میں ہمارے اور اہلِ شام کے درمیان جو جنگ ہوئی اس سے کوئی غلط فہمی نہ ہو) ظاہر ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارے نبی ﷺ ایک ہیں اور ہماری دعوتِ اسلام ایک ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق کا تعلق ہے، نہ ہم ان سے اس بارے میں کوئی مزید مطالبہ کرتے ہیں، نہ وہ ہم سے، ہمارا سب کچھ ایک تھا، سوائے اس کے کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے معاملہ میں ہمارا اختلاف ہوا اور ہم اس سے بری ہیں"۔

---

(۱)۔(وقعۃ الصفین ..... ص ۷۰ تحت کتاب معاویۃ و عمرو الی اہل المدینۃ)

(۲)۔(البدایہ والنہایہ ..... ج ۷ ص ۲۶۰ تحت سنہ ۳۷ھ)

(۳)۔(نہج البلاغۃ ۔ ص ۱۸۲ مکتوب نمبر ۵۸)

سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اہلِ شام کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے ہوئے سنا تو فرمایا:

''لاتقولوا الا خیرا انماھم قول زعموا أنا بغینا علیھم وزعمنا أنھم بغوا علینا فقاتلناھم(۱).

''یوں مت کہو اوران کے متعلق کلمۂ خیر ہی کہو۔ ان لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ ہم نے ان پر زیادتی کی ہے اور ہم نے یہ گمان کیا ہے کہ انہوں نے ہم پر زیادتی کی ہے۔ سو اس پر قتال واقع ہوا۔''

شیعہ محدّث ابوالعباس عبداللہ بن جعفر حمیری قمی لکھتے ہیں کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ لڑنے والوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے ان کی تکفیر کی بنا پر ان سے لڑائی نہیں کی اور نہ ہی انہوں نے ہماری تکفیر کی بنا پر ہم سے لڑائی۔ ولکنا راینا انا علی حق ورأوا انھم علی حق اور لیکن ہم نے اپنے آپ کو حق پر سمجھا اور انہوں نے خود کو حق پر سمجھا(۲)۔

ایک مرتبہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے مقتولینِ صفین کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا:

لایموتن أحد من ھؤلاء وقلبه نقی إلادخل الجنة (۳).

''ان میں سے جو بھی صفائی قلب کے ساتھ مرا ہوگا وہ داخلِ جنت ہوگا''۔

اور : قال علی رضی اللہ عنہ قتلای وقتلی معاویة فی الجنة رواہ الطبرانی ورجاله وثقوا (۴).

''حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے اور معاویہؓ دونوں کے مقتولین جنتی ہیں''۔

یہی وجہ ہے کہ اختتامِ جنگ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقتولین کی تجہیز و تکفین کی اور خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ شاید تاریخِ عالم میں ایسی جنگ کبھی نہ ہوئی ہو کہ دن میں

(۱)۔(منہاج السنۃ..... ج ۳ ص ۶۱ فصل ولما قال السلف ان اللہ امر بالاستغفار لاصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ)

(۲)۔(قرب الاسناد.... ص ۴۵)

(۳)۔(مقدمہ ابن خلدون..... ص ۲۱۵ فصل نمبر ۳۰ تحت فی ولایۃ العہد)

(۴)۔(مجمع الزوائد ....ج ۹ ص ۵۹۴، باب ماجاء معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

جن حضرات کے درمیان جنگ ہوتی رات کو وہی فریق ایک دوسرے کے مقتولین کی تجہیز و تدفین میں حصہ لیتا[۱]۔

مولانا حالی مرحوم (م ۱۹۳۵ء) نے بالکل صحیح کہا ہے

اگر اختلاف ان میں باہم دِگر تھا
تو بالکل مدار اُس کا اخلاص پر تھا
جھگڑے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آیند تر تھا[۲]

(۴) یہاں تک تو گفتگو تھی ہر دو فریق کے اخلاص پر...... اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ اختلاف آنحضرت ﷺ کی نگاہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی متعدد احادیث میں اس جنگ کی طرف اشارے دیے ہیں اور ان سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس جنگ کو اجتہاد پر مبنی قرار دے رہے ہیں۔ صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (م ۷۴ھ) سے متعدد صحیح سندوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ:

تمرق مارقة عند فرقة من المسلمين تقتلهم أولى الطائفتين بالحق[۳].

''مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک گروہ (اُمت سے) نکل جائے گا اور اس کو وہ گروہ قتل کرے گا جو مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں حق سے زیادہ قریب ہوگا''۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم ارقام فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اُمت سے نکل جانے والے فرقہ سے مراد باتفاق خوارج ہیں، انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت نے قتل کیا، جن کو سرکارِ دو عالم ﷺ نے

---

(۱)-(*البدایہ والنہایہ .... ج ۷ ص ۲۷۷)
(*تہذیب ابن عساکر ..... ج ۱ ص ۴۷، باب ما ورد من اقوال المصنفین فی من قتل من اھل الشام)
(۲)-(مسدس حالی. ۲۵)
(۳)-(البدایہ والنہایہ .... ج ۷ ص ۲۷۸)

اولیٰ الطائفتین بالحق (دوگروہوں میں حق سے زیادہ قریب) فرمایا ہے، آنحضرت ﷺ کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف حلال و باطل کا اختلاف نہیں ہوگا بلکہ اجتہاد ورائے کی دونوں جانب گنجائش ہوسکتی ہے۔ البتہ حضرت علی ﷛ کی جماعت حق سے نسبتاً زیادہ قریب ہوگی۔ اگر آپ ﷺ کی مراد یہ نہ ہوتی تو حضرت علی ﷛ کی جماعت کو ''حق سے زیادہ قریب'' کے بجائے محض ''برحق جماعت'' کہا جاتا(۱)''۔

اسی طرح صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث کی متعدد کتابوں میں نہایت مضبوط سند کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتقوم الساعة حتی تقتتل فئتان عظیمتان تکون بینهما مقتلة عظیمة دعواهما واحدة(۲).

''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ (مسلمانوں کی) دو عظیم جماعتیں آپس میں قتال نہ کریں، ان کے درمیان زبردست خونریزی ہوگی، حالانکہ دونوں کی دعوت ایک ہوگی''۔

اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم ہی فرماتے ہیں:

''علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں دو عظیم جماعتوں سے مراد حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جماعتیں ہیں (شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۳۹۰) اور آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کی دعوت کو ایک قرار دیا ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے بھی پیشِ نظر طلبِ اقتدار نہیں تھا بلکہ دونوں (جماعتیں) اسلام ہی کی دعوت کو لے کر کھڑی ہوئی تھیں اور اپنی اپنی رائے کے مطابق دین ہی کی بھلائی چاہتی تھیں۔

---

(۱)۔ (حضرتِ معاویہؓ اور تاریخی حقائق... ص ۲۴۳۔۲۴۴ تحت جنگ صفین کے فریقین کی صحیح حیثیت)

(۲)۔ (* صحیح البخاری...... ج ۲ ص ۱۰۵۴، کتاب الفتن)

(* صحیح مسلم...... ج ۲ ص ۳۹۰، کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

یہی وجہ ہے کہ جنگِ صفین کے موقع پر صحابہ ﷡ کی ایک جماعت پر یہ واضح نہ ہو سکا کہ حق کس جانب ہے۔ اس لیے وہ مکمل طور پر غیر جانبدار رہے، بلکہ امام محمد ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۰ھ) کا تو کہنا یہ ہے کہ صحابہ ﷡ کی اکثریت اس جنگ میں شریک نہیں تھی۔ (منہاج السنہ......ج ۳ ص ۱۸۶)

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت معاویہ ﷛ کا مؤقف صراحتاً باطل تھا اور معاذ اللہ "فسق" تھا تو صحابہ ؓ کی اتنی بڑی تعداد نے کھل کر حضرت علی ﷛ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ اگر وہ صراحتاً برسرِ بغاوت تھے تو قرآن کریم کا یہ کھلا ہوا حکم تھا کہ ان سے قتال کیا جائے، پھر صحابہ ﷡ کی اکثریت نے اس قرآنی حکم کو کیوں پسِ پشت ڈال دیا؟ حضرت ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذکورہ دو حدیثیں اپنی تاریخ میں نقل کر کے لکھا ہے:

وفيه أن اصحاب علي ﷛ أدنى الطائفتين الى الحق، و هذا هو مذهب أهل السنة والجماعة أن علياً ﷛ هو المصيب وإن كان معاوية ﷛ مجتهداً وهو ماجور إن شاء الله .

(البدایہ والنہایہ......ج ۷ ص ۲۷۹)

"اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت علی ﷛ کے اصحاب دونوں جماعتوں میں حق سے زیادہ قریب تھے اور یہی اہلِ سُنّت والجماعت کا مسلک ہے کہ حضرت علی ﷛ برحق تھے، اگرچہ حضرت معاویہ ﷛ مجتہد تھے اور انشاء اللہ اس اجتہاد پر انہیں بھی اجر ملے گا۔"

(اس کے بعد امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ پیش کر کے حضرت مفتی صاحب مدظلہم لکھتے ہیں): "یہ ہے اہلِ سُنّت کا صحیح مؤقف جو قرآن وسنت کے مضبوط دلائل، صحیح روایات اور صحابہ کرام ﷡ کی مجموعی سیرتوں پر مبنی ہے۔ اب اگر ان تمام روشن دلائل، قوی احادیث اور ائمہ اہلِ سُنّت کے علی الرغم کسی کا دل ہشام، کلبی اور ابو مخنف جیسے لوگوں کے بیان کیے ہوئے افسانوں پر ہی

فریفتہ ہے، اور وہ ان کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو موردِ الزام ٹھہرانے اور گناہ گار ثابت کرنے پر ہی مُصر ہے تو اس کے لئے ہدایت کی دعا کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ جس شخص کو سورج کی روشنی کے بجائے اندھیرا ہی اچھا لگتا ہو تو اس ذوق کا علاج کس کے پاس ہے؟ لیکن ایسا کرنے والے کو خوب اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ پھر معاملہ صرف حضرت معاویہؓ ہی کا نہیں ان کے ساتھ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت عبادہ بن عاصؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ پر بھی معاذ اللہ ''فسق'' کا الزام عائد کرنا ہوگا اور پھر اجلّہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی وہ عظیم الشان جماعت بھی اس ''ناوکِ تسفیق'' سے نہیں بچ سکتی، جس نے نعوذ باللہ ان حضرات کو کھلے ہوئے فسق کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا، اُمّتِ اسلامیہ کے ساتھ اس صریح دھاندلی کا کھلی آنکھوں نظارہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو اس دھاندلی کے خلاف جہاد کر رہے تھے، بے یار و مددگار چھوڑ کر گوشۂ عافیت کو اختیار کر لیا، لہٰذا عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ اور باقی اجلّہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت قدامہ بن مظعونؓ، حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابوالدرداءؓ حضرت ابوامامہ باہلیؓ، حضرت مسلمہ بن مخلدؓ اور حضرت فضالہ بن عبیدؓ جیسے حضرات کے لیے بھی یہ ماننا پڑے گا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر باطل کے ہاتھ مضبوط کیے اور امامِ برحق کی اطاعت چھوڑ کر ''فسق'' کا ارتکاب کیا۔

اگر کوئی شخص یہ تمام باتیں تسلیم کرنے کو تیار ہے تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی فاسق قرار دے دے، لیکن پھر اسے پردے میں رکھ کر بات کرنے کے بجائے کھل کر ان تمام باتوں کا اقرار کرنا چاہیے اور واضح الفاظ میں اعلان کر دینا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تعظیم و تقدیس کے عقائد، ان کی افضلیت کے دعوے، ان کے حق میں خیر القرون کے خطابات سب ڈھونگ

ہیں، ورنہ عملاً ان میں اور آج کے دنیا پرست سیاستدانوں میں شمہ برابر کوئی فرق نہیں تھا [(۱)]"۔

ان گزارشات کے بعد اگر مُصنف نام ونسب کے تحریر کردہ اقتباس کی تنقیح کی جائے تو مُصنف کا دعویٰ درجِ ذیل نکات میں پیش کیا جا سکتا ہے:

(۱) جنابِ معاویہ ؓ نے حضرتِ علی ؓ کے خلاف جو رویّہ اختیار کیا وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا۔

(۲) کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جدّ و جہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے مگر دُنیوی اور ملکی اُمور میں ایسی اجتہادی خطاء کو جو موجب فتنہ بنے باعث اجروثواب قرار دینا قرین دانش مندی وانصاف نہیں۔

(۳) ہم ان کے اس طرزِ عمل کو "اجتہادی کارنامہ" سمجھنے سے قاصر ہیں۔

تنقیح اوّل:

حضرتِ معاویہ ؓ کا حضرتِ علی ؓ سے رویّہ:

جہاں تک موصوف کے اس مجمل فقرہ کا تعلق ہے تو یہ کم فہم وکم سواد اس فقرہ کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے...... یہ بات تو ہم پہلے نقل کر ہی آئے ہیں کہ سیّدنا معاویہ ؓ سیّدنا علی ؓ .... کو خود سے اُفضل بھی مانتے تھے اور احق بالخلافۃ بھی ہاں یہ ضرور ہے کہ انہوں نے اپنی بیعت کو قصاصِ دم عثمان ؓ کے ساتھ مشروط کر دیا تھا۔

اگر مُصنف مذکور صفین کے حوالہ سے گفتگو کر رہے ہیں تو ان کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جنگِ صفین میں پہل حضرت علی ؓ کی طرف سے ہوئی تھی، جب عراقی فوجیں مقامِ دخلیہ تک پہنچ گئیں تو حضرت معاویہ ؓ کو مجبوراً دفاع کے لیے نکلنا پڑا، حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لم يكن معاوية ممن يختار الحرب ابتدأ بل كان من أشد الناس حرصاً علىٰ ان لايكون قتال. [(۲)]

---

(۱)۔(ایضاً.....ص ۲۴۴۔۲۴۹ تحت جنگِ صفین کے فریقین کی صحیح حیثیت)

(۲)۔(منہاج السنہ.....ج ۲ ص ۲۱۹، فصل قال الرافضی وکان بالیمن یوم الفتح الخ)

"حضرت معاویہ ﷛ جنگ کی ابتدا کرنے والے نہ تھے بلکہ آپ تو اس بات کے سب سے زیادہ خواہاں تھے کہ (مسلمانوں میں باہمی) جنگ وقتال کی نوبت نہ آئے"۔

اسی طرح جنگ بندی کی ابتدا بھی حضرت معاویہ ﷛ ہی کی جانب سے ہوئی تھی جب کثیر تعداد میں لوگ شہید ہو گئے تو حضرت معاویہ ﷛ نے فرمایا:

قد فنی الناس فمن للثغور؟ ومن لجهاد المشركين والكفار [1].

"اگر لوگ یونہی فنا ہو گئے تو سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور کون مشرکین وکفار سے جہاد کرے گا؟"

حافظ ابنِ اثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۰ھ) کا بیان ہے کہ سیّدنا معاویہ ﷛ نے فرمایا:

هذا حكم كتاب الله بيننا وبينكم مَن لثغور الشام بعد اهله من لثغور العراق بعد اهله؟ [2].

"یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حَکَم ہے اہلِ شام کے نہ رہنے کے بعد شام کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ اور اہلِ عراق کے نہ رہنے کے بعد عراق کی سرحدوں کی نگرانی کون کرے گا؟"

مُفکّرِ اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

"جنگِ صفین میں باوجود یہ کہ شامی افواج بہت ہی قوی اور کثیر تھیں، آپ نے کھلے ہوئے قرآنوں کا واسطہ دے کر خوں ریزی کو بند کرایا اور معاملہ کو حل کرنے کے لیے فکر وتدبّر اور نظر واستدلال کی راہ اختیار فرمائی۔ یہ گمان ہرگز نہ کیا جائے کہ آپ کا لڑائی سے طبعاً دور ہونا کسی کمزوری یا بزدلی کی وجہ سے تھا، جس ذاتِ گرامی نے روم کی سیاسی قوت پر وہ کاری ضرب لگائی ہو کہ صدیوں کا

---

(۱)۔(البدایہ والنہایہ......ج ۷ ص ۲۷۳ تحت سنہ ۳۷ھ)

(۲)۔(الکامل لابنِ اثیر......ج ۳ ص ۱۶۱، ذکر تتمۃ امر صفین تحت سنہ ۳۷ھ)

تمدن اور سالہا سال کی قلت سب پامال کر کے رکھ دیے ہوں اس کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۱۳۳) میں لکھتے ہیں کہ حضرتِ امیر معاویہ ؓ رومی ممالک پر سولہ ۱۶ دفعہ حملہ آور ہوئے، بحری لڑائیوں میں امیر معاویہ ؓ کی پیش قدمی تاریخِ اسلام کے وہ انمٹ نقوش ہیں جنھیں مستقبل کی کوئی غلط بیانی نہیں دھو سکتی [۱]"۔

جب حضرتِ معاویہ اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ جاری تھی تو شاہِ روم نے مسلمانوں کی باہمی چپقلش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام پر حملہ کرنے کے لیے عظیم لشکر جمع کیا، جب حضرت معاویہ ؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے قیصرِ روم کے نام خط لکھا کہ:

"اگر تم نے اپنا ارادہ پورا کرنے کی ٹھان لی ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ اپنے ساتھی (حضرت علی ؓ) سے صلح کرلوں گا پھر تمہارے خلاف ان کا جو لشکر روانہ ہوگا اس کے پہلے سپاہی کا نام معاویہ ہوگا اور میں قسطنطنیہ کو جلا ہوا کوئلہ بنادوں گا اور تمہاری حکومت کو گاجر مولی کی طرح اکھاڑ پھینکوں گا [۲]"۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واللہ لئن لم تنته وترجع الیٰ بلادک یا لعین لأصطلحن أنا وابن عمی علیک ولأخرجنک من جمیع بلادک، ولأضیقن علیک الأرض بما رحبت فعند ذلک خاف ملک الروم وانکف [۳].

"اے لعین! اگر تو اپنے ارادے سے باز نہ آیا اور اپنے شہروں کی طرف مراجعت نہ کی تو اللہ کی قسم! میں اور میرے چچا کے بیٹے تیرے خلاف صلح کرلیں گے اور تجھے تیرے ملک سے نکال باہر کریں گے اور زمین کو باوجود وسعت کے تم پر تنگ کردیں گے۔ قیصرِ روم اس خط سے ڈر گیا اور اپنے ارادے سے باز آ گیا"۔

---

(۱)-(عبقات......ص ۲۳۱)

(۲)-(تاج العروس......ج ۷ ص ۲۰۸ مادہ "اصطفین")

(۳)-(البدایۃ والنہایۃ......ج ۸ ص ۱۱۹، تحت ترجمۃ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

محمد بن محمود الآملی نے ''نفائس الفنون'' میں ذکر کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

كان علي والله كالليث اذا دعا، وكالبدر اذا بدا، و كالمطر اذا عدا، فقال له بعض من حضر انت افضل ام علي؟ فقال: خطوط من علي خير من آل ابي سفيان [۱].

''واللہ! علی رضی اللہ عنہ شیر کی مانند تھے جب پکارتے تھے، بدرِ کامل کی مانند تھے جب ظاہر ہوتے تھے، بارانِ رحمت کی مانند تھے جب بخشش کرتے تھے، حاضرین میں سے کسی نے کہا آپ افضل ہیں یا علی رضی اللہ عنہ؟ فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ کے چند خطوط بھی آلِ ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں''۔

جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع حضرت معاویہؓ کو پہنچی تو آپؓ رونے لگے اہلیہ محترمہ نے کہا زندگی میں لڑتے رہے اور اب رو رہے ہیں؟ تو فرمایا:

ويحك! انك لا تدرين ما فقد الناس من الفضل و الفقه و العلم [۲].

''تمہیں نہیں معلوم کہ ان کی وفات سے کیسی فقہ اور کیسا علم رخصت ہوگیا''۔

ضرار صدائی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاص حمایتی لوگوں میں سے تھے ان سے ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو، انہوں نے غیر معمولی اوصاف بیان کیے تو فرمایا:

رحم الله ابا الحسن رضی اللہ عنہ! كان والله! كذالك [۳].

''اللہ ابوالحسن (علی رضی اللہ عنہ) پر رحم فرمائیں، اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے''۔

اس حقیقت کا انکار اہلِ تشیّع بھی نہ کر سکے چنانچہ شیعہ مجتہد سید ہاشم بحرانی لکھتے ہیں:

---

(۱)-(الناہیہ......ص ۳۲ فصل فی فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ)

(۲)-(البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۲۹ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ذکر شیٔ من ایامہ ودولتہ)

(۳)-(الاستیعاب......ج ۳ ص ۲۰۹ تحت تذکرہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

"فزرفت دموع معاوية علىٰ لحيته فما يملكها وهو ينشفها بكمّه وقد احتنق القوم بالبكاء ثم قال معاوية رحم الله ابا الحسن كان والله كذلك (۱)۔

"سیّدنا علی ﷛ کے فضائل سن کر بے اختیار سیّدنا معاویہ ﷛ کے آنسو ان کی داڑھی مبارک پر گرنے لگے اور وہ انہیں اپنی آستین کے ساتھ پونچھتے رہے اور قوم کے گلے روتے روتے بند ہوگئے پھر سیّدنا معاویہ ﷛ نے (ضرار صدائی سے مخاطب ہوکر) کہا کہ اللہ ابوالحسن ﷛ پر رحم کرے اللہ کی قسم وہ ایسے ہی تھے"۔

یہی روایت شیعوں کی دیگر کتابوں مثلاً امالی شیخ صدوق (۲)......دُرِ نجفیہ (۳) ......شرح ابنِ ابی الحدید (۴)، میں بھی اختلافِ الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

قارئین محترم! حقائق واقعات کی فہرست تو بہت طویل ہے "مشتے نمونہ واز خروارے" چند واقعات نقل کر دیئے ہیں۔ جن سے آپ سیّدنا معاویہ اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہما کو رحماء بینھم کا کامل مصداق پائیں گے۔ ان کے درمیان جو اختلافات تھے وہ فسادِ نیت پر نہیں بلکہ غلط فہمیوں پر مبنی تھے اور غلط فہمی کے دوران نفوسِ قدسیہ کے درمیان کشاکشی کا پیدا ہو جانا مستبعد نہیں ہے، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۲۹۷ھ) فرماتے ہیں:

"حضرت امیر معاویہ و حضرت امیر رضی اللہ عنہما کا معاملہ ہارون و موسیٰ علیہما السلام جیسا تھا......ہم کو تو اب یہی لازم ہے کہ ان کی عیب چینی نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ حضرت امیرؓ اور امیر معاویہؓ وغیرہ صحابہ ﷛ میں اگر باہم کچھ مناقشہ ہوا بھی تو وہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں اور حضرت موسیٰ و حضرت خضر میں یہ جھگڑے اور قضیے ہوئے یہ سب قصّے کلام اللہ میں موجود ہیں، انکار کی گنجائش نہیں......

(۱)۔ (حلیۃ الابرار......ج ۱ ص ۳۴۵)
(۲)۔ (مجلس ۹۱ ص ۳۷۱، المجلس الحادی والتسعون)
(۳)۔ (ص ۳۶۰)
(۴)۔ (ج ۴ ص ۳۷۴)

مناقشات صحابہ ﷡ نہ تو کلام اللہ میں مذکور ہیں، نہ حدیث میں ذکر ہے، تاریخ میں ان افسانوں کا بیان ہے سو تاریخوں کا ایسا کیا اعتبار اور وہ بھی شیعوں کی تاریخوں کا اعتبار؟ (۱)"۔

اب یہ مُصنّفِ نام ونسب ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہ ﷛ سے اور کس رویّے کے خواہاں ہیں......

سیّدنا علی ﷛ کا رویّہ:

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس رویہ کے برعکس سیّدنا علی ﷛ کا رویّہ بھی ملاحظہ ہو، جب سیّدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی ﷛ کو باصرار مشورہ دیا کہ حضرت معاویہؓ کو امارت شام پر قائم رہنے دیجیے تو سیّدنا علیؓ نے فرمایا:

فـو الله لا أولى منهم أحداً أبداً ، فإن أقبلوا فذلك خير لهم وإن أدبروا بذلت لهم السيف (۲).

"اللہ کی قسم! عمالِ عثمانؓ میں سے کسی ایک کو بھی والی نہیں بناؤں گا اگر وہ مان گئے تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر اُنھوں نے سرکشی کی تو میں ان کے خلاف تلوار استعمال کروں گا"۔

نیز: **والله لا أعطيه إلا السيف (۳).**

"اللہ کی قسم! میں معاویہ ﷛ کو تلوار کے سوا کچھ نہ دوں گا"۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولما ولي علي بن أبي طالب الخلافة أشار عليه كثيـر مـن أمـرائـه ممن باشر قتل عثمان أن يعزل معاوية عن الشام ويولي عليها سهل بن حنيف فعزله (۴).

---

(۱)-(اجوبہ اربعین......ص ۱۸۸)

(۲)-(تاریخ الطبری......ج ۴ص ۴۴۰، السنۃ الخامسۃ والثلاثون، تحت اتساق الامر فی البیعۃ لعلی بن ابی طالب)

(۳)-(ایضا......ج ۴ص ۴۴۱، تحت بحث ہذا)

(۴)-(البدایہ والنہایہ......ج ۸ص ۲۱، تحت فضل معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اشارہ کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے ان کی جگہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو والی مقرر کر دیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا''۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ اس پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

وانتشرت الفتنة وتفاقم الأمر ، واختلف الكلمة [1].

''یعنی اس فتنہ کی بنا پر لوگوں میں انتشار پھیل گیا، معاملہ حدود سے تجاوز کر گیا اور کلمۂ اسلام میں وحدت کے بجائے افتراق واقع ہو گیا''۔

اور شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قد أشار عليه من أشار أن يقر معاوية على امارته في ابتداء الأمر حتى يستقيم له الامر و كان هذا الرأى أحزم عند الذين ينصحونه ويحبونه ...... فدل هذا وغيره على أن الذين أشاروا على أمير المؤمنين كانوا حازمين وعلى امام مجتهد لم يفعل الامار آه مصلحة لكن المقصود أنه لو كان يعلم الكوائن كان قد علم أن اقراره على الولاية أصلح له من حرب صفين التى لم يحصل بها الازيادة الشر وتضاعفه لم يحصل بها من المصلحة شئ وكانت ولايته أكثر خيرا وأقل شرا من محاربته وكل ما يظن فى ولايته من الشر فقد كان فى محاربته أعظم منه [2].

''حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دینے والوں نے یہ مشورہ دیا کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو امارت پر ابتداءً بحال رکھا جائے یہاں تک کہ معاملات درست ہو جائیں اور یہ رائے ان لوگوں کے نزدیک زیادہ حازم تھی جو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے خیر خواہ اور ان سے محبت کرنے والے تھے...... یہ اور ان جیسی دیگر چیزیں اس

(۱)۔(البدایة والنہایة ......ج ۷ص ۲۲۹،سنة ۳۶ھ)

(۲)۔(منہاج السنة......ج ۴ص ۱۷۹۔۱۸۰،قال الرافضی الخامس اخبارہ بالغیب والکائن قبل کونہ الخ)

بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امیر المؤمنین کو (حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی) بحالی کا مشورہ دینے والے حازم اور محتاط تھے، حضرتِ علی رضی اللہ عنہ البتہ امام مجتہد تھے انہوں نے اپنے طور پر جس چیز کو بہتر سمجھا وہی کیا، اگر انہیں آئندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا پہلے سے علم ہوتا تو وہ جان لیتے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنری پر بحال رکھنا اس جنگِ صفین سے بہتر ہے جس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا، شر ہی میں اضافہ ہوا ان کا گورنری پر بحال رہنا بہ نسبت ان سے جنگ کرنے کے زیادہ بہتر تھا ان کی گورنری میں حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو جس شر کا امکان تھا ان سے جنگ کرنے میں اس سے کہیں زیادہ شر تھا"۔

تنقیح دوم:

موصوف کا کہنا ہے کہ!

"کسی شرعی مسئلہ میں حتی الوسع جدوجہد کے بعد اجتہادی غلطی کا معاملہ کچھ اور ہے، مگر دُنیوی اور ملکی امور میں ایسی اجتہادی خطا کو جو موجبِ فتنہ بنے باعثِ اجر و ثواب قرار دینا قرینِ دانش مندی و انصاف نہیں"۔

اس بحث میں چند اُمور قابلِ ذکر ہیں:

(۱) امیر المؤمنین سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (م ۳۵ھ) کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو ہوش رُبا حالات پیش آئے اور جو بالآخر جنگِ جمل اور صفین پر منتج ہوئے اس پر سیّدنا علی رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ) جیسی شخصیت جنھوں نے تئیس برس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ شریفہ سے فیض اٹھایا ہے، جنھیں نطقِ نبوت سے "یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ [1]" کی سند مرحمت ہوئی ہے...... جنھیں پیچیدہ اور مشکل مسائل میں "اقضاھم علی [2]" کا تمغا عطا کیا گیا ہے...... جو اپنے وفورِ علم و تقویٰ، معراجِ خشیت و انابت، اوجِ دانش و دیانت اور کمالِ فہم و بصیرت میں (اپنے زمانۂ خلافت میں) تو بہر حال سب ہی سے فائق تھے...... جب ان کا کہنا یہ ہے:

---

(۱)۔ (مشکوٰۃ...... ص ۵۶۶، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

(۲)۔ (ایضاً)

فإنا مستقبلون أمراً له وجوه وألوان، لا تقوم له القلوب، ولا تثبت عليه العقول، وإن الآفاق قد اغامت لمحجة قد تنكرت (۱).

''ہمیں ایک ایسے امر کا سامنا ہے جس کے کئی رُخ اور کئی رنگ ہیں جس کے سامنے نہ دل قائم رہ سکتے ہیں نہ عقلیں ٹھہر سکتی ہیں، اُفق پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اور راستہ مشتبہ ہوگیا ہے''۔

جب سیّدنا علی رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں تو میں اور آپ آج صدیوں بعد تاریخ کی کتابوں سے رطب ویابس روایات دیکھ کر کیا فیصلہ کر سکتے ہیں؟ یہ ہے حالات کا صحیح نقشہ جس سے اُمت مسلمہ اس وقت دوچار تھی۔

(۲) مُفسدین اور باغیوں نے سارے مسلمانوں کی موجودگی میں، مدینۃ الرّسول میں، عین روضۂ نبوی ﷺ اور مسجدِ نبوی ﷺ کے پہلو میں امیر المؤمنین، امام المظلومین سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ (م ۳۵ھ) کو بے دردی سے شہید کر کے خلافتِ اسلامیہ کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

(۳) حدتو یہ ہے کہ اس باغی ٹولہ نے خاندانِ نبوّت ﷺ خصوصاً سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی جھوٹی محبت کا سہارا لے رکھا تھا، انہیں کے کیمپ میں موجود اور عملاً بالا دست تھا، بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ خود دائرۂ خلافت ان مفسدین اور زائغین کے ہاتھوں یرغمال بنا ہوا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

يملكوننا ولا نملكهم (۲).

''وہ ہم پر مُسلط ہیں اور ہم ان پر حاوی نہیں ہیں''

(۴) سوال یہ ہے کہ کیا سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ صرف ایک نفس کے قتل کا مسئلہ تھا؟...... اور پھر کون عثمان رضی اللہ عنہ؟ جو خلیفۂ راشد ہیں اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد کائنات کی افضل ترین شخصیت ہیں، جنھیں چالیس روز تشنہ لب رکھ کر ذبح کر دیا گیا ہو، قلم کو یارا نہیں کہ ان

---

(۱)۔ (نہج البلاغہ...... ص ۴۵، خطبہ: ۹۲)

(۲)۔ (نہج البلاغہ...... ص ۹۲، خطبہ: ۱۶۸)

جگر خراش واقعات کو بیان کر سکے...... پھر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کے قتل کی افواہ پر خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۴۰۰ مہاجرین وانصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے قصاصِ عثمان کے لیے بیعت لی تھی اور اس اقدام کی تائید میں آیات قرآنی نازل ہوئی تھیں، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مقدس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا تھا...... تو کیا قصاص کا مطالبہ تنہا ایک فردِ واحد کی ذات کا مسئلہ تھا؟ اس کے ساتھ ساتھ آیۃ کریمہ مندرجہ کے تحت قصاص دمِ عثمان فرض تھا:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (۱)

''اے ایمان والو! فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا مقتولوں میں''۔

اور حدیث میں ہے کہ:

من قتل متعمداً ادفع الیٰ اولياء المقتول فان شاوا قتلوا وان شاوا اخذوا الدية (۲).

''جو کسی کو جان بوجھ کر مار ڈالے تو قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے خواہ وہ اسے بدلہ میں قتل کر ڈالیں یا اس سے دِیت وصول کر لیں''۔

(۵) قصاص ایک شرعی مسئلہ ہے جس کی فرضیت آیتِ قرآنی وحدیثِ مبارکہ سے معلوم ہوئی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دعویٰ خلافت و امارت تھا ہی نہیں، شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

''جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بھیجے گئے ایک وفد نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے کو کہا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلوں گا بشرطیکہ وہ یا تو خود قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ میں قاتلوں کو قتل کر دیں۔ (اگر وہ خود نہ کر سکیں تو) ان کو میرے حوالے کر دیں اور دلیل کے طور پر یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْراً (۳).

---

(۱)۔(البقرۃ:۱۷۸)

(۲)۔(ترمذی......ج ا ص ۲۵۸، ابواب الدیات، باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الابل)

(۳)۔(بنی اسرائیل:۳۳)

''اور جو شخص ظلماً مار دیا جائے تو ہم نے بنا رکھا ہے اس کے والی وارث کے لئے مضبوط حق پھر وہ وارث (بدلہ لیتے وقت) مارنے میں زیادتی نہ کریں (تو) بلاشک وہی مدد یافتہ و غالب اور کامیاب رہے گا''۔

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے اسی وقت یقین ہو گیا تھا کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لیا گیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ ضرور غالب ہوں گے (ازالۃ الخفاء ج۱ ص۴۳۴، البدایہ والنہایہ ج۸ ص۲۱)[(۱)]''۔

ایک طرف مطالبۂ قصاص سے فضا گونج رہی تھی جب کہ دوسری طرف:

حجة معاوية ومن معه ما وقع معه من قتل عثمان مظلوماً، ووجود قتلته باعيانهم في العسكر العراقي[(۲)]۔

''سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی دلیل یہ تھی کہ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ تو ظلماً مقتول ہوئے اور ان کے قاتل تو خود عراقی لشکر میں موجود ہیں''۔

اور قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعتِ علی رضی اللہ عنہ کے پردہ میں اپنا مکروہ چہرہ چھپایا ہوا تھا بقول حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ):

وقاتلان بجز آنکہ پناہی بحضرت مرتضیٰ برندو با او بیعت کنند علاجے نیافتند پس در باب عقد خلافت او از ہمہ بیشتر سعی کردند دوم موافقت او زدند و کیف ما کان عقد بیعت واقع شد[(۳)]۔

''قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی (سیاسی) پناہ لیں، اور ان کی بیعت کریں اسی لیے انہوں نے بیعت علی رضی اللہ عنہ کے انعقاد کے لیے بڑی کوشش کی اور خوب ان کی موافقت میں حصہ لیا جس طرح بھی ہوا یہ بیعت منعقد ہوئی''۔

---

(۱)-(برأت عثمان رضی اللہ عنہ......ص ۳۸ تحت مطالبہ قصاص کا حق)

(۲)-(* فتح الباری......ج ۱۳ ص ۲۸۸، کتاب الاعتصام، باب مایذکر من ذم الرای الخ)

(* تفسیر القرطبی......ج ۱۶ ص ۳۱۸ تحت سورۃ الحجرات، مسئلۃ الرابعۃ)

(۳)-(قرۃ العینین......ص ۱۴۳ تحت واما علی المرتضیٰ)

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) بھی لکھتے ہیں:

اختلقوا أكاذيب وابتدعوا آراء فاسدة ليفسدوا بها دين الاسلام ويستزلوا بها من ليسوا باولي الاحلام فسعوا في قتل عثمان وهو أول الفتن ثم انزووا الى علي لا حبا فيه ولا في أهل البيت لكن ليقيموا سوق الفتنة بين المسلمين ثم هؤلاء الذين سعوا معه منهم من كفره بعد ذلك وقاتله كما فعلت الخوارج وسيفهم أول سيف سل على الجماعة ومنهم من أظهر الطعن على الخلفاء الثلاثة كما فعلت الرافضة [1].

''اُنھوں نے جھوٹی روایات گھڑیں اور فاسد خیالات ایجاد کیے تا کہ اس طرح دینِ اسلام کو فاسد کریں اور ان لوگوں کو دین سے ہٹا دیں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے، اُنھوں نے قتلِ عثمان ؓ کی بھرپور کوشش کی اور یہ اولین فتنہ ہے، پھر یہ حضرت علی ؓ کے پاس جمع ہو گئے اس لیے نہیں کہ اُنھیں حضرت علی ؓ یا اہلِ بیت ؓ سے محبت تھی بلکہ محض اس لیے کہ مسلمانوں میں فتنہ برپا کریں پھر انہوں نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگیں لڑیں بعد میں انہی میں سے بعض نے آپ کی تکفیر کی اور آپ کے ساتھ جنگ کی اور ''خوارج'' کہلائے اور جماعتِ اہل اسلام پر سب سے پہلے انہی کی تلوار بے نیام ہوئی اور انہی میں سے بعض نے حضراتِ خلفائے ثلاثہ ؓ پر طعن کیا اور ''روافض'' کہلائے''۔

(۶) حضرت علی ؓ کا فرمانا یہ تھا کہ میرے پاس اتنی قوت نہیں ہے کہ میں مُفسدین کی گوشمالی کرسکوں...... فریقِ مخالف کا اس کے جواب میں کہنا تھا کہ:

(۱) آپ ان کو ہمارے حوالہ کر دیں ہم قصاص لے لیں گے۔

(۲) اگر یہ نہ کرسکیں تو ہمیں ان کی گرفتاری کی اجازت مرحمت فرما دیں اور ان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

---

(۱)۔(منہاج السنہ......ج ۳ص ۲۴۳، مبحث قتال مانعی الزکاۃ الذین قاتلہم ابوبکر)

ان تمام باتوں کے باوجود بھی صفین کے موقع پر جنگ کی ابتدا سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہ ہوئی تھی بلکہ آپ تو دفاعی پوزیشن میں تھے، پھر جنگ بندی کی سعادت بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئی۔

جب کہ بقول امامِ اہلِ سُنّت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۸۳ھ):

''اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھیوں کی سرکشی اور بزدلی سے بہت پریشانی رہی[۱]''۔

اگر سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دُنیوی وملکی اُمور میں رخنہ اندازی کا شوق ہوتا تو آپ جنگِ جمل ہی میں اپنی فوجیں لے آتے یا جنگِ نہروان کے بعد حملہ آور ہو جاتے جب کہ اس وقت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھوڑا سا علاقہ تھا مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جنگِ صفین کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ سے تمام ملک نکل گیا حتیٰ کہ آخر میں سوائے کوفہ اور مضافاتِ کوفہ کے آپ کے پاس کچھ نہیں رہ گیا[۲]''۔

یہی بات امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ازالۃ الخفاء[۳] میں لکھی ہے۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چاہتے تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے فوراً بعد اپنی خلافت کا اعلان کر دیتے لیکن انہوں نے ایسا بالکل نہیں کیا، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ہو کہ:

معاوية أبي سفيان أحلم أمتي وأجودها[۴].

وہ یہ کیسے کر سکتے ہیں؟ لہٰذا قصاص جیسے شرعی اور دینی مسئلہ کو دُنیوی یا ملکی مسئلہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔

ایک سوال:

اس قدر تفصیل اور وضاحت کے بعد آخر میں ہم مُصنّفِ نام ونسب سے ایک سوال کرنا

---

(۱)۔(خلفائے راشدینؓ......ص ۲۲۲، حالات حضرتِ علی المرتضیٰؓ تحت جنگِ صفین)

(۲)۔(ایضاً......ص ۲۱۶، حالات حضرتِ علی المرتضیٰؓ تحت حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت)

(۳)۔(ج ا ص ۴۷۹، فصل پنجم، بیان فتن)

(۴)۔(تطہیر الجنان واللسان......ص ۱۲، الفصل الثانی فی فضائلہ ومناقبہ وخصوصیاتہ الخ)

چاہتے ہیں؟ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہ عقدہ اب تک حل نہیں ہوا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان بلوائیوں اور باغیوں کا مُفسد اور فتنہ پرور ہونا معلوم تھا تو پھر ان کو اپنے ساتھ لشکر میں کیوں شامل کیا؟ اور بانی فتنہ محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر نخعی کی پوزیشن کو اتنا کیوں مضبوط کیا کہ وہ ہر جگہ مجلس اور ہر مہم میں آپ کے ساتھ رہتے تھے؟ اور سیاسی اور جنگی مُہموں میں پیش پیش نظر آتے تھے کیا ہمارے معترض ناقد جو درجۂ اجتہاد پر پہنچنا چاہتے ہیں اس گتھی کو سلجھانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟[۱] ''۔

تنقیح سوم: موصوف لکھتے ہیں کہ:

''ہم ان کے (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے) اس طرزِ عمل کو ''اجتہادی کارنامہ'' سمجھنے سے قاصر ہیں''۔

جناب نے اپنی اسی کتاب میں ایک مقام پر لکھا ہے:

''انسان خود کو خواہ کتنا ہی دانشور، ذہین و فطین اور صاحبِ علم سمجھے...... (مگر اسے) کسی بھی لمحہ اپنے محاسبۂ اعمال و اقوال سے بے نیاز نہیں ہونا چاہیے[۲] ''۔

دعویٰ سُنّی ہونے کا ہو...... اور تیور یہ کہ ''ہم'' اور ''سمجھنے سے قاصر'' جیسے الفاظ؟...... ''ہم'' اور ''میں'' تو اہلِ سُنّت والجماعت کا شعار نہیں ہے وہاں تو کتاب وسُنّت کو بھی سلفِ صالحین اور اکابر علمائے اعلام رحمہم اللہ کی تعبیرات وتشریحات کی روشنی میں سمجھنے کی ہدایات دی جاتی ہیں اور قرآنِ مجید کی کسی آیت کی ایسی تشریح یا حدیث کا کوئی ایسا مفہوم جو سلفِ صالحین اور اکابرِ اُمّت سے ثابت شدہ نہ ہو باطل تصوّر کیا جاتا ہے...... کم از کم ہم نے تو اپنے اکابر سے یہی سبق لیا ہے، صاحبِ ''معارف السنن'' محدّث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ (م ۱۳۹۷ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)- (برأتِ عثمان...... ص۴۲ تحت مطالبہ قصاص کا حق)

(۲)- (نام ونسب...... ص۴۴۵)

''یہ دنیا حق و باطل کی آماجگاہ ہے، یہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے، بسا اوقات ایک آدمی اپنے غلط نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹا رہتا ہے جس سے رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں کجی آجاتی ہے اور بالآخر اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنے کی استعداد ہی سلب ہوجاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے، اہلِ حق و تحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ...... ''میں یہ سمجھتا ہوں''...... کی برخود غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور جب انہیں اخلاص و خیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا ''ضمیمہ'' لگانے بیٹھ جائیں اہلِ حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم و زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں[1]''۔

اسی طرح صاحبِ ''اوجز المسالک'' ریحانۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری قدس سرہ (م ۱۴۰۲ھ) فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اس دورِ فساد میں آدمی اس وقت تک محقق نہیں سمجھا جاتا جب تک سلفِ صالحینؒ کے خلاف کوئی نئی ایجاد نہ کرے...... لہٰذا یہ ناکارہ تو ـ حذو النعل بالنعل ـ ان حضرات کا متبع ہے اور اس ناکارہ کی تحریر میں کوئی لفظ ان کی تحقیق کے خلاف ہے تو وہ لغو، ناقابلِ التفات اور مردود ہے[2]''۔

اور وہ بھی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلہ میں...... جو باب ایمان کا ایسا پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے، جہاں سلفِ صالحین نے زبان و قلم دونوں کو لگام دینے کی وصیت کی ہے کیونکہ اس باب میں افراط و تفریط اور غلو و تنقیص سے دامن بچانا نہایت مشکل ہے اور ذرا سی کوتاہی سلبِ ایمان کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ خصوصاً سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو نہایت ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔ حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمہ اللہ (جنھیں مُصنّف نام و نسب نے ''امام ربانی جیسی علمی و روحانی شخصیت'' کے مدحیہ الفاظ سے ذکر کیا ہے[3]) کی ایک جلالی وصیت ملاحظہ ہو:

---

(۱)۔ (بصائر و عبر...... ج ۱ ص ۱۹۲، بیان عصمتِ انبیاء و حرمت صحابہؓ)

(۲)۔ (مکاتیب شیخ الحدیث...... ص ۵۰۲۔۵۰۳)

(۳)۔ (نام و نسب...... ص ۶۴۶)

اے برادر! معاویہ تنہا دریں معاملہ نیست بلکہ نصفے از اصحاب کرامؓ کم وبیش دریں معاملہ با وے شریک اند پس محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دیں می خیزد کہ از راہ تبلیغ ایشان بما رسیدہ است و تجویز نہ کند ایں معنی را مگر زندیقی کہ مقصودش ابطال دین است (۱)۔

''اے بھائی! اس معاملہ میں حضرت معاویہ ؓ تنہا نہیں ہیں بلکہ تقریباً آدھے صحابۂ کرام ؓ ان کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں پس اگر حضرت علی ؓ کے ساتھ لڑنے والوں کو کافر یا فاسق کہا جائے گا تو پھر دین کے نصف حصّہ سے ایمان اٹھ جائے گا جو ان حضرات کی تبلیغی مساعی کی بدولت ہم تک پہنچا ہے اور اس بات کو وہی شخص جائز کہہ سکتا ہے جو زندیق ہو، جس کا مقصد ابطالِ دین ہے''۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے اختلاف کو ''اجتہادی'' نہ سمجھنا بلکہ ''عنادی'' سمجھنا اور ان پر کفر یا فسق کا فتویٰ صادر کرنا زندقہ ہے، جس سے مقصود حمایتِ اہلِ بیت ؓ نہیں بلکہ دینِ اسلام ہی میں الحاد و تشکیک پیدا کرنا ہے ......اب ہم چند حوالہ جات بقیدِ جلد وصفحہ نقل کرتے ہیں جن میں اکابر علماء نے اس اختلاف کو اجتہادی اختلاف تسلیم کیا ہے۔

(۱) حضرتِ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ:

حضرتِ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ) لکھتے ہیں:

فاما ماجری بین علی والزبیر وعائشة رضی اللہ عنهم فانما کان تأویل واجتهاد، وعلی الامام: وحکم من أهل الاجتهاد و قد شهد لهم النبی صلی اللہ علیه وسلم بالجنة والشهادة فدل علی

(۱)-(مکتوباتِ امامِ ربانی......دفترِ اوّل مکتوب ۲۵۱)

انهم كلهم كانوا على حق فى اجتهادم وكذلك ماجرى بين على ومعاوية رضى الله عنهما كان على تأويل واجتهاد(۱).

''پس جو نزاع حضرات علی، زبیر اور عائشہ ﷺ میں پیش آیا وہ تاویل واجتہاد پر مبنی تھا اور حضرتِ علی ﷺ امام (خلیفہ) تھے اور یہ سب حضرات اہلِ اجتہاد تھے اور ان کے لیے نبی پاک ﷺ نے جنت اور شہادت کی بشارت دی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب اپنے اپنے اجتہاد میں حق پر تھے۔ اسی طرح حضراتِ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو نزاع ہوا وہ بھی تاویل و ''اجتہاد'' پر مبنی تھا''۔

(۲) حضرتِ امام ابواسحاق اسفرائنی:

حضرت امام ابواسحاق اسفرائنی رحمہ اللہ (م ۴۱۸ھ) فرماتے ہیں:

فانه اى التخاصم والنزاع والتقاتل والدفاع الذى جرىٰ بينهم كان عن اجتهاد قد صدر من كل واحد من رؤس الفريقين ومقصد سائغ لكل فرقة من الطائفتين وان كان المصيب فى ذلك للصواب واحدهما وهو على رضوان الله عليه ومن والاه والمخطئ هو من نازعه وعاداه غير ان للمخطئ فى الاجتهاد اجرا وثوابا خلافا لاهل الجفاء والعناد فكل ماصح مماجرى بين الصحابة الكرام وجب حمله علىٰ وجه ينفى عنهم الذنوب والآثام (۲).

''اس لیے جو نزاع وجدال اور دفاع وقتال صحابہ ﷺ کے درمیان پیش آیا وہ اس ''اجتہاد'' کی بنا پر تھا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور فریقین

(۱)۔ (الابانۃ ...... ص ۶۹، باب الکلام فی امامۃ ابی بکر الصدیق، تحت دلیل آخر)

(۲)۔ (شرح عقائد اسفرائنی ...... ج ۲ ص ۳۸۶ بحوالہ مقامِ صحابہ ﷺ ...... ص ۱۰۴)

میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا اگرچہ اس اجتہاد میں برحق فریق ایک ہی ہے اور وہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں اور خطا پر وہ حضرات ہیں جنھوں نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے نزاع وعداوت کا معاملہ کیا، البتہ جو فریق خطا پر تھا اسے بھی ایک اجر وثواب ملے گا، اس عقیدہ میں صرف اہلِ جفا وعناد ہی اختلاف کرتے ہیں، لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں ان کی بھی اس میں تشریح کرنا واجب ہے جو ان حضرات سے گناہوں کے الزام کو دور کرنے والی ہو"۔

(۳) حافظ ابنِ حزم اُندلسی رحمہ اللہ:

علامہ ابنِ حزم اُندلسی رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ) فرماتے ہیں:

فبهذا قطعنا على صواب علي رضی اللہ عنہ وصحة امامته وانه صاحب الحق وان له اجرين اجر الاجتهاد واجر الاصابة وقطعنا ان معاوية رضی اللہ عنہ ومن معه مخطئون مجتهدون ماجورون اجراً واحداً (۱).

"پس اس بنا پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے "اجتہاد" میں صواب پر ہیں اور آپ کی امامت صحیح ہے اور آپ برحق تھے اور آپ کے لیے دو اجر ہیں، ایک اجر اجتہاد کرنے کا اور ایک اجر اجتہاد کے صحیح ہونے کا اور ہم اس پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مجتہد ہیں اور مخطی ہیں اور (خطا کی وجہ سے بھی) ان کو ایک اجر ملے گا"۔

(۴) حضرتِ امام غزالی رحمہ اللہ:

حضرتِ امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

وما جرى بين معاوية وعلى رضى الله عنهما مبنيا على الاجتهاد لا منازعة من معاوية فى الامامة (۲).

---

(۱)۔ (الفصل فی الملل والنحل ..... ج ۴ ص ۱۶۱ تحت الکلام فی حرب علی ومن حاربہ من الصحابۃ)

(۲)۔ (احیاء العلوم ..... ج ۱ ص ۱۱۵، الرکن الرابع فی السمعیات وتصدیقہ ﷺ فیما اخبر عنہ ومدارہ علی عشرۃ اصول)

''اور جو نزاع حضراتِ علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوا اس کی بنا ''اجتہاد'' پر تھی، یہ نہیں کہ امامت کے باب میں حضرتِ معاویہ ﷜ کی طرف سے نزاع ہوا ہو''۔

(۵) علامہ ابنِ اثیر الجزری رحمہ اللہ:

علامہ ابنِ اثیر الجزری رحمہ اللہ (م ۶۳۰ھ) فرماتے ہیں:

وذهب جمهور المعتزلة إلى أن عائشة وطلحة و الزبير و معاوية وجميع أهل العراق والشام فساق بقتالهم الإمام الحق ...... وكل هذا جرأة على السلف تخالف السنة ، فإن ما جرىٰ بينهم كان مبنياً على الاجتهاد [1].

''جمہور معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ حضرتِ عائشہؓ، حضرتِ طلحہؓ، حضرتِ زبیرؓ، حضرتِ معاویہؓ اور جمیع اہلِ عراق اور اہلِ شام سب امامِ برحق سے لڑنے کے باعث فاسق قرار پائے...... یہ سلف پر ایک بہت بڑی جرأت ہے اور یہ سُنّت کے خلاف ہے کیونکہ ان میں جو کچھ بھی پیش آیا اور جو کچھ ہوا وہ ''اجتہاد'' پر مبنی ہے''۔

(۶) علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ:

حضرتِ علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) لکھتے ہیں:

لايجوز أن ينسب الى احد من الصحابة خطأ مقطوع به إذ كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه وأرادوا الله عزوجل، وهم كلهم لنا أئمة وقد تعبدنا بالكف عما شجر بينهم ، وألا نذكرهم إلا بأحسن الذكر ، لحرمة الصحبة ولنهي النبي ﷺ عن سبهم ، وأن الله غفرلهم ، واخبر بالرضاء عنهم [2].

---

(۱)۔(جامع الاصول...... ج۱ص۸۹،تحت الفرع الثالث فی بیان طبقات المجروحین)

(۲)۔(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی...... ج۱۶ص۳۲۱،سورۃ الحجرات،تحت وإن طائفتان من المومنین)

''کسی ایک صحابیؓ کی طرف قطعی طور پر خطا کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے جبکہ ان سب نے جو کچھ کیا ہے اپنے ''اجتہاد'' سے کیا ہے اور اُنھوں نے اللہ ہی کی رضا کا ارادہ کیا ہے اور وہ سب ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ان کے مابین جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنی زبانیں روکیں اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ کریں کیونکہ شرفِ صحابیت بڑی حُرمت کی چیز ہے اور نبی کریم ﷺ نے ان کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہے''۔

(۷) حضرتِ امام محی الدّین النووی رحمہ اللہ:

شارح مسلم حضرتِ امام محی الدّین النووی رحمہ اللہ (م ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

واما معاوية ﷺ فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء، واما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب انفسها بسببها وكلهم عدول ﷺ ومتأولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شئ من ذلك احدا منهم من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون وبعدهم في مسائل من الدماء و غيرها ولا يلزم من ذلك نقص احد منهم[1].

''حضرتِ امیر معاویہ ﷺ عادل، اور صاحبِ نجابت صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں، اور وہ لڑائیاں جو ان کے مابین ہوئیں، تو ان میں ہر فریق کے لیے شبہ تھا، جس کو وہ اپنے طور پر حق سمجھتے تھے اور ہر فریق بہر حال عادل ہے، اور ان کی باہم جنگوں میں اپنی اپنی تاویل ہے، ان میں سے کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کی عدالت ختم ہو جائے، کیونکہ وہ مجتہد تھے اور ''مسائلِ اجتہادیہ'' ہی میں ان کا اختلاف ہوا، جیسا کہ ان کے بعد میں آنے والے مجتہدین کے مابین کئی ایک

---

(۱)۔(مسلم مع النووی...... ج۲ص۲۷۲، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم)

مسائل میں اجتہادی اختلاف ہونے کے باوجود یہ بات ان میں نقص کا سبب نہیں بنتی"۔

(۸) حافظ عماد الدّین ابنِ کثیر رحمہ اللہ:

حضرتِ علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

وفيه أن أصحاب علي أدنى الطائفتين الى الحق، وهذا هو مذهب أهل السنة والجماعة أن علياً هو المصيب وإن كان معاوية مجتهداً وهو ماجور إن شاء الله[1].

"اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصحابِ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں جماعتوں میں حق سے زیادہ قریب تھے، یہی اہلِ سُنّت والجماعت کا مسلک ہے کہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ (اپنے اجتہاد میں) حق پر تھے اگرچہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد ہونے کے باعث ان شاءاللہ ماجور ہیں"۔

(۹) حافظ ابنِ تیمیہ الحرانی رحمہ اللہ:

شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) کا فرمان صفحاتِ گزشتہ میں گزر چکا ہے، ایک جگہ آپ مزید لکھتے ہیں:

ولهذا اتفق أهل السنة على أنه لا تفسق واحدة من الطائفتين وان قالوا في احداهما انهم كانوا بغاة لانهم كانوا متأولين مجتهدين والمجتهد المخطئ لا يكفر ولا يفسق[2].

"اور اسی لیے اہلِ سُنّت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی فاسق نہیں ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ باغی ہیں کیونکہ وہ مجتہد ہیں، تاویل کرنے والے اور مجتہد مخطی (جو) نہ کافر ہوتا ہے نہ فاسق"۔

---

(۱)-(البدایہ والنہایہ......ج ۷ ص ۲۷۹ سنہ ۳۷ تحت خروج الخوارج)

(۲)-(منہاج السنہ ......ج ۲ ص ۲۰۵ فصل قال الرافضی مع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن معاویہ الخ)

(١٠) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ:

حضرتِ علامہ سعدالدین مسعود التفتازانی رحمہ اللہ (م ٨٠٨ھ) لکھتے ہیں:

ولیسوا کفارا ولا فسقة ولا ظلمة لما لهم من التأویل وان کان باطلا فغایة الامر انهم اخطاوا فی الاجتهاد وذلک لایوجب التفسیق فضلا عن التکفیر ولهذا منع علی رضی اللہ عنہ اصحابه من لعن اهل الشام وقال اخواننا بغوا علینا [١].

''اور وہ کافر نہیں نہ فاسق ہیں اور نہ ہی انہیں ظالم ٹھہرایا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ''اجتہاد'' میں خطا کی اور اس سے فسق لازم نہیں آتا چہ جائیکہ کفر، اور اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جو اہل شام پر لعنت کر رہے تھے اس سے روکا اور فرمایا وہ ہمارے بھائی ہی ہیں جو ہم پر چڑھ دوڑے ہیں''۔

(١١) علامہ ابنِ خلدون المغربی رحمہ اللہ:

حضرتِ علامہ ابنِ خلدون المغربی رحمہ اللہ (م ٨٠٨ھ) لکھتے ہیں:

کان طریقهم فیها الحق والاجتهاد ولم یکونوا فی محاربتهم لغرض دنیوی أولإیثار باطل أولاستشعار حقد کما قد یتوهمه متوهم وینزع إلیه ملحد [٢].

''ان کا ان امور میں عمل حق اور ''اجتہاد'' پر مبنی تھا اور ان کی آپس میں جنگیں کسی دُنیوی غرض یا کسی سُلگتے عناد کے باعث نہ تھیں جیسا کہ توہمات کے پرستار سمجھ لیتے ہیں اور ملحدین اس طرف چوک جاتے ہیں''۔

---

(١)-(شرح مقاصد ج ٢ص ٣٠٥، المبحث السابع، اتفق اهل الحق علی وجوب تعظیم الصحابة)

(٢)-(مقدمہ ابن خلدون .. ص ٢٠٥، فصل ٣٨ تحت فی انقلاب الخلافة الی الملک)

(۱۲) حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ:

حضرتِ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

واتفق أهل السنة على وجوب منع الطعن على أحد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلک ولو عرف المحق منهم لأنهم لم يقاتلوا في تلک الحروب إلا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالىٰ عن المخطئ في الاجتهاد، بل ثبت أنه يؤجر أجراً واحداً وأن المصيب يؤجر أجرين كما سيأتي بيانه في كتاب الأحكام (۱)۔

''اہلِ سُنّت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحابۂ کرام ؓ میں جو تنازعات پیش آئے ہیں ان کی وجہ سے کسی پر طعن کرنا منع ہے، اگرچہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں سے کون حق پر تھا، وجہ یہ ہے کہ یہ باہمی جنگ وجدال ''اجتہاد'' کی بنا پر تھا (نہ کہ ''عناد'' کی بنا پر) اور اللہ نے اجتہاد میں خطا کرنے والوں کو معاف کر دیا ہے بلکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مجتہدِ مُصیب کو دو اجر اور مجتہدِ مُخطئ کو ایک اجر ملتا ہے''۔

(۱۳) علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ:

شارحِ ہدایہ امام کمال الدین ابنِ ہمام حنفی رحمہ اللہ (م ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

وماجرىٰ بين معاوية وعلي رضي الله عنهما كان مبنيا على الاجتهاد لا منازعة من معاوية في الامامة (۲)۔

''حضرتِ معاویہ اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہما کے درمیان جو واقعات پیش آئے ان کی بنا ''اجتہاد'' پر تھی اور حضرتِ علی ؓ کی امامت (خلافت) کے بارے میں حضرتِ معاویہ ؓ کی طرف سے کوئی تنازعہ نہ تھا''۔

---

(۱)- (فتح الباری ...... ج ۱۳ ص ۳۴، کتاب الفتن باب اذا التقی المسلمان بسیفیہما)

(۲)- (المسایرۃ ...... ص ۳۱۴ تحت ما جری بین علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما)

(۱۴) علامہ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ:

حافظ ابنِ حجر مکی شافعی ہیتمی رحمہ اللہ (م۹۷۴ھ) لکھتے ہیں:

ومن اعتقاد أهل السنة والجماعة أيضا أن معاوية رضي الله عنه لم يكن في أيام علي خليفة وإنما كان من الملوك وغاية اجتهاده أنه كان له أجر واحد على اجتهاده، وأما علي فكان له أجران أجر على اجتهاده وأجر على إصابته [۱].

''اور اہلِ سُنّت والجماعت کے عقائد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے ایامِ خلافت میں خلیفہ نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے اور ان کے ''اجتہاد'' کی غایت یہ ہے کہ ان کو اس اجتہاد پر ایک اجر ملے گا اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو دو اجر ملیں گے ایک اجتہاد کا دوسرا اصابت کا''۔

(۱۵) حضرتِ مجدّد الفِ ثانی رحمہ اللہ:

امام ربانی حضرتِ مجدّد الفِ ثانی حنفی رحمہ اللہ (م۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

واختلافاتے کہ درمیان اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات واقع شدہ نہ از ہوائے نفسانی بود چہ نفوس شریفۂ ایشاں تزکیہ یافتہ بودند واز امارگی باطمینان رسیدہ ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود بلکہ آن اختلاف مبنی بر اجتہاد بود واعلائے حق [۲]۔

''صحابہ کرامؓ میں جو اختلاف واقع ہوا ہے وہ خواہشِ نفسانی کی وجہ سے نہ تھا، کیونکہ ان کے نفوسِ شریفہ تزکیہ یافتہ تھے اور امارہ کے بجائے مطمئنہ ہو چکے تھے، ان کی خواہش شریعت کے تابع ہو چکی تھی، بلکہ ان کا باہمی اختلاف ''اجتہاد'' اور کلمۂ حق بلند کرنے پر مبنی تھا''۔

---

(۱)۔(الصواعق المحرقۃ......ص۲۱۷، الخاتمۃ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ فی الصحابۃ رضی اللہ عنہم الخ)
(۲)۔(مکتوبات امام ربانی......دفتر اول مکتوب:۸۰)

(۱۶) علامہ خفاجی رحمہ اللہ:

حضرتِ علامہ شہاب الدین الخفاجی رحمہ اللہ (م۱۰۹۹ھ) لکھتے ہیں:

فیما کان بینهم من الفتن کما وقع بین علی ومعاویة رضی الله عنهما أحسن التاویلات والمحامل لانهاأمور وقعت باجتهاد منهم لا لاغراض نفسانیة ومطامع دنیویة کما یظنه الجهلة [1].

''حضراتِ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے عہدِ فتن میں جو واقعات رونما ہوئے ان کو عمدہ تاویل اور اچھے حال پر محمول کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ ایسے امور تھے جو ان سے ''اجتہاداً'' صادر ہوئے، ان کا منشا کوئی اغراضِ نفسانیہ نہ تھیں، نہ ان کا مطمحِ نظر کوئی دُنیوی امور تھے جیسا کہ جاہلوں نے سمجھ رکھا ہے''۔

(۱۷) حضرتِ علامہ علی قاری رحمہ اللہ:

حضرتِ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (م۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

فلایشکل باختلاف بعض الصحابة فی الخلافة والامارة قلت الظاهر أن اختلاف الخلافة أیضاً من باب اختلاف فروع الدین الناشئ عن اجتهاد کل لامن الغرض الدنیوی الصادر عن الحظ النفسی [2].

'' لہٰذا آپ ﷺ کے اس ارشاد پر یہ اشکال وارد نہ کیا جائے کہ بعض صحابہؓ نے خلافت وامارت میں اختلاف کیا تھا میں کہتا ہوں کہ اختلافِ خلافت بھی ظاہری طور پر دینی فروعی اختلاف کے ضمن میں آتا ہے جو ہر ایک کے اپنے اپنے ''اجتہاد'' سے پیدا ہوا، اس میں بھی کوئی دُنیوی غرض نہ تھی جو خواہشاتِ نفسانی کا حصہ لیے ہوئے ہو''۔

---

(۱)۔(نسیم الریاض...ج۳ص۴۲۱ تحت فصل ومن توقیرہ وبرہ اصحابہ الخ)

(۲)۔(مرقاۃ المفاتیح...ج۱۱ص۳۶۷، باب مناقب الصحابہؓ)

(۱۸) حضرتِ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ:

حضرتِ علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م ۱۲۴۰ھ) لکھتے ہیں:

وقال اهل السنة كان الحق مع علي وان من حاربه مخطئ في الاجتهاد فهو معذور وان كلا من الفريقين عادل صالح ولا يجوز الطعن في احد منهم [1].

''اور اہلِ سُنّت کا قول یہ ہے کہ حق حضرت علی ﷺ کے ساتھ تھا اور جس نے آپ سے جنگ کی ہے وہ اپنے ''اجتہاد'' میں خطا پر تھے اور معذور تھے اور بے شک فریقین میں سے ہر ایک عادل وصالح تھا اور ان میں سے کسی پر طعن کرنا جائز نہیں''۔

(۱۹) حضرتِ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ:

قطب الاقطاب حضرتِ مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں:

''اور جو کچھ بعض سے حربِ حضرتِ امیر ﷺ یا کچھ اور بشریّت سے تقصیر ہوئی وہ ''خطائے اجتہادی'' تھی [2]''۔

(۲۰) حضرتِ مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ:

شیخ العرب والعجم، امام راشد حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں

''ائمہ اہلِ سُنّت والجماعت مشاجراتِ صحابہ ﷺ کو ''خطائے اجتہادی'' قرار دیتے ہیں [3]''۔

(۲۱) حضرتِ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ:

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (م ۱۳۹۵ھ) لکھتے ہیں:

---

(۱)- (النبراس......ص ۳۰۷، اختلافِ معاویہ وعلی رضی اللہ عنہما)

(۲)-(ہدایۃ الشیعۃ......ص ۲۹ تحت جواب سوال اوّل)

(۳)-(مکتوباتِ شیخ الاسلام......ج ۳ ص ۴۳، مکتوب اوّل)

''خصوصاً مشاجراتِ صحابہؓ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے، اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگِ صفّین میں حضرت علیؓ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہؓ اور ان کے اصحاب خطا پر، البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطاء قرار دیا گیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطاء ہوگئی تو ایسے خطاء کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے۔ باجماعِ اُمّت ان حضراتِ صحابہ ؓ کے اس اختلاف کو بھی اسی طرح کا ''اجتہادی اختلاف'' قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔ اس طرح ایک طرف خطاء وصواب کو بھی واضح کردیا گیا دوسری طرف صحابۂ کرام ؓ کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا، اور مشاجراتِ صحابہ ؓ میں کفِ لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی ہے کہ بلا وجہ ان روایات وحکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں (۱)''۔

(۲۲) حضرتِ خواجہ شمس الدّین صاحب سیالوی رحمہ اللہ:

حضرتِ خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ (م ۱۳۰۰ھ) جو جناب مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے شیخِ طریقت بھی تھے، ان کے ملفوظات میں ہے:

''بعد ازاں سخن در ذکر جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و امیر معاویہ ؓ افتاد...... خواجہ شمس العارفین فرمود آنچہ میان حضرت علی ؓ و امیر معاویہ ؓ نزع وخصومت واقع شدہ است از روئے اجتہاد بود نہ از جہت عناد، پس اے درویش! اگر چہ امیر معاویہ ؓ برخطا بود لیکن فعل مجتہد اگر برخطا افتد ہم یک ثواب حاصل شود پس درویش را باید کہ در حق ایشاں ہیچ نہ گوید (۲)''۔

(۱)۔ (مقام صحابہ ؓ...... ص ۸۹۔۹۰، ایک سوال اور جواب)

(۲)۔ (مرآۃ العاشقین ...... ص ۱۰۹، تحت مرآۃ بیست وسوم ۲۳، ذکر جہاد اصغر وجہاد اکبر)

''گزشتہ گفتگو کے بعد حضرت علی وحضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ کا تذکرہ ہوا تو حضرت خواجہ شمس العارفینؒ نے فرمایا کہ حضرتِ علی اور حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو نزاع وخصومت واقع ہوئی وہ ازروئے ''اجتہاد'' تھی کسی عناد کی بنا پر نہیں تھی، پھر فرمایا، اے درویش! حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ خطا پر تھے لیکن مجتہد اگر خطا پر بھی ہو تو پھر بھی اسے ایک ثواب حاصل ہوتا ہے پس درویش کو چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگوئی ہرگز نہ کرے''۔

اہلِ سُنّت والجماعت کی معتبر کتابوں سے یہ اکیس (۲۱) عدد حوالہ جات سرسری تلاش کے بعد لکھ دیے ہیں، ورنہ اہلِ سُنّت والجماعت کا کوئی محقق عالم ایسا نہیں ہے جس نے اس اختلاف کو ''اجتہادی اختلاف'' کے بجائے ''عنادی اختلاف'' کہا ہو اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ .... کے فعل کو اجتہادی خطا سے زیادہ کچھ کہا ہو اور یہ خطا بھی ''ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست'' کا مصداق ہے حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

فلاجرم خطاء معاوية خيرا من صوابهما ببركة الصحبة.

''صحبتِ نبوی ﷺ کی برکت سے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا بھی حضرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت اویس قرنی رحمہما اللہ کے صواب سے بہتر ہے''۔

لہٰذا پیر نصیر الدّین اور ان کے اسلاف واکابر کی ساری زندگی کی نیکیاں مل کر اس اجر کا پاسنگ بھی نہیں بن سکتیں جو اجر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خطائے اجتہادی پر ملا ہے:

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء .

قولِ فیصل:

آخر میں حضرتِ مجدّ دالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بطور ''قولِ فیصل'' نقل کر رہا ہوں جس میں حضرتِ مجدّ د رحمۃ اللہ علیہ نے وضاحت کر دی ہے کہ اہلِ سُنّت کے نزدیک ''خطائے اجتہادی'' مُسلّم ہے:

وكتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتهادى كما صرح به الامام الغزالى والقاضى ابو بكر وغيرهما. پس تفسیق وتضلیل

درحق محاربان حضرت امیر جائز نباشد[۱]۔

''اور قوم (یعنی علمائے اہلِ سُنّت) کی کتابیں ''خطائے اجتہادی'' کے اقوال سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ امام غزالی اور قاضی ابوبکر باقلانی رحمہما اللہ کی تصریحات سے واضح ہے، پس حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کو فاسق یا گمراہ قرار دینا جائز نہیں ہے''۔

اب اس کے بعد کچھ مزید لکھنے کی گنجائش نہیں، ہاں مُصنّف کو انہی کی نصیحت سنانا چاہتا ہوں:

''جب کسی بات کو معقول انسانوں کی بڑی جماعت تسلیم کر لے یا اسے صحیح کہہ دے تو دو چار کم فہموں کا اختلاف کسی تصنیف و تالیف کے مرتبہ و مقام پر اثر انداز نہیں ہو سکتا[۲]''۔

حضرتِ معاویہ اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہما کا اجتہاد:

قارئین مکرّم! آپ مسلسل ''اجتہاد'' اور ''خطائے اجتہادی'' کی بحث پڑھ رہے اس لیے آپ کی معلومات میں اضافہ کے لیے عرض کرتا ہوں (اہلِ علم تو ان مضامین سے پہلے ہی واقف ہیں)۔

سوال یہ ہے کہ جب حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ طالب قصاص دمِ عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہ بھی قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں تھے اس کے منکر نہ تھے تو وجہ نزاع کیا تھی؟ بعض اوقات کسی بڑی چیز کی بنیاد نہایت معمولی ہوتی ہے لیکن اس کے نتائج و اثرات بڑے دوررس ہوتے ہیں، کسی بات کا نقطۂ آغاز نہایت معمولی اور غیر مرئی ہوتا ہے لیکن اس کے برگ و بار اور ثمرات نہایت وسیع بلکہ وسیع تر ہوتے ہیں، یہی قصہ ''مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کو پیش آیا......وہ یہ کہ سیّدنا علی و سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان قصاص دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو متفق علیہ تھا لیکن اس کی تعجیل و تاخیر نزاع کا سبب بنی جس نے بالآخر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی بنا پر مُلکی وحدت کو قیام عدالت پر مقدم سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ جب تک تمام علاقہ جات تحتِ خلافت نہ آ جائیں اس وقت تک قیامِ عدالت اور مجرموں کی

---

(۱)۔(مکتوباتِ امام ربانی......دفتر اوّل مکتوب ۲۵۱)

(۲)۔(نام و نسب......ص ۴۵۷)

پکڑ دھکڑ پر قوت صرف نہ ہو، جب کہ حضرتِ معاویہ ؓ اپنے اجتہاد [1] کی بناء پر قصاص دم عثمان ؓ کو وحدتِ ملکی کا سبب اور ذریعہ سمجھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرتِ علی ؓ خود قصاص دمِ عثمان

---

(۱)-یہ بات یاد رکھی جائے کہ مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اور ہر مجتہد اپنے ہی اجتہاد پر عمل کا پابند ہے، ضروری نہیں کہ مجتہد اپنے ہر اجتہاد میں صواب کو پا ہی لے، مجتہد جب کسی مسئلہ میں رائے قائم کرے گا تو اس میں صواب و خطا دونوں کا احتمال ہوگا اور معاصر مجتہدین اس مجتہد کے اجتہاد سے اختلاف کا پورا حق بھی رکھتے ہیں، لیکن اپنے اجتہاد کو حق وصواب پر سمجھتے ہوئے اس مسئلہ مجتہد فیہ میں کسی دوسرے مجتہد کی تقلید اکثر علماء کے نزدیک اس مجتہد کے لیے جائز نہیں، ہاں اس مجتہد کا کسی مسئلہ مجتہد فیہ میں صواب یا خطا پر ہونا بعد کی بات ہے، محقق علی الاطلاق حافظ ابنِ ہمام رحمہ اللہ (م۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

المجتهد بعد اجتهاده فی حکم، ممنوع من التقلید فیه اتفاقاً والخلاف قبله والاکثر ممنوع. (التحریر......ص۵۴۰ تحت مسئلۃ بحث ہذا)

"ایک مجتہد کے لیے کسی ایسے حکم میں جس میں خود اس کا اپنا اجتہاد موجود ہو کسی دوسرے مجتہد کی تقلید بالاتفاق منع ہے، ہاں اجتہاد سے قبل اس تقلید کے ممنوع ہونے یا نہ ہونے میں البتہ اختلاف ہے اور اکثر علماء وہاں بھی اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں"۔

اپنی ایک اور کتاب میں حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والوجه الصحیح ان المجتهد مامور بالعمل بمقتضٰی ظنه اجماعاً.

(فتح القدیر......ج۵ص۴۹۱)

"صحیح بات یہ ہے کہ مجتہد بالاجماع اپنے ہی ظن (اور اجتہاد) کے مطابق عمل کرنے پر مامور ہے"۔

حضرت علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمہ اللہ (م۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

لان المجتهد مامور بالعمل بما یؤدی الیه اجتهاده فحرم علیه تقلید غیره.

(بدائع الصنائع......ج۷ص۵۴ تحت فصل واما شرائط القضاء فانواع اربعۃ)

"اس لیے کہ مجتہد اپنے ہی اجتہاد پر عمل کا پابند ہے، کسی اور مجتہد کی تقلید اس پر حرام ہے"۔

امامِ ربانی حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ (م۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں:

غایۃ ما فی الباب چوں ہر کدام را رائے واجتہاد بودہ وہر مجتہد را عمل بموافق رائے خود واجب، بضرورت در بعض امور بسبب مخالفت آراء مخالفت ومشاجرت لازم گشت، ہر یکے را تقلید رائے خود صواب آمد۔

(مکتوباتِ امامِ ربانی......دفتر دوم مکتوب نمبر۳۶) =

لیتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ وہ قاتلین کو ان کے ورثاء کے حوالے کر کے فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا پر عمل کریں تب ہم ان کی بیعت کریں گے۔ اگر حضرتِ علی رضی اللہ عنہ باغیین اور قاتلین پر انصاف کا ہاتھ نہیں ڈال سکتے تو پھر وہ بارِ خلافت اٹھانے کے کس طرح حق دار ہیں، جب کہ وہ خود کہہ چکے ہیں:

أيها الناس، إن أحق الناس بهذا الأمر أقواهم عليه، وأعلمهم بأمر الله فيه[1]۔

''اے لوگو! تمام لوگوں میں اس امرِ خلافت کا (سب سے زیادہ) اہل وہ ہے جو اس (کے نظم ونسق کے برقرار رکھنے) کی سب زیادہ قوّت وصلاحیت رکھتا ہو اور اس کے بارے میں اللہ کے احکام کو سب سے زیادہ جانتا ہو''۔

لیکن حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا اس وقت خلافت سے دستبردار ہو جانا سلطنتِ اسلامی کے لیے اور زیادہ خطرناک اور مہلک ہوسکتا تھا لہٰذا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف یہ تھا کہ پہلے ملتِ اسلامیہ کے منتشر اور بکھرے ہوئے شیرازے اور قوتوں کو یکجا کیا جائے، اس کے بعد قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ پر ہاتھ ڈالا جائے...... اس نازک صورت حال میں دونوں طرف رائے اور اجتہاد کی گنجایش ہے، سو دونوں فریقوں میں سے کسی کی بھی تسفیق جائز نہ ہوگی گو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہو چکی تھی۔

= ''اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد اور صوابدید پر عمل کرنا واجب ہے پس اختلاف آراء کے باعث منازعت ومشاجرت ناگزیر ہوئی اور ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق عمل کرنا ضروری سمجھا''۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (م ۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں:

دویم آنکہ مجتہداں مامور باتباع اجتہاد خویشتن اند، اتباع مجتہداں دیگر روا نیست ورنہ ازیں چہ کم کہ اتباع دیگراں ضرورت نیست۔

(مکتوب قاسمی...... ص ۸، در تحقیق واثبات شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ)

''دوسری بات یہ ہے کہ مجتہد ائمہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنے پر حکم دیے گئے ہیں۔ ان کے لیے دوسرے مجتہدین کی پیروی جائز نہیں ورنہ اس سے بھی کیا کم کہ دوسروں کی پیروی ضروری نہیں''۔

(۱)۔ (نہج البلاغہ...... ص ۹۴ خطبہ نمبر ۱۷۳)

ان تمام امور کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خردہ گیری وعیب چینی کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھنا اور اسے حُبِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی معراج تصور کرنا ''ایں خیال است محال است جنوں'' کا مصداق ہے، حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ (م ۵۷۱ھ) امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ (م ۲۶۱ھ) سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے کہا میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا ہوں، آپ نے فرمایا کیوں؟ کہنے لگا کہ انہوں نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا، امامِ ابوزرعہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

ویحک ، إن رب معاویة رحیم، وخصم معاویة خصم کریم فأیش دخولک أنت بینهما ،رضی الله عنهما [1].

''تیرے لیے ہلاکت ہو! معاویہ کا رب مہربان اور مقابل کریم ہے، سو ان دونوں سے اللہ راضی ہو چکا ان کے درمیان تو کون ہے دخل دینے والا''۔

آخر میں ہم مُصنّف ہی کا ایک شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

ہمارا کام ہے اچھی بری ہر بات سمجھانا
یہ ان کا اپنا ذمہ ہے نہ سمجھیں وہ اگر پھر بھی

مولانا عبدالرّحمٰن جامیؒ کا حوالہ:

مُصنّف ''نام ونسب'' نے اپنی بات کو مستند ومحقق ثابت کرنے کے لیے مولانا جامی رحمہ اللہ (م ۸۹۸ھ) کا حوالہ پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:

''ہم اپنے اس نقطۂ نظر کی تائید میں اہل السنۃ والجماعۃ کی نامور اور معتبر شخصیات کی عبارات ونظریات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

مشہور عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عارف حضرت مولانا عبدالرّحمٰن جامی قدس سرہ السامی نقشبندی فرماتے ہیں ؎

جمعے از بیعتش ابا کردند
وندراں سرکشی خطا کردند

''ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی بیعت سے انکار کیا اور اس (جماعت) نے سرکشی میں خطا کی''۔

---

(۱)- (البدایہ والنہایہ ......ج ۸ ص ۱۳۱ سنہ ۶۰ھ تحت ترجمہ معاویہ رضی اللہ عنہ وذکر شئ من ایامہ ودولتہ)

اپنی اسی تصنیف میں مولانا جامیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں

واں خلافے کہ داشت با حیدرؓ
در خلافت صحابیؓ دیگر
حق در آنجا بدست حیدرؓ بود
جنگ با اُو خطائے منکر بود

''اور وہ دوسرا صحابی جو بہ سلسلۂ خلافت حضرتِ علیؓ سے اختلاف رکھتا تھا (یعنی جناب معاویہؓ) اس وقت حق علی المرتضیٰؓ کی طرف تھا اور ان سے جنگ کرنا خطائے منکر تھا، یعنی ناپسندیدہ خطا تھی (۱)''۔

الجواب: جمہور اہلِ سنّت والجماعت کے نزدیک سیّدنا علی وسیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کی نوعیت ''اجتہادی'' ہے۔ صفحاتِ گزشتہ میں اکابر علمائے اسلام کے حوالہ سے یہ بات بالتفصیل لکھی جا چکی ہے۔ اب موصوف نے مولانا عبدالرحمٰن جامی کا حوالہ نقل کر کے حضرتِ معاویہؓ اور ان کی ساری جماعت کو ''سرکش'' بنا دیا ہے جس میں بقول حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمہ اللہ نصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہیں اور یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو زندیق ہو اور جس کا مقصد ومنشا دین کو باطل ٹھہرانا ہو (۲)۔ تو کیا کوئی شخص حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (یعنی نصف صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) کو ''سرکش'' کہہ کر سنّی رہ سکتا ہے؟ رہی بات جامی کے ان اشعار کی، تو اس پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اس کی تردید میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ) ہی کا بصیرت افروز تبصرہ ملاحظہ فرمایئے:

وخدمتِ مولانا عبدالرحمٰن الجامی کہ خطأً منکر گفتہ است نیز زیادۃ کردہ است بر خطا ہر چہ زیادت کنند خطأً است وآنچہ بعد از ان گفتہ است کہ اگر اُو مستحقِ لعنت است...... الخ نیز نامناسب گفتہ است چہ جائے تردید است؟ وچہ محلِ اشتباہ؟ اگر ایں سخن درباب یزیدی گفت گنجایش داشت اما در مادۂ حضرت معاویہ گفتن شناعت

(۱)۔ (نام ونسب۔ ص ۵۳۳)
(۲)۔ (مکتوباتِ امام ربانی...... دفتر اول، مکتوب ۲۵۱)

وارد ودر احادیث نبوی ﷺ باسنادِ ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام درحق معاویہ دعا کردہ اندو فرمودہ اند''اللھم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب'' وجائے دیگر دردعا فرمودہ اند ''اللھم اجعلہ ھادیا ومھدیاً'' ودعاءِ آنحضرت مقبول ظاہراً ایں سخن از مولانا بر سبیل سہو ونسیان سر برزدہ باشد وایضا مولانا درہمان ابیات تصریح باسم ناکردہ گفتہ است آن صحابی دیگر ایں عبارت نیز از ناخوشی خبر میدہد'' ربنالا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا[1]''۔

'' مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ نے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں'' خطائے اجتہادی'' کو'' خطائے منکر'' کہہ کر زیادتی کی ہے، خطا پر جو زیادتی کی جائے گی خطا ہوگی، پھر اس کے بعد جو مولانا جامیؒ نے کہا ہے''اگر وہ مستحقِ لعنت ہے......الخ'' یہ بات بھی نامناسب کہی ہے یہ تردید کا کون سا مقام تھا؟ اور اس میں اشتباہ کا کون سا محل تھا؟ اگر یہ بات یزید کے حق میں کہی جاتی تو البتہ گنجائش تھی لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا کہنا نہایت گھناؤنی بات ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں ثقہ راویوں کی سند سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا فرمائی:''اے اللہ! معاویہؓ کو کتاب وحساب کا علم عطا فرما اور عذاب سے بچا''۔دوسرے موقع پر یہ دعا فرمائی!''اے اللہ! ان کو ہادی ومہدی بنا دے''۔

اور آنحضرت ﷺ کی دعا مقبول ومنظور ہے۔ان تمام باتوں کی موجودگی میں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا جامیؒ سے یہ قول سہو ونسیان کی بدولت نکل گیا ہے، نیز ان اشعار میں مولانا جامیؒ نے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے''اے دوسرے صحابی''۔اس عبارت سے بھی (صحابہؓ سے) ناخوشی کی بو آتی ہے،اس لیے ہم یہی دعا کرتے ہیں:اے اللہ!''ہماری خطا ونسیان پر مواخذہ نہ فرما''۔ (آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

(۱)۔(مکتوباتِ امامِ ربانی......دفتر اوّل،مکتوب ۲۵۱)

اہلِ سُنّت کی کتب میں اہل تشیّع کے الحاقات:

روافض نے جتنا اسلام و اہل اسلام کو نقصان پہنچایا ہے اس کی نظیر تاریخِ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے، اگر اسلام آخری دین نہ ہوتا اور اس پر حفاظت کی الٰہی مہر نہ ہوتی تو فتنہ رفض و تشیع اتنا سنگین تھا کہ اسلام مٹ جاتا، یہ کفر و نفاق کی وہ تحریک ہے جس کی بنیاد ہی ''فساد فی الارض'' ہے، اس تحریک سے فتنہ کی ہزاروں ''حکایاتِ خونچکاں'' وابستہ ہیں، شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

ومنهم من أدخل على الدين من الفساد مالايحصيه إلارب العباد فملاحدة الإسماعيلية والنصيرية و غيرهم من الباطنية المنافقين من بابهم دخلوا وأعداء المسلمين من المشركين و أهل الكتاب بطريقهم وصلوا واستولوا بهم على بلاد الإسلام و سبوا الحريم و أخذوا الأموال واسفكوا الدم الحرام وجرى على الامة بمعاونتهم من فسادالدنياوالدين مالايعلمه إلارب العالمين إذكان أصل المذهب من احداث الزنادقة المنافقين [1].

''ان روافض نے دین میں اتنا فساد داخل کر دیا جس کے اعداد و شمار کا احاطہ ربّ العباد کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، چنانچہ اسماعیلی و نصیری ملاحدہ اور دوسرے باطنیہ منافقین انہی کے دروازے سے داخل ہوئے اور مسلم دشمن قوتیں مشرکین اور نصاریٰ انہی کے راستے پہنچے اور انہی کی بدولت اسلامی ممالک پر مسلّط ہوئے، عورتوں اور بچوں کو قید کیا، اموال کو لوٹا اور خونِ مسلم کی ہولی کھیلی، الغرض شیعوں کی معاونت سے اُمتِ مُسلمہ پر دین و دنیا کے فساد کی وہ قیامتیں ٹوٹ پڑیں جن کو بس ربّ العالمین ہی جانتا ہے، کیونکہ شیعوں کا اصل مذہب منافقین اور زندیقوں کا ایجاد کردہ ہے''۔

---

(۸۹)-(منہاج السنۃ ..... ج ۱ ص ۳ مقدمۃ الکتاب)

اہلِ سُنّت کے تصنیفی سرمایہ کے ساتھ ظلم:-

روافض کے برپا کیے گئے دیگر فسادات تو رہے ایک طرف، انہوں نے اہلِ سُنت کے تصنیفی سرمایہ کے ساتھ جو ظلم کیا ہے اس کا خلاصہ ہم حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۹ھ) جنھیں مُصنّف نام ونسب مشہور اور مستند محدّث وعالم کے لقب سے یاد کرتے ہیں[1]، کی شہرۂ آفاق تصنیف تحفہ اثناعشریہ سے ہدیہ قارئین کررہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں کس طرح روافض نے اہلِ سُنّت والجماعت کی کتابوں میں الحاقات کیے، اس میں اپنی روایات داخل کیں، اور عوام تو کجا خواص کو بھی دھوکے میں مبتلا کیا:

(۱) **سولہواں دھوکہ:** یہ ہے کہ ان کے علماء نے تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر اپنے آپ کو اہلِ سُنّت کے محدّثین ظاہر کیا اور علم حدیث کو مشہور سُنّی محدّثین سے حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور صحیح اسناد یاد و حفظ کیں، ظاہری زہد و تقویٰ سے اپنے کو آراستہ و پیراستہ کیا، جب ان کا اعتماد اہلِ علم پر بحال ہو گیا تو انہوں نے یہ حرکت شروع کی کہ صحیح اور حسن احادیث کی روایت کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی گھڑی ہوئی احادیث بھی خلط ملط کر دیں۔ جس سے عوام کیا خواص بھی دھوکہ اور فریب کا شکار ہوئے، لیکن الحمدللہ محدّثین نے بہ کمالِ تحقیق و تفتیش اس پر قابو پالیا۔

(۲) **انیسواں دھوکہ:** یہ دیتے ہیں کہ اہلِ سُنت کے معتبر رجالِ اسناد پر نظر رکھتے ہیں۔ ان میں کسی کا نام یا لقب ان کے رجال میں سے کسی سے ملتا جلتا ہو تو اس کی حدیث اور روایت کو اسی کی سند سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اب چونکہ دونوں کا نام ولقب ایک ہوتا ہے اس لیے تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔

(۳) **اکیسواں دھوکہ:** یہ دیتے ہیں کہ ایسی کتاب جس میں صحابہؓ پر لعن طعن ہو اور مذہبِ اہلِ سُنّت کا بطلان ہو خود تصنیف کر کے اس کو اہلِ سُنّت کے کسی جلیل المرتبہ عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

(۴) **بائیسواں دھوکہ:** صحابہ کرامؓ کی برائیاں اور مذہب اہلِ سُنّت کا

---

(۱)- (نام ونسب ... ص ۲۸۱)

بطلان ایسی کتابوں سے نقل کرتے ہیں جو نہایت کمیاب اور نادر الوجود ہوتی ہیں۔

(۵) **تیسواں دھوکہ:** کسی عالم کے بارے میں پہلے نہایت شد و مد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ متعصب سُنّی تھا اور بعض تو اس کو کٹر خارجی بتاتے ہیں، پھر اس کی طرف سے کوئی عبارت نقل کرتے ہیں، جس سے اہلِ سُنّت کے مذہب کا بطلان اور امامیہ اثناء عشریہ کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور اس حرکت کی غرضِ مذمومہ یہ ہوتی ہے کہ دیکھنے والا غلط فہمی میں پڑے اور الجھن میں مبتلا ہو کر یہ سوچے کہ جب مُصنّف اتنا متعصب سنی ہوتے ہوئے ان روایات کو بیان کرتا ہے اور پھر ان کی تردید کے بجائے اس پر سکوت اختیار کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایات صحیح ہی ہیں۔

(۶) **بتیسواں دھوکہ:** شیعہ علماء کی ایک جماعت بڑی سعی و کوشش سے اہلِ سُنّت کی تفاسیر اور سیرت کی ان کتابوں میں جو علماء و طلباء میں بہت کم معروف و مشہور ہوں، یا نادر الوجود ہوں ایسی جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں جو شیعہ مذہب کی تائید اور اہلِ سُنّت کے مذہب کی تردید کرتی ہوں۔

(۷) **چھتیسواں دھوکہ:** اہلِ سُنّت کے مقتداؤں کے اشعار میں ملاوٹ اور جعل سازی بھی ان کی فریب کاری کا ایک طریقہ ہے، ان اشعار کے ہم وزن و ہم قافیہ، ایک دو شعر اپنے مفید مطلب کے گھڑ کر ان کے اشعار میں شامل کر دیتے ہیں۔ جن کا مضمون وضاحت سے شیعہ مذہب کی موافقت اور اہلِ سُنّت کے مذہب کی مخالفت کرتا ہے۔ اس قسم کی حرکت اکثر و بیشتر اہلِ سُنّت کے مقبول شعرائے کرام کے کلام میں کرتے ہیں۔ مثلاً شیخ فرید الدین عطارؒ، شیخ واحدیؒ، شمس تبریزؒ، حکیم سنائیؒ، مولانا رومؒ، حافظ شیرازیؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین دہلویؒ وغیرہ، ان سے قطعِ نظر امام شافعیؒ کے ساتھ بھی شیعوں نے یہی سلوک کیا ہے اور ان کے اشعار میں بھی اپنے گھڑے ہوئے اشعار خلط ملط کر دی ہیں [1]"۔

---

(۱)۔ (ملخص تحفہ اثناء عشریہ مترجم... باب دوم، فصل اوّل)

ہم نے صرف سات مکائد کا خلاصہ نذرِ قارئین کیا ہے، جبکہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اسی باب میں شیعوں کے ایک سو سات دھوکوں اور فریب کی نشاندہی فرمائی ہے۔

کیا صوفیہ کرام رحمہم اللہ کی کتب الحاقات سے بَری ہیں؟:

جس طرح ایمان واسلام دین کے دو مستقل شعبے ہیں اسی طرح احسان بھی دین کا مستقل تکمیلی شعبہ ہے۔ جس کی ابتدا "انما الاعمال بالنیات" اور انتہا "ان تعبداللہ کانک تراہ" ہے۔

تاریخِ اسلام میں تعلیم کتاب وسُنّت اور تزکیۂ قلب ونفس کی محنت ساتھ ساتھ چلی ہے، جسے رفتہ رفتہ تصوّف کا نام دیا گیا۔ تصوّف کے کئی نام ہیں۔ مثلاً علم القلب، علم الاخلاق، احسان، سلوک، طریقت، لیکن زیادہ مشہور تصوّف ہی ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ بعض اعمال ہمارے ظاہری اعضاء کے ذریعہ انجام پاتے ہیں اور بعض ہمارے قلب کے ذریعہ۔ اوّل الذکر کو اعمالِ ظاہرہ (شریعت) کہا جاتا ہے جب کہ مؤخر الذّکر کو اعمالِ باطنہ (طریقت) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اعمالِ ظاہرہ کی حیثیت جسم کی ہے اور اعمالِ باطنہ کی حیثیت روح کی ہے۔ ہر دو کا وجود ایک دوسرے کے بغیر ناقص ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) کا ارشاد ہے:

> "شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ والحاد[1]"۔

اب یہ تصوّف یا طریقت کیا ہے، اس کی جامع مانع تعریف علامہ شامیؒ سے سنیے:

> **ھو علم یعرف بہ انواع الفضائل و کیفیہ اکتسابھا، و انواع الرذائل و کیفیۃ اجتنابھا[2].**

> "تصوّف وہ علم ہے جس کے ذریعہ اخلاقِ حمیدہ کی قسمیں اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اخلاقِ رذیلہ کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے"۔

یہ تزکیۂ قلب کی محنت ایک مسلمان کے لیے کس حد تک ضروری ہے، حکیم الامت، مجدّد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (م ۱۳۶۲ھ) کی زبانی سنیے:

---

(۱)۔(تسہیل قصد السبیل......ص ۸)

(۲)۔(ردالمحتار مع الدر المختار......ج ۱ص ۱۲۷، المقدمۃ)

''شریعت کا وہ جز جو اعمالِ باطنی سے متعلق ہے ''تصوف وسلوک'' اور وہ جُز جو اعمالِ ظاہری سے متعلق ہے ''فقہ'' کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔ گویا تصوّف دین کی روح ومعنی یا کیف و کمال کا نام ہے۔ جس کا کام باطن کو رذائلِ اخلاقِ ذمیمہ سے پاک کرنا اور فضائلِ اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرنا ہے تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے۔ جو مقصودِ حیات ہے، اس لئے تصوّف وطریقت دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں رہتا (۱)''۔

جس طرح یہ بات حقیقت ہے بلکہ اس پر صوفیہ اور عارفین کا اجماع ہے کہ تصوّف اسلامی ایک عالَم کی ہدایت کا ذریعہ بنا، اسی طرح اس بات میں بھی ذرا شک نہیں کہ غیر اسلامی تصوّف (جو کہ چوتھی صدی کے بعد مسلمانوں میں راہ پا گیا) نے کثیر لوگوں کے خرمنِ ایمان کو تار تار کیا، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابنِ تیمیہ (م ۷۲۸ھ) وحافظ ابنِ قیم (م ۷۵۱ھ) سے لے کر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) اور امامِ راشد حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی (م ۱۳۷۷ھ) رحمہم اللہ تک ملّتِ اسلامیہ کے تمام مجدّدین اور اولیائے امت نے پوری قوت کے ساتھ غیر اسلامی تصوّف کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کیا اور مسلمانوں کو اس کے مفاسد سے آگاہ کیا، اور اسی غیر اسلامی تصوّف اور طریقِ خانقاہی کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے...... ؎

یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

لیکن جس طرح بعض مسلمانوں کی گمراہی سے اسلام پر حرف نہیں آسکتا، اسی طرح بعض صوفیوں کی گمراہی سے اسلامی تصوّف موردِ طعن نہیں ٹھہر سکتا۔

---

(۱)۔(شریعت وتصوّف...ص ۱۶)

اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کے اسباب:

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوّف کس طرح راہ پا گیا، اس کے اسباب ومحرکات پر جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمہ اللہ کا تحقیقی بیان ملاحظہ فرمائیں:

''جس زمانہ میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں، مسلمانوں میں تصوّف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے، قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کیا، یعنی تصوّف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں غیر اسلامی تصوّف کی بنیاد رکھ دی جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوّف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوّف میں امتیاز کرنا عوام کے لیے ناممکن ہو گیا(۱)''۔

ایک طرف قرامطہ، ملاحدہ اور زنادقہ نے صوفیہ کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوّف سے مانوس کر دیا، دوسری طرف مسلمان اور صحیح العقیدہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ کی تصانیف میں نہایت چابکدستی کے ساتھ اپنے باطل عقائد داخل کر دیے، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ (م ۱۴۲۰ھ)، حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) کے حالات میں لکھتے ہیں:

''بعض غیر محتاط و متعصب مُصنفین نے ان کی طرف ایسے اقوال کی نسبت کی تھی، جو عام عقیدۂ اہلِ سُنّت اور جمہور کے مسلک کے مطابق موجبِ کفر ہیں اور بعض ایسے اقوال ان کی طرف منسوب کیے گئے، جن سے مقامِ رسالت ﷺ میں سوءِ ادب اور تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ (اعاذنا اللہ وجمیع المسلمین منہ) یہ معاملہ تنہا امام ابنِ تیمیہؒ کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ دوسرے اکابرِ اُمت بھی معاندین کی اس سازش کا شکار ہوئے ہیں۔ ان کی طرف نہ صرف ان اقوال وعقائد کی نسبت کی گئی، جن سے وہ بالکل بَری تھے، بلکہ ان کی کتابوں

---

(۱)۔(اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش...... ص ۳۱، تحت چوتھی بحث)

میں ایسے مضامین شامل کئے گئے جو موجبِ کفر وضلال تھے (۱)"۔

ان دشمنانِ دین نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا کہ ازخود مستقل کتابیں (جو کفریہ اقوال پر مشتمل تھیں) تصنیف کر کے معروف صوفیہ کرام کی طرف منسوب کردیں، اوران کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے ساتھ یہی سلوک ہوا، ایک بڑے گروہِ علماء کا خیال ہے کہ "المضنون بہ علیٰ غیر اھلہ، المضنون بہ علیٰ اھلہ"، "معارج القدس"، "مشکوٰۃ الانوار" بے اصل اور منحول کتابیں ہیں جو امام غزالیؒ کے دشمنوں اور بدخواہوں نے تصنیف کر کے ان کی طرف منسوب کردی ہیں، شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ کی کتابوں میں بھی امام شعرانیؒ وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ عمل ہوا ہے اور مضامین ومواد کی آمیزش کی گئی ہے (۲)"۔

عارفِ ربّانی حضرتِ امام شعرانی رحمہ اللہ (م ۹۷۶ھ) خود اپنی کتابوں کے متعلق ایک دلچسپ اور عبرت انگیز واقعہ لکھتے ہیں، "الیواقیت والجواہر" میں فرماتے ہیں:

> وکذلک دسوا علی أنا فی کتابی المسمی البحر المورود جملة من العقائد الزائغة وأشاعوا تلک العقائد فی مصر ومکة نحو ثلاث سنین وأنا بریئ منها، کما بینت ذلک فی خطبة الکتاب لما غیرتها وکان العلماء کتبوا علیه وأجازوه فما سکنت الفتنة حتی أرسلت الیهم النسخة التی علیها خطوطهم وکان ممن انتدب لنصرتی الشیخ الامام ناصر الدین اللقانی المالکی رضی اللہ تعالیٰ عنه مم ان بعض الحسدة أشاع فی مصر ومکة ان علماء مصر رجعوا عن کتابتهم علی مؤلفات فلان کلها فشک بعض الناس فی ذلک فأرسلت النسخة

(۱)۔(تاریخ دعوت وعزیمت......ج۲ص۱۵۷۔۱۵۸ تحت مخالفت کے اسباب اور ان کے ناقدین ومدافعین)
(۲)۔(ایضاً......ص۱۵۸)

للعلماء ثالث مرة فكتبوا تحت خطوطهم كذب والله من ينسب الينا أننا رجعنا عن كتابتنا على هذا الكتاب وغيره من مؤلفات فلان وعبارة سيدنا ومولانا الشيخ ناصر الدين المالكي فسبح الله تعالىٰ في أجله بعد الحمد لله وبعد فما نسب الى العبد من الرجوع عما كتبته بخطي على هذا الكتاب وغيره من مؤلفات فلان باطل باطل[1].

''اسی طرح انہوں نے میری کتاب بنام ''البحر المورود'' کے بارے میں میرے سر پر بھی بہت سے کج عقائد تھوپ دیے ہیں اور انہیں مصر و مکۃ مکرمۃ میں تین سال تک پھیلاتے رہے، حالانکہ میں ان سے بَری ہوں، جیسا کہ میں نے اس بات کو کتاب کے خطبے میں بوقتِ تبدیلیٔ خطبہ بیان کر دیا ہے، اور علماء نے اس پر تصدیقات لکھیں ہیں اور تصویب کی ہے، پس ابھی فتنہ تھما نہ تھا کہ میں نے ان علماء کی طرف ایک نسخہ جس پر ان کی تحریرات تھیں بھیجا تھا، اور میری مدد وحمایت کرنے والوں میں ایک شیخ ناصر الدین اللقانی مالکی ؒ تھے، پھر بعض بعض حاسدین نے مصر و مکہ میں یہ بات پھیلا دی کہ مصر کے علماء نے فلاں شخص کی مؤلفات پر جو تحریریں لکھی تھیں اس سے انہوں نے رجوع کر لیا ہے، چنانچہ اس پروپیگنڈہ کے نتیجے میں بعض لوگوں کو شک ہو گیا، بس پھر میں نے تیسری مرتبہ علماء کو اپنی کتاب کا نسخہ بھیجا، اور انہوں نے اپنی تحریروں کے نیچے لکھا کہ یہ جو ہماری طرف منسوب کیا جا رہا ہے کہ ہم نے فلاں شخص کی اس کتاب اور جملہ تصنیفات پر جو تصدیقات کیں ان سے رجوع کر لیا، قسم بخدا یہ جھوٹ ہے اور ہمارے سردار شیخ مولانا ناصر الدین مالکی ''اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے'' کی عبارت یہ ہے حمد وثنا کے بعد! جو تصدیقات وتحریر اس بندے نے اس کتاب اور فلاں شخص کی دیگر تصانیف پر لکھی ہیں ان کے بارے میں میری طرف سے

(۱) ۔(الیواقیت والجواہر...... ج ۱ ص ۷، الفصل الاول تحت بیان عقیدۃ الشیخ المختصرۃ الخ)

رجوع کرنے کی نسبت کی جارہی ہے پس وہ باطل ہے! باطل ہے! باطل ہے!"۔

اس تدسیس وتدلیس (جو باطنیہ وملاحدہ نے صوفیہ کرام کی تصانیف میں کی ہیں) کی بہت سی مثالیں جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمہ اللہ کی کتاب "اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش" میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

صوفیاء کرام رحمہم اللہ کی کتب میں تدسیس وتدلیس کی وجہ:

چونکہ حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ پر حسنِ ظن کا بہت غلبہ ہوتا ہے، اسی لیے بہت سی باتیں صوفیاء حضرات کے نزدیک تحقیق وتنقید سے خارج ہوگئیں۔ اگرچہ ان حضرات کا زہد وتقشف ہر ایک کے نزدیک مسلّم ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم لکھتے ہیں:

> "ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدّث تھے، نہ مؤرّخ تھے، اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق وتدقیق وتنقید یہ سب باتیں سوءِ ادب میں داخل ہوگئی تھیں، جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ ہم ہر بات کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے، اگر کوئی بات کتاب وسُنّت کے خلاف ہوگی 'فھو مردود' خواہ وہ کسی کی زبان سے نکلی ہو، لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعیٔ قبیحہ سے سُنّی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہوگئی تھی کہ وہ قول کے حسن وقبیح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے، مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلافِ عقل ونقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابلِ اعتماد قرار پاجائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوءِ ادب سمجھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ اہلِ سُنّت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اور آج کسی میں یہ اخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دستبردار ہوجائے [1]"۔

حضرتِ مولانا نجم الدین اصلاحی رحمہ اللہ خلیفہ شیخ العرب والعجم امامِ راشد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ روحہ مکتوباتِ شیخ الاسلام کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

---

(۱)- (اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش... ص ۸۴-۸۵، تحت بعض دوسری مثالیں)

''صوفیاء کی کتابوں میں'' رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبـــــر '' کو صحیح حدیث کہا گیا ہے۔ لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائیؒ نے اسے ابراہیم بن عیلہ کا کلام بتایا ہے، الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کی کتابوں میں شاہ عبدالعزیز جیسے متبحر محدّث نے دیکھا ہے۔ پس احادیث اور غیر احادیث کا فیصلہ محدّثین کے اصول وقواعد کی رو سے کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر فن میں صاحبِ فن کی رائے اگر تسلیم نہ کی جائے تو امان اٹھ جائے گا اور شریعت کا بھرم جاتا رہے گا۔ بے چارے صوفیاء جن پر حسنِ ظن کا غلبہ ہوتا ہے، بھلا ان حضرات کو تنقید وتفتیش کی کہاں فرصت اور انہیں نہ اس کی عادت ہے، پس جو سن لیا یا دیکھ لیا اسے باور کرلیا، ان کے اس حسن ظن سے کسی قول کا حدیثِ رسول ﷺ ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا (۱)''۔

امامِ ربانی حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

باید دانست کہ در ہر مسئلہ از مسائل علماء وصوفیہ در آن اختلاف درانند چون نیک ملاحظہ می نماید حق بجانب علامی باید سرش آنست کہ نظر علماء بواسطہ متابعت انبیاء علیہم السلام بکمالات نبوت وعلوم آن نفوذ کردہ است ونظر صوفیہ مقصور بر کمالات ولایت ومعارف انست پس ناچار علمیکہ از مشکوٰۃ نبوت اخذ نمودہ شود اصوب واحق خواہد بود از آنچہ از مرتبہ ولایت ماخوذ شد (۲)۔

'' جاننا چاہیے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ جس میں علماء اور صوفیاء کے درمیان اختلاف ہے، اگر تم غور سے دیکھو گے تو حق علماء کی جانب نظر آئے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کے باعث علماء کی نظر کمالاتِ نبوت اور ان کے علوم تک نفوذ کر جاتی ہے اور صوفیہ کی نظر کمالاتِ ولایت اور ان کے علوم ومعارف پر مقصور رہتی ہے۔ پس لامحالہ جو علم

(۱)۔(مکتوباتِ شیخ الاسلام......ج۱ص۳۲۴، حاشیہ مکتوب:۱۰۵)
(۲)۔(مکتوباتِ امامِ ربانی......دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۶۶)

مشکوٰۃِ نبوّت سے ماخوذ ہوتا ہوگا وہ کئی درجے بہتر اور حق ہوگا بہ مقابلہ اس کے جو مرتبۂ ولایت سے ماخوذ ہوگا''۔

حضرت مولانا جامی رحمہ اللہ کی کتابوں کا حال:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمہ اللہ (م ۸۹۸ھ) ایک صوفی، نعت گو شاعر اور لغت و ادب کے امام کی حیثیت سے حلقۂ اہلِ سُنّت میں معروف ہیں، خاص طور پر واعظین و خطباء آپ کے ان اشعار کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت میں کہے گئے ہیں، اپنے مخصوص انداز میں پڑھتے ہیں تو کیف و سرور کا ایک سماں بندھ جاتا ہے لیکن کیا حضرت مولانا جامی رحمہ اللہ کی تصانیف دیگر صوفیائے کرام کی تصانیف کی طرح الحاقات سے بَری ہیں؟ یا سبائیوں نے الحاقات کرکے ان میں اہلِ سُنّت والجماعت کے عقیدہ ومسلک کے خلاف باتیں درج کردی ہیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم لکھتے ہیں:

''صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا، انہوں نے مولانا کی کتاب 'سلسلۃ الذہب' پر چند اعتراضات کیے تھے، ایک رافضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کردیے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کردیے تھے۔ سُنّی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا[1]۔

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسمٰعیلیہ، قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیتِ علی رضی اللہ عنہ (یا تنقیصِ معاویہ رضی اللہ عنہ ...... ناقل) پر استدلال ہوسکے، اپنی طرف سے شامل کردیا کرتے تھے۔

---

(۱)- اس داستان کی تفصیل کے لیے ''حیاتِ جامی'' مؤلفہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت مطبوعہ تہران ص ۸۳ ملاحظہ فرمایئے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء اِحدی حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو نہایت مکرّم، محترم اور لائقِ توقیر سمجھتے ہیں، اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسلِ اربعہ میں سے تین سلسلے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں، لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی منقبت میں زورِ قلم صرف کیا ہے وہاں حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لیے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شاملِ کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی تھی، فرض کیجیے کہ مولانا جامیؒ نے اکیس شعر کی ایک نظم حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو تین ایسے شعر جن میں حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا دیا گیا ہو، اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے (اور اسی کو تدسیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے؟[۱]"۔

جامیؒ کی کتاب "شواہد النبوّۃ" سے تدسیس وتدلیس کی چند مثالیں:

محترم قارئین! اب ہم جامی کی کتاب "شواہد النبوّۃ" (جس کا حوالہ مُصنّف نام ونسب نے جا بجا اپنی مذکورہ کتاب میں دیا ہے) سے چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں، فیصلہ آپ کریں کہ مندرجہ عقائد شیعہ حضرات کے ہیں یا اہلِ سُنّت کے؟

(۱) جامی نے اپنی کتاب میں ایک راہب کا سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے اور لکھا ہے جب وہ مسلمان ہوا تو اس نے یہ کلمہ پڑھا:

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ واشھد انک علی وصی رسول اللہ[۲].

بتایئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وصیِ رسول ہونے کا عقیدہ شیعوں کا ہے یا سنّیوں کا؟

مولانا جامی یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ جس طرح مسلمان ہوتے وقت اللہ کی وحدانیت اور سرکار ﷺ کی رسالت کی گواہی کا اقرار ضروری ہے اسی طرح وصایتِ علی رضی اللہ عنہ کا اقرار بھی ضروری ہے۔

---

(۱)۔ (اسلامی تصوّف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش......ص ۴۵۔۴۶، تحت نوربخشی سلسلہ)

(۲)۔ (شواہد النبوّۃ......ص ۱۵۵، رکن سادس در بیان دلائل وشواہد)

مولانا جامی نے اس واقعہ کو بغیر کسی جرح و تردید کے بڑے اہتمام سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی کرامت کے ذیل میں تحریر کیا ہے۔

(۲) جامیؒ لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہ ولے امام اوّل است از ائمہ اثنی عشر (۱)۔

''حضرت علی کرم اللہ وجہہ بارہ اماموں میں سے امامِ اوّل ہیں''۔

بتلایئے! بارہ اماموں پر اعتقاد اثناء عشریہ کا ہے یا سُنیوں کا؟۔

(۳) جامیؒ لکھتے ہیں کہ:

''امیر المؤمنین امام حسین کی شہادت کے بعد ایک دن محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ حضرتِ امامِ زین العابدین رحمہ اللہ کے پاس آئے اور فرمایا میں چونکہ بلحاظ عمر تم سے بڑا ہوں اور تمہارا چچا بھی ہوں پس امامت کا تم سے زیادہ حق دار اور سزاوار ہوں پس تم حضور ﷺ کے ہتھیار میرے حوالہ کر دو یہ سن کر امامِ زین العابدین رحمہ اللہ نے کہا چچا! اللہ سے ڈرو جس کا تمہیں حق نہیں ہے اس میں جھگڑا مت کرو...... پس بحث و تمحیص کے بعد دونوں نے حجرِ اسود کو حَکم مانا اور اس سے فیصلہ طلب کیا پس حجرِ اسود نے امامِ زین العابدین رحمہ اللہ کی ولایت و امامت کی گواہی دی (۲)''۔

امامت کے منصوص من اللہ ہونے کا عقیدہ شیعوں کا ہے اور یہی منقولہ بالا عبارات شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی ج ۱ ص ۱۲۸ اور الشافی ج ۲ ص ۳۱۴ پر موجود ہے۔ اہل سُنت کا اس باطل عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۴) جامیؒ نے اپنی اسی کتاب میں حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا حضرت امام حسن عسکری رحمہ اللہ کے گھر میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس نے بچپن میں کلام کیا ہے (۳)۔

یہ بھی شیعوں کا عقیدہ ہے، اس کی تفصیل حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید رحمہ

---

(۱)۔(شواہد النبوۃ......ص ۱۵۰، رکن سادس در بیان دلائل و شواہد)

(۲)۔(ملخص شواہد النبوۃ......ص ۱۶۹، رکن سادس در بیان دلائل و شواہد)

(۳)۔(شواہد النبوۃ......ص ۱۹۸، رکن سادس در بیان دلائل و شواہد)

اللہ (م ۱۴۱۷ھ) کی کتاب ''امامِ مہدی'' میں ملاحظہ کیجیے، اور اس کی مفصل تردید مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ لملا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۴۱ھ) ج ۱۰ ص ۱۷۹۔۱۸۰ پر ملاحظہ فرمایے۔

(۵) جامیؒ نے شواہد النبوۃ میں لکھا ہے کہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر ان کی بیوی جعدہ نے حضرت سیّدنا معاویہؓ کے کہنے پر دیا تھا[1]۔

جب کہ علامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ (م ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں:

وما ينقل أن معاوية دس اليه السم مع زوجته جعدة بنت الأشعث فهو من أحاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك[2].

''اور یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث کے ساتھ (خفیہ سازش کے تحت) مل کر زہر دلایا تھا، یہ شیعوں کی (خرافاتی) باتیں ہیں، حاشا وکلا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دامن اس سے بالا ہے''۔

(۶) جمہور اہلِ سُنّت والجماعت کے برعکس جامی کا حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ''خطائے منکر'' کے ارتکاب کا قول جس سے۔نعوذ باللہ۔صحابیِ رسول ﷺ کا فاسق ہونا لازم آئے گا، عقیدہ شیعیت کی مستقل دلیل ہے۔

سرِ دست ان چھ نکات پر اکتفا کرتا ہوں۔ یار زندہ صحبت باقی! آخر میں اب ہمارے قارئین خود اس بات کا فیصلہ کرلیں کہ کیا ایک صحیح العقیدہ سُنّی مسلمان اس قسم کے عقائد رکھ سکتا ہے، اگر یہ عبارات جامی کی اپنی تصنیف کردہ ہیں تو ہمیں جامی کے شیعہ ہونے میں شک نہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوگیا کہ یہ عقائد کسی سبائی نے جامی کی کتاب میں داخل کردیے ہیں، اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ جامی کی عبقریت وجلالتِ شان کی بدولت چھ سو سالوں میں کتنے مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا، اگر یہ عبارات الحاقی بھی تسلیم کرلی جائیں تب بھی دشمنانِ اسلام تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور چونکہ ان الحاقی عبارات کا متنِ کتاب سے خارج وحذف ہونے کا کوئی امکان نہیں لہٰذا ''مخمل میں ٹاٹ کی پیوندکاری'' ہمیشہ رہے گی۔

---

(۱)۔ (شواہد النبوۃ..... ص ۱۶۳، رکن سادس در بیان دلائل وشواہد)

(۲)۔ (تاریخ ابنِ خلدون..... ج ۲ ص ۱۱۳۹، تحت بیعۃ الحسن وتسلیمہ الامر لمعاویۃ)

جامیؒ کی شخصیت:

پھر خود حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی شخصیت پر بڑا نزاع ہے۔ بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع اور بعضوں نے ان کو اہلِ تقیہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ مولانا جامیؒ عقیدۃً اور مسلکاً اہلِ سنت سے دور اور اہلِ تشیع سے قریب ہیں۔

اور انہوں نے خصوصاً خلفائے راشدین ﷺ کی مدح میں جو اشعار کہے ہیں وہ بر بنائے تقیہ ہیں۔ .... ورنہ جامیؒ نے اپنی کتابوں خصوصاً "شواہد النبوۃ" میں جن عقائد کی ترویج کی ہے وہ خالصتاً شیعہ عقائد ہیں.... خود مولانا جامیؒ کے حالات پر مشتمل کتاب میں "جامی[1]" کے مصنف سید عارف نوشاہی نے باب "جامیؒ کے مذہبی عقائد" کے تحت لکھا ہے:

(۱) "وہ شیعہ مائل سنی تھے (۲)"۔

(۲) "مختصر یہ کہ مذکورہ کتاب (شواہد النبوۃ) کے مندرجات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف ایک سنی ہے جس کا دل تعصب سے پاک ہے مگر ساتھ ہی وہ عقائدِ امامیہ کی طرف بھی راغب ہے (۳)"۔

(۳) "جامی کے افکار میں دونوں عقیدوں شیعہ سنی کے امتزاج کی دلیل ہے (۴)"۔

(۴) "جو ایرانی شیعہ جامی سے عقیدت رکھتے ہیں وہ جامی کو باطنی طور پر ایک خالص العقیدہ شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے خیال میں خلفائے ثلاثہ ﷺ کی مدح میں یہ مقالات اور اشعار جامی کا تقیہ ہیں، چنانچہ سبحۃ الابرار (مصنفہ جامی) کے مندرجہ قطعہ کے آخری شعر کو یہ حضرات خلفائے ثلاثہ ﷺ کی قدح اور امیر المؤمنین حضرت علی ﷺ کی طرف اشارۃً وکنایۃً قیاس کرتے ہیں وہ شعر یہ ہے:

---

(۱)۔ مولانا جامیؒ کے حالات میں عارف نوشاہی صاحب کی محولہ کتاب کے حوالے حضرت مولانا محمد علی مرحوم کی فاضلانہ کتاب میزان الکتب.....ص ۵۱۱-۵۱۳ سے ماخوذ ہیں۔

(۲)۔ (جامی..... ص ۲۵۴) (۳)۔ (ایضاً)

(۴)۔ (ایضا.....ص ۲۵۵)

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را
بیخ بر کن دوسہ روباہی را (۱)

شیخ عباس قمی شیعہ نے اپنی کتاب ''الکنی والالقاب'' میں جامیؒ کے متعلق لکھا ہے:

المولیٰ عبد الرحمن بن احمد بن محمد الدشتی الفارسی الصوفی ، النحوی ، الصرفی ، الشاعر الفاضل...... ویقال له الجامی لأنه ولد ببلدة "جام" من بلاد ماوراء النهر سنة ۸۱۷ ھ ...... وله سجة الأبرار وشواهد النبوة فی فضائل النبی صلی اللہ علیه وسلم والائمة علیهم السلام ...... وهل هو من علماء السنة کما هو الظاهر منه بل من المتعصبین کماهو الغالب علی اهل بلاد ترکستان وماوراء النهر ولذا بالغ فی التشیع القاضی نور اللہ مع مذاقه الوسیع أو انه کان ظاهراً من المخالفین وفی الباطن من الشیعة الخالصین، ولم یبرز مافی قلبه تقیة کما یشهد بذلک بعض اشعاره منها ماعن سجة الابرار قوله:

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را
بیخ بر کن دوسہ روباہی را

واعتضده السید الأجل الامیر محمد حسین الخاتون آبادی سبط العلامة المجلسی (وینقل) حکایة فی ذلک مسنداً وحاصلها ان الشیخ علی بن عبد العالی ، کان رفیقاًمع الجامی فی سفر زیارة أئمة العراق علیهم السلام وکان یتقیه فلما وصلوا الیٰ بغداد ذهبا الی ساحل الدجلة للتنزه فجاء درویش قلندر،وقرأ قصیدة غراء فی مدح مولانا امیر المؤمنین

(۱)-(ایضاً......۲۵۶)

عليه السلام ولما سمعها الجامى بكى وسجد بكى فى سجوده ، ثم اعطاه جائزة ثم قال فى سبب ذلك إعلم انى شيعيٌ من خلص الامامية ولكن التقية واجبة وهذه القصيدة منى وأشكر الله انها صارت بحيث يقرأها القارى فى هذا المكان .

ثم قال الخاتون آبادى : وأخبرنى بعض الثقاة من الأفاضل نقلاً عمن يثق به ان كل من كان فى دار الجامى من الخدم والعيال والعشيرة كانوا على مذهب الامامية ، ونقلوا عنه انه كان يبالغ فى الوصية بأعمال التقية سيما إذا اراد سفراً والله العالم بالسرائر [1].

''مولوی عبدالرحمٰن بن احمد بن محمد دشتی، فارسی، صوفی، نحوی، صرفی شاعر اور فاضل تھے، جامیؒ انہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ماوراء النہر کے شہر ''جام'' میں ۸۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی تصانیف میں ''سبحۃ الابرار'' اور ''شواہد النبوۃ'' ہیں جو کہ آنحضرت ﷺ اور ائمہ کرام علیہم السلام کے فضائل میں لکھی گئی ہیں۔ کیا جامیؒ سنی علماء میں سے ہیں جیسا کہ ظاہر ہوتا ہے؟ بلکہ وہ متعصب سُنّی ہیں، جیسا کہ ترکستان اور ماوراء النہر کے شہروں میں مشہور ہے، اسی لیے انہوں نے اپنی طبیعت کی عدم تحقیق کے باوجود قاضی نوراللہ شوستری پر سخت تشنیع کی ہے، یا یہ کہ جامیؒ بظاہر مخالفین (سُنیوں) میں سے تھے، لیکن باطنی طور پر خالص شیعوں میں سے تھے اور جو ان کے دل میں تھا وہ (انہوں نے) از روئے تقیہ ظاہر نہ کیا، اس بات کی گواہی ان کے بعض اشعار دیتے ہیں، جیسا کہ ''سبحۃ الابرار'' کا یہ شعر ہے

پنجہ در کن اسد اللّٰہی را | بیخ بر کن دو سہ روباہی را

(۱)۔(الکنی والالقاب ..... ج۲ص ۱۳۸۔۱۳۹ تحت ''الجامی'')

اور اس بات کو امیر سید حسین الخاتون آبادی نواسہ ملا محمد باقر مجلسی کی ذکر کردہ حکایت سے مزید مضبوطی حاصل ہوتی ہے، اس با سند حکایت کا خلاصہ ہے کہ:

شیخ علی بن عبد العالی ایک مرتبہ سفر میں جامیؒ کے رفیق تھے جو عراق میں ائمہ کرام کی قبور کی زیارت کے سلسلہ میں کیا گیا تھا، وہ تقیہ کرتے تھے، جب یہ بغداد پہنچے تو دونوں ساحلِ دجلہ کی طرف چل دیئے، اتنے میں ایک درویش قلندر آیا اور اس نے ایک نہایت عمدہ قصیدہ مدح مولانا امیر المؤمنین علی علیہ السلام میں پڑھا، جب جامیؒ نے یہ قصیدہ سنا تو رو پڑے اور سجدہ ریز ہو کر روتے رہے، پھر اس (قصیدہ خواں) کو انعام دیا، پھر فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں شیعہ ہوں اور مخلص امامی ہوں، البتہ تقیہ واجب ہے اور یہ قصیدہ میرا لکھا ہوا ہے اور میں شکرِ الٰہی بجالاتا ہوں کہ اس نے قصیدہ کو اس مقام پر پہنچایا، پھر محمد حسین خاتون آبادی نے کہا مجھے ثقہ فاضلین میں سے کسی نے بتایا اور وہ اس بات کو ثقہ لوگوں سے روایت کرتا ہے کہ جامیؒ کے گھر کے تمام افراد، بال بچے اور خاندان کے لوگ مذہب امامیہ پر تھے اور جامیؒ تقیہ کے متعلق نہایت کڑی وصیت کرتے تھے، خاص کر جب وہ سفر کا ارادہ کرتے اور اللہ ہی بھیدوں کو جاننے والا ہے''۔

عباس قمی شیعہ نے جامیؒ کے شیعہ ہونے پر جو حکایت بیان کی ہے وہ دیوان کامل جامی بخشش ہاشم صفحہ ۱۹۴ پر بھی موجود ہے۔

ہمارا موقف:

محترم قارئین! چونکہ مولانا جامی رحمہ اللہ کی کتب میں جہاں شیعہ عقائد درج ہیں وہیں ان کی کتابیں سُنّی عقائد ونظریات کی بھی حامل ہیں، یہی وجہ ہے کہ جامی رحمہ اللہ کے بارے میں ناقدین کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے، چونکہ اکابر علمائے اہلِ سُنّت والجماعت رحمہم اللہ ہمیشہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامی رحمہ اللہ کو ایک سُنّی صوفی اور مسلمان نعت گو شاعر کی حیثیت سے تسلیم کرتے رہے اور ان کا ذکر مدحیہ انداز میں کرتے رہے ہیں، ان سے حسنِ ظن رکھتے رہے

ہیں۔لہٰذا ہم بھی حضرت مولانا جامیؒ کے حق میں ان رافضی خرافات کو تسلیم نہیں کرتے ، جہاں تک ان حوالہ جات کے ذکر کرنے کا تعلق ہے تو اس سے میرا مدعا یہ ہے کہ:

''سبائیہ، باطنیہ اور دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے اور اسی طرح (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ راقم الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے، پاکستان کے اکثر و بیشتر سُنی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور اپنے مذہب کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔کیا طرفہ تماشہ ہے کہ صاحب مزار سُنی تھا، لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔لاریب یہ اسی طریقِ کار کا ''ثمر شیریں'' ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے۔جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلکِ امامیہ کا پیرو ثابت کرو تاکہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں (۱)''۔

مکائدِ شیعہ سے حفاظت کے لیے حضرت نانوتویؒ کے پیش کردہ اُصول:

حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ (م۱۲۹۷ھ) نے اُمت کو روافض کے شر اور مکائد سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی معروف کتاب ''ھدیۃ الشیعہ'' میں کسی کتاب اور اس کے مُصنف کے قابل قبول ہونے کی چھ شرطیں تحریر فرمائی ہیں۔ان اُصولوں کی کسوٹی پر پرکھ کر ہمیں روافض اور ان سے متاثرین کے دیے گئے حوالوں کی جانچ کرنی چاہیے۔اگر وہ حوالہ ان اصولوں کے مطابق درست ہو تو بسر و چشم قبول ورنہ وہ مردود یا ماؤّل سمجھا جائے گا۔حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش......ص ۶۹-۷۰، تحت جامی پردست درازی)

"اوّل بطورِ تنبیہ یہ گذارش ہے کہ کتابیں آدمیوں ہی کی تصنیف ہوتی ہیں، جیسے آدمی سب طرح کے ہوتے ہیں، جھوٹے سچے، معتبر غیر معتبر، فہمید و غیر فہمیدہ۔ ایسے ہی کتابیں بھی سب طرح کی ہوتی ہیں۔ ملحدانِ بے دین نے بہت سی کتابیں تصنیف کر کے اچھے اچھے بزرگوں کے نام لگا دیے ہیں اور اس میں اپنے واہیات سینکڑوں بھر دیے ہیں اور جو کتابیں کہ کبرائے اہلِ سُنّت کی تصنیف ہیں ان میں سے بھی اکثر ایسی ہیں کہ وہ لوگوں کی فیض رسانی کے لیے تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بطورِ بیاض کے جمع کی گئیں، تاکہ نظرِ ثانی کر کے ان کی روایات کا حال معلوم کریں اور اتفاق سے نظرِ ثانی کا اتفاق نہ ہوا یا اور کسی وجہ سے وہ بیاضیں لوگوں کے پلّے پڑ گئیں اور بعض کتابیں ایسی ہیں کہ وہ بہت کمیاب اور بدرجہ غایت نادرالوجود بلکہ بمنزلہ مفقود ہیں اور وہ ملحدوں اور مبتدعوں کے ہاتھ لگ گئیں ہیں۔ انہوں نے اپنی گھڑی ہوئی روایتیں اس میں داخل کر دیں ہیں۔ یا اہلِ سُنّت کے مقابلہ کے وقت کسی روایت کو ان کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں تاکہ اہلِ سُنّت خاموش ہو جائیں۔

سو اہلِ تشیع اکثر ایسا ہی کرتے ہیں اور ایسی ہی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں۔ اس لیے اہلِ حق کو لازم ہے جب کسی شیعہ (یا شیعہ نواز..... ناقل) سے کسی کتاب کا حوالہ سُنے تو اوّل یہ دریافت کرے کہ یہ روایت اس کتاب میں ہے کہ نہیں؟ دوسرے اس کتاب کا حال تحقیق کرے کہ معتبر ہے کہ نہیں؟ اور معتبر ہونے کی یہ صورت ہے کہ کسی کتاب کی روایات کے معتبر ہونے میں چند باتیں ضروری ہیں:

پہلی شرط: اوّل تو یہ کہ اس کتاب کے مصنف کو تفریحِ طبائعِ محزونہ کے لیے فقط قصہ گوئی اور افسانہ خوانی مدِّ نظر نہ ہو، بلکہ واقعاتِ واقعی کے مشتاقوں کی تسکین کے لیے اس کتاب کو تصنیف کیا ہو، ورنہ چاہیے کہ بہارِ دانش اور بوستانِ خیال کے افسانے اور چہارِ درویش اور بکاؤلی کہانیں اور فسانۂ عجائب اور فسانۂ غرائب کے طوفان سب کے سب دستاویزِ خاص و عام ہو جائیں۔

دوسری شرط: دوسرے یہ کہ مُصنّفِ کتاب کسی کی رُو رعایات اور کسی سے بُغض وعداوت نہ رکھتا ہو اور اس کا حفظ اخبار اور صدقِ گفتار اس درجہ کو مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت کسی کے دل میں شک وشبہہ نہ ہو، ورنہ طومار کے طومار اخباروں کے لڑکیوں کی زبانوں میں اپنے بزرگوں کی شجاعت اوران کی غنیموں کی بزدلی سے مشحون ہوا کرتے ہیں، بالاتفاق مُسلّم ہو جائیں؟ اور یہ جو زبان زدِ خاص و عام ہے کہ اخباروں کا کیا اعتبار؟ ایک حرفِ بے جا اور عقیدۂ ناسزا ہو جائے اور شیعہ سُنّیوں کی، اور سُنّی شیعوں کی سندیات برسروچشم رکھنے لگیں اور ہرکس وناکس کی بات قبول کرنے لگیں، اور یہ فرق قوت وضعف، حفظ وتفاوت، صدق وکذب اور علیٰ ہذا القیاس یہ تہمت رُو ورعایت اور کینہ وعداوت ہرگز قابلِ لحاظ نہ رہے۔

تیسری شرط: تیسرے شرط یہ کہ مُصنّفِ نام کتاب باوجود صدق و دیانت اور حفظ عدالت کے اس فن میں جس فن کی وہ کتاب ہے دستگاہِ کامل اور ملکۂ کماینبغی رکھتا ہو، نہ یہ کہ دین میں، مثلاً یہ کہ نیم ملاّ ہو، جس سے خطرۂ ایمان ہو یا طب میں مثلاً نیم طبیب ہو کہ بیماروں کو خطرۂ جان ہو۔

چوتھی شرط: چوتھے یہ کہ وہ کتاب باوجود شرائطِ مذکورہ کے قدیم سے مشہور ومعروف اور ایسے قسم کے لوگوں کے واسطے سے جو مجموعۂ اوصافِ مرقومہ ہوں۔ دست بدست ہم تک پہنچی ہو، ورنہ لازم کیا التزام تھا کہ انجیل اور توراۃ جو کلامِ ربانی ہیں اس خدا کی تصنیف ہیں جو بوجۂ اتم جامع اوصاف مذکورہ کیا مجموعۂ جمیع صفات کمال اور معدنِ جملہ کمالاتِ جلال وجمال ہے۔ اعتبار واعتماد میں ہم پلہ قرآن مجید اور فرقان حمید کے ہو جائے؟

پانچویں شرط: پانچویں یہ کہ روایت کی کتاب میں اعتبار کے لیے ضروری ہے کہ مُصنّفِ کتاب نے اول سے التزام اس بات کا بھی کیا ہو کہ بجز صحیح روایتوں اور محقق حکایتوں کے اور روایتیں اپنی کتاب میں درج نہ کروں گا، جیسے کہ صحاح ستہ کہ ان کے مُصنّف نے یہ شرط کرلی ہے کہ بجز صحیح راویت کے

انہیں کتاب میں درج نہ کریں گے، اسی واسطے سے ان کی کتاب کا نام صحاح ستہ مشہور ہوگیا۔ سو اگر کوئی کتاب کسی کی بیاض ہو کہ اس نے اس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں اور صحیح غلط حکایتیں اس غرض سے فراہم کر لی ہیں، کہ بعد میں نظرِ ثانی کر کے صحیح صحیح کو قائم رکھ کر باقیوں کو نقل کے وقت حذف کر دوں گا۔ جیسا کہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے کیا یا صحیح کو صحیح بتلا کر موضوع یعنی بنائی ہوئی باتوں اور گھڑی ہوئی حکایتوں اور ضعیف وغیرہ کو لکھ کر اس کے بعد لکھ جاؤں گا کہ یہ موضوع ہے یا ضعیف ہے۔ مثلاً جیسے امام ترمذیؒ نے کیا۔ لیکن اتفاقات نے تقدیر سے ان کا یہ ارادہ پیش نہ کیا اور یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی تھی جی کی جی ہی میں تھی کہ اجل نے آ دبایا، تو ایسی کتاب کا ہرگز اعتبار نہ ہوگا ورنہ کون سا مُصنّف نہیں کہ اس نے اوّل ایک مجموعۂ بیاض بطورِ کلیات کے فراہم نہیں کیا؟ امام بخاریؒ سے بہت سی سندوں سے منقول ہے کہ انہوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر بخاری شریف کی حدیثیں نکالی ہیں اور عبدالرزاق بخاریؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے کوئی تین دفعہ حدیثوں کی بیاض اکٹھی کی تھی، چھانٹ کر بخاری شریف کا مسوّدہ کیا تھا۔ چنانچہ یہ مضمون بخاری شریف مطبوعہ دہلی مطبع احمدی کے مقدمہ کی دوسری اور تیسری فصل میں مندرج ہے۔

بہرحال ایسی بیاضوں کا جمع کرنا ایسے ایسے ائمہ حدیث کی نسبت بھی ثابت ہے سو اگر اتفاق سے امام بخاریؒ مثلاً بعد فراہمیٔ بیاض کے قبل اس کے کہ بخاری شریف کی حدیثیں اس میں سے چھانٹ کر بخاری تصنیف کریں، اس دارِ فانی سے کوچ کر جاتے تو گو وہ بیاض امام بخاریؒ ہی کی تصنیف سمجھی جاتی لیکن کوئی بتائے تو کیا وہ قابل اعتبار کے ہو جاتی؟ سب جانتے ہیں کہ اگر وہ ایسی ہوتی تو امام بخاری کو چھانٹنے ہی کیا ضرورت تھی؟ تو اس صورت میں امام بخاریؒ ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ میری بیاض قابلِ اعتبار نہیں، پھر ہم کیونکر فقط اس سبب سے اس کا اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ایسے بڑے امام المحدثین کی تصنیف ہے کہ جہاں میں نہ کوئی ثانی ان کا ہوا ہے نہ ہوگا، غرض اگر کوئی کتاب

اس قسم کی کسی کو مل جائے اور اس کے مصنف کو کتنا ہی بڑا محدث کیوں نہ ہو، اس کی تہذیب اور تالیف کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ کتاب کسی طرح علماء کیا جہال کے نزدیک بھی بہ شہادتِ عقل قابل اطمینان نہیں.... بہرحال یہ نکتہ محفوظ رکھنا چاہیے کہ بسبب اس کے ملحوظ رہنے کے اکثر عالم نام سے گرفتارِ دامِ اوہام ہو جاتے ہیں چہ جائیکہ جاہل۔

چھٹی شرط: چھٹے یہ کہ اگر چند روایتیں باہم مختلف ہوں اور پھر اختلاف بھی حدِ تضاد یا تناقض کو پہنچ جائے، دونوں کا صحیح ہونا فقط مستبعد ہی نہ ہو تو پھر ترجیح باعتبارِ قوت سند ہی کے ہوگی، ورنہ لازم ہے کہ شیعوں کے نزدیک روایاتِ شیعہ اور روایاتِ اہلِ سنت جو مخالف روایاتِ شیعہ ہیں دونوں صحیح ہوں[1]"۔

حضرتِ حجۃ الاسلام قدس سرہ آگے اس سلسلہ میں کلام فرماتے ہیں:

"القصہ دغابازان شیعہ کی یہ چالاکی کتبِ غیر مشہورہ میں چل گئی اسی واسطے علمائے اہلِ سنت ان کتب کو ہم سنگ تورات وانجیل سمجھتے ہیں اور ان کی روایات کو معتبر نہیں رکھتے، ہاں! ان کی روایات کو روایاتِ صحاح ستہ ودیگر کتبِ صحاح مشہورہ پر پیش کر کے جو مطابق نکلے اس کو بسر وچشم رکھتے ہیں اور جو مخالف نکلے اس کو ملحدانِ بدعت کیش دروغ پیشہ وخوارج وغیرہ کے سر مارتے ہیں اور جو روایات خلاف ووفاق سے برطرف ہوا گر دلائل عقلیہ کے مخالف ہو تو اس کا بھی یہی حال ہے، ورنہ اگر تکذیب نہیں کرتے تو تصدیق بھی نہیں کرتے، بہرحال جو روایت کہ ان کتب میں بلا شرکتِ غیرے بھی پائی جائے اگر روایت صحاح کے مخالف بھی نہ ہو تو تب بھی قابل تمسک اور لائق حجت نہیں سمجھتے اور مثل مرویات اہل کتاب بلکہ خود انجیل وتورات نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب[2]"۔

---

(۱)-(ھدیۃ الشیعہ . ص ۲۵۵-۲۵۸ تحت کتاب ومصنف کتاب کے قابل قبول ہونے کی چھ شرطیں)

(۲)-(ایضاً ... ص ۲۶۰-۲۶۱ تحت اہلِ سنت کا نظام حفاظت)

حاصلِ بحث:

گزشتہ تفصیل سے واضح ہوا کہ جامی کی کوئی اجتہادی بات ہم اہلِ سُنّت والجماعت پر حجت نہیں بن سکتی۔

علمائے اسلام کے نزدیک جامی کی شخصیت وعبقریت بطور ایک صوفی، نعت گوشاعر اور لغت وادب کے امام کے ہے، بطور ایک محدث، مفسر اور فقیہ کے نہیں اور اکابر علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات طے ہے کہ حلت وحرمت کے مسائل میں صوفیاء کی بات شرعاً حجت نہیں، اِلّا یہ کہ وہ شریعت کے موافق ہو، حضرتِ مجدّدِ الفِ ثانی رحمہ اللہ (م ۱۰۳۴ھ) نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے:

عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نہ کنیم وامر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابی حنیفہؒ وامام ابی یوسف وامام محمد معتبر است نہ ابی بکر شبلی ابی الحسن نوری [1]۔

''صوفیہ کرام کا عمل حلت وحرمت میں سند نہیں، یہی کافی ہے کہ ہم ان کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں، اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں، اس جگہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہوگا نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری رحمہما اللہ کا عمل''۔

اور امام ابنِ جوزی کا یہ اصول کس صاحبِ نظر سے پوشیدہ ہے:

إذا وقع في الاسناد صوفي فاغسل يديک منه [2].

''جب اسناد میں کسی صوفی کا نام آئے تو حدیث سے ہاتھ دھولو''۔

امامِ راشد حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۷ھ) فرماتے ہیں:

''غرض یہ ہے کہ یہ اکابر علمِ طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں، علمِ ظاہر اور شریعت کے امام نہیں اس کے امام حضرت امام ابوحنیفہؒ وامام محمدؒ وابو یوسفؒ اور فقہائے کرام ہیں اس بارے میں ان کا قول وفعل حجت ہوگا،

---

(۱)۔(مکتوبات امام ربانی ..... دفتر اول مکتوب:۲۶۶)

(۲)۔(العلالۃ الناجعہ ..... ص ۷۷)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندیؒ، حضرت خواجہ معین الدین سنجریؒ کے اقوال اور فتاویٰ اور اعمال حجت نہ ہوں گے اگرچہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں..... لکل فن رجال[1]"۔

علامہ قاضی ابراہیم الحنفی رحمہ اللہ (المتوفی فی حدود ۱۰۰۰ھ) فرماتے ہیں:

''اور جو عابد و زاہد اہل اجتہاد نہیں، وہ عوام میں داخل ہیں، ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں، ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی''[2]۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں:

مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب وسنت مے باید[3]۔

''کسی پیر کا مسلک حجت نہیں ہوتا دلیل کتاب اور سُنت سے پیش کی جاتی ہے''۔

ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے

نیست حجت قول و فعل ہیچ پیر
قولِ حق و فعلِ احمد را بگیر

مندرجہ بالا ارشادات وتصریحات سے واضح ہوا کہ حلت وحرمت کے مسائل میں حضراتِ صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ کا قول حجت نہیں، الا یہ کہ وہ موافقِ شریعت ہو، جب حلت وحرمت میں اس سے احتجاج نہیں کر سکتے تو باب العقائد اور خصوصاً مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک صوفی کی اس بات کو کیسے قابلِ احتجاج سمجھا جا سکتا ہے جو جمہور علمائے اُمت کے خلاف ہے، یہاں تو صحیح حدیث بھی ناقابلِ احتجاج ہے، جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی (م ۱۳۴۱ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(مکتوباتِ شیخ الاسلام ..... ج ۳ ص ۲۲۵ مکتوب: ۸۹)
(۲)۔(تنبیس الاظہار ترجمہ مجالس الابرار ..... ص ۱۲۷، اٹھارویں مجلس، بدعت کے بیان میں)
(۳)۔(اخبار الاخیار ..... ص ۹۳)

''بابِ عقائد میں ضعاف تو درکنار بخاری و مسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود ہیں جب تک قطعی الدلالۃ اور متواتر نہ ہوں [1]''۔

اگر بالفرض جامی شیعیت کے ساتھ متہم نہ بھی ہوتے اور ان کی کتابوں میں سبائی تدسیس و تدلیس کا ثبوت نہ بھی ہوتا تو بھی جمہور اُمت کے مقابلہ میں ان کا (خطائے منکر کا) قول مردود ہوتا ۔واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)۔(فتاویٰ رضویہ.....ج۲ص۵۰۵)

مودودی صاحب کا حوالہ

مُصنّفِ نام ونسب نے اپنے مؤقف کی تائید میں مودودی صاحب کی تشیّع آمیز کتاب ''خلافت وملوکیت'' ص۱۴۳ کا حوالہ بھی پیش کیا ہے، جس میں مودودی صاحب نے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ناروا اعتراضات کے بعد آخر میں کہا ہے:

''(جتنے اعتراضات میں نے حضرتِ معاویہؓ پر کیے ہیں..... ناقل)
اس سے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون نہ کیا جائے''۔

مُصنّفِ نام ونسب مودودی صاحب کے اس آخری جملہ پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''مولانا مرحوم کے اس تبصرہ کا آخری جملہ بحیثیتِ مجموعی مطعون نہ کرے..... قابلِ توجہ ہے''۔

جنابِ مودودی صاحب (م۱۹۷۹ء) کا شمار ماضی قریب کے معروف اور کثیر التصانیف اہلِ قلم میں ہوتا ہے، توفیقِ ایزدی نے جہاں انہیں وسعتِ مطالعہ، انشا پردازی، تحلیلِ افکار اور تجزیہ ابحاث جیسی اعلیٰ خوبیوں سے نوازا تھا، وہیں صحیح تعلیم وتربیت کے فقدان، زائغین وملحدین کی صحبت ورفاقت اور قلم کو وسیلۂ معاش بنانے کے جذبہ نے ان میں ایسے نقایص بھی پیدا کردیے جس نے ان کی خوبیوں کو اوجھل کردیا، ان کی طبیعت اور فکر دونوں ''انا ولا غیری'' پر استوار ہوگئی تھیں۔

مودودی صاحب کی مضمون نگاری اور انشائیت ہی کو ان کی تصانیف کا سب سے بڑا کمال سمجھا جاتا ہے اور اس حوالہ سے ہم بھی ان کے قلم کی روانی اور شُستہ بیانی کے مدّاح ومعترف ہیں، لیکن کیا کیجیے کہ ان صفات کے باوصف ان کا قلم جس شدّت وحدّت کے ساتھ تہذیبِ جدید ومغربی فلسفۂ حیات کے رسیا کسی ملحد وزندیق کے خلاف حق کی ترجمانی میں چلتا ہے، بالکل اس کے برخلاف ان کے قلم نے انبیاء کرام، صحابہ کرام اور سلفِ صالحین پر (اسی شدّت وحدّت کے ساتھ) تنقید وجرح کا دروازہ کھول کر باطل کی خوب خوب ترجمانی فرمائی ہے، ان کی آزاد فکر اور ان کا بے باک قلم مذکورہ شخصیات کی بارگاہ میں بھی پاسِ ادب ملحوظ نہیں رکھتا، وہ حضراتِ انبیائے کرام، صحابہ کرام اور سلفِ

صالحین پر جسارت وتوہین آمیز تنقید کو اپنا ''علمی فرض'' اور ''تحقیقی حق'' سمجھتے ہیں اور اگر کوئی مظلوم ان اکابر کی صفائی میں کچھ عرض کرنے کی جرأت کرے تو جناب مودودی اسے ''وکیلِ صفائی''، اس کے دلائل کو ''خواہ مخواہ کی سخن سازیاں'' اور ''غیر معقول تاویلات'' قرار دے کر رد کر دیتے ہیں اور ان دلائل پر کان دھرنے کو ''اپنے صحیح اور غلط کے معیار کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف'' گردانتے ہیں، وہ اکابر سلفِ صالحین کی اتباع واقتدا کو ''ذہنی غلامی'' کا نام دے کر اس کا استہزاء اڑاتے ہیں، تقلید ان کے نزدیک ''گناہ سے بھی شدید تر چیز'' ہے، وہ بلاواسطۂ اسلاف دین فہمی کے مدعی ہیں، اصولِ روایت مودودی صاحب کے نزدیک اس ''دورِ تجدید'' میں ''اگلے وقتوں کی بکواس'' ہے، تصوف ''افیون کا چسکہ'' ـــ ''چنیا بیگم'' اور صوفیت ایک ''مرض'' ہے ......

اگرچہ مودودی صاحب کی تصنیفات میں بعض مفید ابحاث بھی آ گئی ہیں، لیکن ان کی حیثیت ''واثمهما اكبر من نفعهما'' جیسی ہے، ان کی تصانیف کا مجموعی ضرر جزوی فائدے سے کہیں زیادہ ہے، راقم السطور اپنے بیان کے اثبات میں مودودی صاحب کی کتب کے چند حوالہ جات نقل کرنے سے قبل مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ (م ۱۳۹۶ھ) کا ایک اقتباس نقل کرنا چاہتا ہے جو مودودی صاحب کے بارے میں انتہائی دیانتدارانہ اور معتدل مؤقف پر مبنی ہے:

> ''احقر کے نزدیک مولانا مودودی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ عقائد اور احکام میں ذاتی اجتہاد کی پیروی کرتے ہیں، خواہ ان کا اجتہاد جمہور علمائے سلف کے خلاف ہو، حالانکہ احقر کے نزدیک منصبِ اجتہاد کے شرائط ان میں موجود نہیں۔ اس بنیادی غلطی کی بنا پر ان کے لٹریچر میں بہت سی باتیں غلط اور جمہور علمائے اہلِ سُنّت کے خلاف ہیں۔
>
> اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تحریروں میں علمائے سلف یہاں تک کہ صحابۂ کرام ﷡ پر تنقید کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ انتہائی غلط ہے۔ خاص طور پر ''خلافت وملوکیت'' میں بعض صحابۂ کرام ﷡ کو جس طرح تنقید ہی نہیں بلکہ ملامت کا بھی ہدف بنایا گیا ہے اور اس پر مختلف حلقوں کی طرف سے توجہ دلانے کے باوجود اصرار کی جو روش اختیار کی گئی ہے وہ جمہور علمائے اہلِ سُنّت کے طرز کے بالکل خلاف ہے۔ نیز ان کے عام لٹریچر کا مجموعی اثر بھی اس کے پڑھنے والوں پر بکثرت یہ محسوس ہوتا ہے کہ سلفِ صالحین پر مطلوب اعتماد نہیں رہتا اور

ہمارے نزدیک یہ اعتماد ہی دین کی حفاظت کا بڑا حصار ہے۔اس سے نکل جانے کے بعد پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ بھی انسان نہایت غلط اور گمراہ کن راستوں پر پڑ سکتا ہے۔ہاں! یہ صحیح ہے کہ ان کو منکرینِ حدیث، قادیانیوں یا اباحیت پسند لوگوں کی صف میں کھڑا کرنا میرے لیے درست نہیں، جنھوں نے سود، شراب، قمار اور اسلام کے کھلے محرمات کو حلال کرنے کے لیے قرآن وسُنت ہی میں تحریفات کی ہیں بلکہ ایسے لوگوں کی تردید میں ان کی تحریریں ایک خاص سطح کے نو تعلیم یافتہ حلقوں میں مؤثر اور مفید بھی ثابت ہوئی ہیں۔یہ بات میں ہمیشہ سے کہتا آیا ہوں، لیکن اگر کوئی شخص میری اس بات کو بنیاد بنا کر یہ کہے کہ میں مودودی صاحب کے ان نظریات سے متفق ہوں جو انہوں نے جمہور علماء کے خلاف اختیار کیے ہیں تو یہ بالکل غلط ہے اور خلافِ واقعہ بات ہے۔

اگرچہ جماعت کے قانون میں مولانا مودودی صاحب اور جماعتِ اسلامی الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں اور اصولاً جو بات مودودی صاحب کے بارے میں درست ہو ضروری نہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے بارے میں بھی درست ہو۔لیکن عملی طور پر جماعت اسلامی نے مولانا مودودی صاحب کے لٹریچر کو نہ صرف جماعت کا علمی سرمایہ اور عمل کا محور بنایا ہوا ہے بلکہ اس کی طرف سے زبانی اور تحریری مدافعت کا عام طرزِ عمل ہر جگہ مشاہدہ میں آتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت کے افراد بھی ان نظریات اور تحریروں سے متفق ہیں، البتہ کچھ مستثنیٰ حضرات ایسے ہوں جو مذکورہ بالا امور میں مولانا مودودی سے اختلاف رکھتے ہوں اور جمہور علمائے اہلِ سُنت کے مسلک کو اس کے مقابلہ میں درست سمجھتے ہوں تو ان پر اس رائے کا اطلاق نہیں ہوگا۔

نماز کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ امام اس شخص کو بنانا چاہیے جو جمہور اہلِ سُنت کے مسلک کا پابند ہو۔لہٰذا جو لوگ مودودی صاحب سے مذکورہ بالا اُمور میں متفق ہوں، انہیں باختیارِ خود امام بنانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی نماز ان کے پیچھے پڑھ لی گئی تو نماز ہوگئی[1]"۔

(۱)۔(جواہر الفقہ ۔۔۔۔ج ۲ ص ۱۷۱۔۱۷۲ تحت فتویٰ متعلقہ جماعت اسلامی)

مودودی صاحب کا معرکۃ الآراء استشراقی شاہکار:

مودودی صاحب نے جو کچھ اپنی دیگر تصانیف میں تحریر کیا تھا وہی کیا کم تھا کہ انہوں نے ایک مستقل کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے نام سے تصنیف فرما کر عظیم ''اسلامی خدمت'' انجام دی ہے۔ جس میں خلیفۂ راشد سیدنا عثمان ذوالنورین، سیدنا علی المرتضیٰ، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر، سیدہ عائشہ، سیدنا معاویہ، سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا عمرو بن عاص اور دیگر صحابہ کرام ﷡ پر رکیک حملے کر کے مستشرقین، روافض اور خوارج کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا ہے کہ تم لوگوں نے مل کر آج تک ان حضرات کے خلاف کھل کر کیا لکھا ہوگا جو میں نے لکھا ہے ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بہ صحرا رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم

اور یہ بات حقیقت ہے کہ شیعیت وسبائیت اور مستشرقین حضراتِ صحابۂ کرام ﷡ کے خلاف لوگوں کے اذہان میں وہ نقوش نہیں جما سکے جو تنہا مودودی صاحب کی اس کتاب نے جمایا ہے۔ میں یہاں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا کہ مودودی صاحب نے اپنے اس استشراقی افسانہ میں بزعم خود صحابۂ کرام ﷡ پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کی تاریخی وقعت اور تحقیقی حیثیت کیا ہے اور جناب نے اس کتاب میں دیانت وامانت کے تقاضوں کا کیا اور کتنا پاس ولحاظ رکھا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں ان نفوسِ قدسیہ پر کسی درجہ میں بھی اعتراض وتنقید کا حق حاصل ہے؟ بفضلہٖ تعالیٰ علمائے امت اس کی حقیقت کو واضح کر چکے ہیں اور ''خلافت وملوکیت'' کا مدلل اور مسکت جواب دے چکے ہیں[1]۔ ان کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ سردست خلافت وملوکیت کے اندازِ تحقیق وتالیف پر جناب مودودی ہی کا ایک اقتباس پڑھیے:

> ''میں نے ان (قابلِ اعتماد بزرگانِ دین) پر انحصار کرنے کی بجائے اپنی آزادانہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا[2]''۔

میرا خیال ہے کہ جناب مودودی کے اس اقتباس کے بعد مجھے مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، محولہ بالا عبارات مذکورہ کتاب کی تحقیقی وتصنیفی لیاقت کی خود آئینہ دار ہیں۔

---

(۱)- مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے جواب کے لیے ملاحظہ فرمائیے: ''حضرت معاویہ ﷛ اور تاریخی حقائق'' از شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم، ''عادلانہ دفاع'' از حضرت مولانا سید نور الحسن بخاری رحمہ اللہ اور ''شواہد تقدس اور تردید الزامات'' از حضرت مولانا محمد میاں انصاری رحمہ اللہ۔

(۲)- (خلافت وملوکیت ص ۳۲۰ تحت وکالت کی بنیاد)

مودودی صاحب کی آزادہ روی کے چند حوالے:

(۱) ''یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی......بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانی تحریص کے زیرِ اثر اُبھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقامِ بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے (۱)''۔

(۲) ''پیغمبروں تک کو نفسِ شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقع پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ''لَاتَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی (۲)''۔

(۳) ''حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفس کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا (۳)''۔

(۴) ''مگر اس کی اصلیت صرف اس قدر تھی کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر اوریا سے طلاق کی درخواست کی تھی (۴)''۔

(۵) ''بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے، لیکن جونہی کہ اسے یہ احساس ہوتا ہے یا اللہ کی طرف سے احساس کرا دیا جاتا ہے کہ اس کا مقام معیارِ مطلوب سے نیچے جا رہا ہے وہ فوراً توبہ کرتا ہے اور اپنی غلطی کی اصلاح کرنے میں اسے ایک لمحہ کے لیے بھی تأمل نہیں ہوتا۔ حضرت نوح کی

---

(۱)۔(تفہیم القرآن......ج ۲ ص ۱۳۳ بحوالہ اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم......ص ۱۳۳)
(۲)۔(تفہیمات......ص ۱۶۳، تحت کیا رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے؟)
(۳)۔(تفہیم القرآن......ج ۴ ص......در تفسیر سورہ ''ص'' آیت نمبر ۲۶)
(۴)۔(تفہیمات...... حصہ دوم ص ۵۶، تحت قصہ داؤد علیہ السلام اور اسرائیلی خرافات)

اخلاقی رفعت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ ابھی جان جوان بیٹا آنکھوں کے سامنے غرق ہوا ہے اور اس نظارہ سے کلیجہ منہ کو آ رہا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا ہے اس کو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے تو وہ فوراً اپنے دل کے زخم سے بے پروا ہو کر اس طرزِ فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضیٰ ہے[۱] ''۔

(۶) ''نبی ہونے سے قبل تو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا کہ اُنھوں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا[۲] ''۔

(۷) ''عصمت دراصل انبیاء کے لوازمِ ذات سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصبِ نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی ان سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہونے دی ہیں تا کہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں[۳] ''۔

(۸) ''حتیٰ کہ (انبیاء سے) قصور بھی ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی[۴] ''۔

(۹) ''حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا[۵] ''۔

---

(۱)۔(تفہیم القرآن......ج ۲ص ۳۴۴، در تفسیر سورۂ ہود آیت نمبر ۴۶)
(۲)۔(رسائل و مسائل......ج ۱ص ۲۲، تفسیر آیات و تاویل احادیث تحت عصمت انبیاء)
(۳)۔(تفہیمات......ج ۲ص ۵۶، تحت قصہ داود علیہ السلام اور اسرائیلی خرافات)
(۴)۔(ترجمان القرآن......مئی ۱۹۵۵ء، بحوالہ مودودی مذہب......ص ۳۱)
(۵)۔(تفہیم القرآن......ج ۲ص ۳۱۲، در تفسیر سورۂ یونس، آیت نمبر ۹۸)

(۱۰) ''اس کی وجہ یہی تو تھی کہ آپ کو عرب میں بہترین انسانی مواد مل گیا تھا جس کے اندر کیرکٹر کی زبردست طاقت موجود تھی۔ اگر خدانخواستہ آپ کو بودے، کم ہمت، ضعیف الارادہ اور ناقابلِ اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا پھر بھی وہ نتائج نکل سکتے تھے (۱)''۔

(۱۱) ''(سورہ نصر کی تفسیر میں آپ ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں) اس طرح جب وہ کام تکمیل تک پہنچ گیا جس پر محمد ﷺ کو مامور کیا گیا تھا تو آپ ﷺ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس کارنامے کو اپنا کارنامہ سمجھ کر کہیں فخر نہ کرنے لگ جانا نقص سے پاک بے عیب ذات اور کامل ذات صرف تمہارے رب کی ہے۔ لہٰذا اس کارنبوت کی انجام دہی پر اس کی تسبیح اور حمد وثنا کرو اور اس ذات سے درخواست کرو کہ مالک اس ۲۲ سال کے زمانہ خدمت میں اپنے فرائض ادا کرنے میں جو خامیاں اور کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہوگئی ہوں انہیں معاف فرمادے (۲)''۔

---

(۱۲) ''ان سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ بسا اوقات صحابہؓ پر بھی بشری کمزوری کا غلبہ ہو جاتا تھا اور وہ بھی ایک دوسرے پر چوٹیں کر جاتے تھے، ابن عمرؓ نے سنا ابو ہریرہؓ وتر کو ضروری نہیں سمجھتے، فرمانے لگے ابو ہریرہؓ جھوٹے ہیں، حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر انسؓ اور ابوسعید خدریؓ کے متعلق فرمایا کہ وہ حدیث رسول ﷺ کو کیا جانیں وہ تو اس زمانہ میں بچے تھے، حضرت حسن بن علیؓ سے ایک مرتبہ شاہدٍ و مشہودٍ کے معنی پوچھے گئے، انہوں نے اس کی تفسیر بیان کی، عرض کیا گیا کہ ابن عمرؓ اور ابن زبیرؓ تو ایسا اور ایسا کہتے ہیں، فرمایا دونوں جھوٹے ہیں، حضرت علیؓ نے ایک موقع پر مغیرہ بن شعبہ کو جھوٹا قرار دیا، عبادہ بن الصامتؓ نے ایک ایسا مسئلہ بیان کرتے ہوئے مسعود بن اوس انصاریؓ پر جھوٹ کا الزام لگا دیا۔ حالانکہ وہ بدری صحابہؓ میں سے ہیں (۳)''۔

---

(۱)۔ (تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں ......ص۲۰، ۲۱ تحت بنیادی انسانی اخلاقیات)
(۲)۔ (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں......ص۱۵۶)
(۳)۔ (تفہیمات ج ا ص ۲۹۴ تحت مسلک اعتدال)

(۱۳) ''صحابہ کرام جہاد فی سبیل اللہ کی اصلی اسپرٹ کو سمجھنے میں بار بار غلطیاں کر جاتے تھے(۱) ''۔

(۱۴) (اصحابِ جنگِ اُحد کے متعلق لکھتے ہیں) سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی مرض پیدا ہوتے ہیں، سود لینے والوں میں حرص و طمع، بخل اور خود غرضی اور سود دینے والوں میں نفرت، غصہ اور بغض و حسد۔ اُحد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا(۲) ''۔

(۱۵) ''اگرچہ اُصولِ فقہ کی کتابوں میں اس روایت کا جابجا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن میرے علم میں کوئی ایک اصولی یا فقیہ بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس روایت سے صحابی کے قول و فعل کو مطلقاً حجت ثابت کرنے کی کوشش کی ہو(۳) ''۔

(۱۶) ''حقیقت یہ ہے کہ عامی لوگ نہ کبھی عہدِ نبوی میں معیاری مسلمان تھے اور نہ اس کے بعد کبھی ان کو معیاری مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہوا۔ معیاری مسلمان تو اس زمانہ میں وہی تھے اور اب بھی وہی ہیں جو قرآن و حدیث کے علوم پر نظر رکھتے ہوں اور جن کے رگ و ریشے میں قرآن کا علم اور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا نمونہ سرایت کر گیا ہو۔ باقی رہے عوام تو اس وقت بھی ان معیاری مسلمانوں کے پیرو تھے اور آج بھی ہیں(۴) ''۔

(۱۷) ''حضرت عثمانؓ جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا ان خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیشروؤں کو عطا ہوئی تھیں۔ اس لیے جاہلیت کو اسلامی نظامِ اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا(۵) ''۔

---

(۱)۔(ترجمان القرآن ......۵۷، بحوالہ مودودی مذہب......ص۵۹)
(۲)۔(تفہیم القرآن......ج۱ص ۲۸۷۔۲۸۸، در تفسیر سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۳۴)
(۳)۔(ترجمان القرآن.....)
(۴)۔(تفہیمات......ص۳۰۹)
(۵)۔(تجدید و احیائے دین......ص۲۳، بعنوان جاہلیت کا حملہ)

(۱۸) ''خلفائے راشدین کے فیصلے بھی اسلام میں قانون نہیں قرار پائے جو انھوں نے قاضی کی حیثیت سے کیے تھے(۱)''۔

(۱۹) لیکن ان (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انھوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں(۲)''۔

(۲۰) ''مثال کے طور پر انہوں (یعنی حضرت عثمانؓ) نے افریقہ کے مالِ غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) مروان کو بخش دیا(۳)''۔

(۲۱) ''اس سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دوررس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں...... ایک یہ کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو مسلسل بڑی مدت تک ایک ہی صوبے کی گورنری پر مامور کیے رکھا .... دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکریٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی(۴)''۔

(۲۲) ''حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے، خواہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے(۵)''۔

(۲۳) ''ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسرِ منبر

(۱)-(ترجمان القرآن...... جنوری ۵۸، بحوالہ مودودی مذہب ...... ص ۶۶)
(۲)-(خلافت وملوکیت ...... ص ۱۰۶، دربیان خلافت راشدہ سے ملوکیت تک)
(۳)-(ایضاً...... حاشیہ)
(۴)-(خلافت وملوکیت...... ص ۱۱۵ تحت خلافت راشدہ سے ملوکیت)
(۵)-(خلافت وملوکیت...... ص ۱۱۶ تحت دوسرا مرحلہ)

رسولؐ حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجدِ نبوی میں منبرِ رسولؐ پر عین روضۂ نبویؐ کے سامنے حضور ﷺ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے، کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا[1]"۔

(۲۴) "مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ ؓ نے کتاب اللہ وسُنّت رسول اللہؐ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی[2]"۔

(۲۵) "زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہؓ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی[3]"۔

(۲۶) "حضرت معاویہؓ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زناکاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہی کا ولد الحرام ہے۔ پھر اسی بنیاد پر اسے اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے مگر قانونی حیثیت سے بھی ایک صریح ناجائز فعل تھا۔ کیونکہ شریعت میں کوئی نسب زنا سے ثابت نہیں ہوتا[4]"۔

(۲۷) "حضرت عمرو بن عاصؓ سے یہ دو کام ایسے سرزد ہو گئے جنہیں غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں[5]"۔

(۲۸) "یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے

---

(۱)۔(خلافت وملوکیت ۔۔۔۔ص ۱۷۴، تحت خلافت اور ملوکیت کا فرق بعنوان حضرت معاویہ ﷺ کے عہد میں)

(۲)۔(ایضاً)

(۳)۔(خلافت وملوکیت ۔۔۔۔ص ۱۷۵، خلافت ملوکیت کا فرق بعنوان حضرت معاویہ ﷺ کے عہد میں)

(۴)۔(خلافت وملوکیت ۔۔۔۔ص ۱۷۵، خلافت ملوکیت کا فرق بعنوان حضرت معاویہ ﷺ کے عہد میں)

(۵)۔(خلافت وملوکیت ۔۔۔۔ص ۱۴۴، خلافت راشدہ سے ملوکیت تک، بعنوان چھٹا مرحلہ)

بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا اور دونوں صاحبوں (حضرت مغیرہ بن شعبہؓ اور حضرت معاویہؓ) نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اس طرح اُمتِ محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں[۱]"۔

(۲۹) "حضرت علیؓ نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک کے عہدے دے دیے، درآنحالیکہ قتلِ عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم تھا۔ حضرتِ علیؓ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں[۲]"۔

(۳۰) "وہ (حضرتِ عائشہؓ اور حضرتِ حفصہؓ) نبی کریمؐ کے مقابلہ میں کچھ زیادہ جری ہوگئی تھیں اور حضور سے زبان درازی کرنے لگی تھیں[۳]"۔

---

(۳۱) "تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا، قریب تھا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ اس منصب پر فائز ہو جاتے مگر وہ کامیاب نہ ہوئے[۴]"۔

(۳۲) "امامِ غزالیؒ کے تنقیدی کام میں علمی وفکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوئے، دوسری قسم ان نقائص کی جو ان کے ذہن پر عقلیات کے غلبے کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم ان نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے[۵]"۔

---

(۱)۔ (خلافت وملوکیت.....ص ۱۵۰، خلافت راشدہ سے ملوکیت تک بعنوان آخری مرحلہ)
(۲)۔ (خلافت وملوکیت.....ص ۱۴۶، خلافت راشدہ سے ملوکیت تک، بعنوان چھٹا مرحلہ)
(۳)۔ (ہفت روزہ ایشیا، لاہور.....۱۹ نومبر ۱۹۶۷ء بحوالہ اختلاف امت اور صراط مستقیم.....ص ۱۳۴)
(۴)۔ (تجدید واحیائے دین.....ص ۲۱)
(۵)۔ (تجدید واحیائے دین.....ص ۴۰۵ تحت امام غزالیؒ)

(۳۳) ''امام ابوحنیفہؒ کی فقہ میں آپ بکثرت ایسے مسائل دیکھتے ہیں جو مُرسل اور معضل اور منقطع احادیث پر مبنی ہیں۔ جن میں ایک قوی الاسناد حدیث کو چھوڑ کر ایک ضعیف الاسناد حدیث کو قبول کیا گیا ہے یا جن میں احادیث کچھ کہتی ہیں اور امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کچھ کہتے ہیں۔ یہی حال امام مالکؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ کا حال بھی اس سے زیادہ کچھ مختلف نہیں [۱]''۔

(۳۴) ''پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے وقت سے شاہ (ولی اللہؒ) صاحب اور ان کے خلفاء تک کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے تصوّف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور پھر ان کو وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی [۲]''۔

(۳۵) ''اسی طرح یہ قالب (تصوّف) بھی مباح ہونے کے باوجود اس بنا پر قطعی چھوڑ دینے کے قابل ہوگیا ہے کہ اس کے لباس میں مسلمانوں کو ''افیون کا چسکہ'' لگایا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی مزمن مریضوں کو ''چنیا بیگم'' یاد آجاتی ہے جو صدیوں تک ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہے [۳]''۔

(۳۶) ''مسلمانوں کے اس مرض سے نہ حضرت مجدد صاحب ناواقف تھے نہ شاہ (ولی اللہ) صاحب۔ دونوں کے کلام میں اس پر تنقید موجود ہے مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انہیں پورا اندازہ نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہوچکی ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر سے پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا [۴]''۔

(۳۷) ''اگرچہ مولانا اسماعیلؒ شہیدؒ نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر

---

(۱)۔(تفہیمات.....)

(۲) ۔ تجدید واحیائے دین.....ص ۷۳ تحت سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسمٰعیل شہید، پہلا سبب)

(۳)۔(ایضاً.....ص ۷۴ تحت پہلا سبب)

(۴)۔(ایضاً.....ص ۱۳۲ تحت پہلا سبب)

ٹھیک وہی روش اختیار کی جو ابن تیمیہ[1] نے کی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے لٹریچر میں تو یہ سامان موجود ہی تھا جس کا کچھ اثر شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریروں میں بھی باقی رہا اور پیری مریدی کا سلسلہ سید صاحبؒ کی تحریک میں چل رہا تھا۔ اس لیے ''مرضِ صوفیت'' کے جراثیم سے یہ تحریک پاک نہ رہ سکی[2]''۔

(۳۸) ''قرآن کے لیے کسی تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر کافی ہے جس نے قرآن کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا ہو اور جو جدید طرز پر قرآن پڑھانے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو[3] ''۔

(۳۹) ''اُصولِ روایت کو تو چھوڑیے، اس دورِ تجدید میں ''اگلے وقتوں کی بکواس'' کون سنتا ہے[4]''۔

(۴۰) ''قیامت کے روز حق تعالیٰ کے سامنے ان گناہگاروں کے ساتھ ساتھ ان کے دینی پیشوا بھی پکڑے ہوئے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ کیا ہم نے تم کو علم و عقل سے اس لیے سرفراز کیا تھا کہ تم اس سے کام نہ لو۔ کیا ہماری کتاب اور ہمارے نبی کی سُنّت تمہارے پاس اس لیے تھی کہ تم اس کو لیے بیٹھے رہو اور مسلمان گمراہی میں مبتلا ہوتے رہیں۔ ہم نے اپنے دین کو یُسر بنایا تھا تم کو کیا حق تھا کہ اسے عُسر بنا دو، ہم نے قرآن اور محمد ﷺ کی پیروی کا حکم دیا تھا تم پر یہ کس نے فرض کیا تھا کہ ان دونوں سے بڑھ کر اپنے اسلاف کی پیروی کرو۔ ہم نے ہر مشکل کا علاج قرآن میں رکھا تھا۔ تم سے یہ کس نے کہا کہ قرآن کو ہاتھ نہ لگاؤ اور اپنے لیے انسانوں کی لکھی ہوئی

---

(۱)- یہ نہ سمجھا جائے کہ مودودی صاحب کے قلم نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو بخش دیا ہے ہر گز نہیں، ابن تیمیہؒ کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں: ''تاہم یہ واقعہ ہے کہ وہ (ابن تیمیہؒ) کوئی ایسی سیاسی تحریک نہ اٹھا سکے جس سے نظام حکومت میں انقلاب برپا ہوتا اور اقتدار کی کنجیاں جاہلیت کے قبضہ سے نکل کر اسلام کے ہاتھ میں آ جاتیں''۔ (تجدید و احیائے دین ص۸۲)

(۲)- (ایضاً ص۱۲۲ تحت پہلا سبب)

(۳)- (تنقیحات ص۱۹۳ تحت مسلمانوں کے لئے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحہ عمل)

(۴)- (ترجمان القرآن ج۱۲ عدد۲ ص۱۱۱، بحوالہ احسن الفتاویٰ ج۱ ص۳۱۳)

کتابوں کو کافی سمجھو اس باز پرس کے جواب میں امید نہیں کہ کسی عالم دین کو کنز الدقائق اور ہدایہ اور عالمگیری کے مصنفین کے دامنوں میں پناہ مل جائے گی۔ البتہ جہلاء کو یہ جواب دہی کرنے کا موقع ضرور مل جائے گا کہ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلا ○ رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا (ترجمہ: اے رب ہمارے! ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہِ راست سے بے راہ کر دیا۔ اے رب! ان کو دہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر.... ترجمہ مودودی صاحب)[1]۔

ہم نے جناب مودودی کے ''دریائے تحقیق'' سے ''تنقیدی گوہروں'' کے چند نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ جسے انہوں نے بخیالِ خویش خدا کے بتائے ہوئے ''معیار'' پر جانچنے اور پرکھنے کے بعد ''جذبات سے مغلوب'' ہوئے بغیر اور ''اپنے دامن کو داغوں سے محفوظ'' رکھتے ہوئے اور ''عین حق'' سمجھتے ہوئے سپردِ قلم فرمایا ہے۔ ان تنقیدات پر اعتماد کے بعد سادہ لوح اور عام تعلیم یافتہ مسلمان (جس نے اسلام کی فکری و علمی اور اصلاحی و تجدیدی تاریخ کا عمیق اور مبصرانہ نگاہوں سے مطالعہ نہ کیا ہو) کے ذہن میں دین اور اسلام کا کیا نقشہ ابھرتا ہے اور حضراتِ انبیاء کرام، صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین سے اس کا تعلق کتنا اور کہاں تک برقرار رہتا ہے، ہمارے خیال میں ان تنقیدات پر اعتماد کے بعد وہ اسلام کی قطعیت و ابدیت اور اس کی تاریخ اصلاح و تجدید کے تسلسل کے حوالہ سے بے پناہ احساسِ کہتری اور شکست خوردگی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسے اُمت کی تاریخ میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی کے واقعات محض خوش اعتقادی بلکہ مہمل افسانہ معلوم ہوتے ہیں، کیا ''اقامتِ دین'' ــــــ ''تجدیدِ دین'' اور ''احیائے دین و ملت'' اسی کا نام ہے؟

اس مقام پر مودودی صاحب کا ایک حوالہ اور ملاحظہ فرمایئے۔ جسے ہم پوری اُمتِ مسلمہ پر ''تبرے'' کے مترادف سمجھتے ہیں اور یہ حوالہ مودودی صاحب کی خودرائی اور اعجاب بالنفس کا منہ بولتا ثبوت ہے، لکھتے ہیں:

---

(۱)۔ (حقوق الزوجین... ص ۹۸ تحت قضاء شرعی کے متعلق چند اصولی مباحث)

"اور یہی جہالت ہم ایک نہایت قلیل جماعت (یعنی جماعتِ اسلامی ... ناقل) کے سوا مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں میں عام دیکھ رہے ہیں۔ خواہ وہ ان پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات۔ ان سب کے طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں۔ مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں[1]"۔

اب اس سے بڑھ کر ایک خطرناک اور فتنہ انگیز دعویٰ ملاحظہ فرمایئے کہ جماعتِ اسلامی اور جناب مودودی صاحب کی دعوت کو قبول نہ کرنے والے مسلمانوں کی پوزیشن وہی ہے جو "یہودی قوم" کی تھی:

"اس موقع پر ایک بات نہایت صفائی کے ساتھ کہہ دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس قسم کی ایک دعوت کا جیسی کہ ہماری دعوت ہے کسی مسلمان قوم کے اندر اٹھنا اس کو ایک بڑی سخت آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جب حق کے بعض منتشر اجزاء باطل کی آمیزش کے ساتھ سامنے آتے رہیں، ایک مسلمان قوم کے لیے ان کو قبول نہ کرنے اور ان کا ساتھ نہ دینے کا ایک معقول سبب موجود رہتا ہے اور اس کا عذر مقبول ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب پورا حق بالکل بے نقاب ہو کر اپنی خالص صورت میں سامنے رکھ دیا جائے اور اس کی طرف اسلام کا دعویٰ رکھنے والی قوم کو دعوت دی جائے تو اس کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ یا تو اس کا ساتھ دے اور اس خدمت کو انجام دینے کے لیے اٹھ کھڑی ہو جو امتِ مسلمہ کی پیدائش کی ایک ہی غرض ہے یا نہیں تو اسے رد کر کے وہی پوزیشن اختیار کرے جو اس سے پہلے یہودی قوم اختیار کر چکی ہے، ایسی صورت میں ان دو راہوں کے سوا کسی تیسری راہ کی گنجائش اس قوم کے لیے باقی نہیں رہتی ..... اب چونکہ یہ دعوت ہندوستان میں اٹھ چکی ہے اس لیے کم از کم ہندی

---

(۱)۔(تفہیمات ج ۱ ص ۳۶ بحث اسلام ایک علمی و عقلی مذہب)

مسلمانوں کے لیے تو آزمائش کا وہ خوفناک لمحہ آ ہی گیا ہے اور رہے دوسرے ممالک کے مسلمان تو ہم ان تک اپنی دعوت پہنچانے کی تیاری کررہے ہیں۔ اگر ہمیں اس کوشش میں کامیابی ہوگئی تو جہاں جہاں یہ پہنچے گی وہاں کے مسلمان بھی اسی آزمائش میں پڑ جائیں گے[1]''۔

ف: اندازہ لگائیے کہ کس قدر خطرناک دعویٰ ہے اس دعویٰ کی حیثیت بالکل وہی ہے جو انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے دعاوی کی ہوتی ہے، نبی ورسول کے علاوہ کسی منہجی، دینی یا مجدد کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ وہ اس کی دعوت قبول نہ کرنے والوں کو''یہودی'' قرار دے۔

ہم اس مقام پر مرشدی و مولائی حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ (م ۱۴۲۱ھ) کا ایک بصیرت وحقیقت افروز تبصرہ وتجزیہ نقل کرتے ہیں جو مودودی صاحب کی پوری زندگی اور ان کے افکار کا مکمل احاطہ کرتا ہے:

''قرآن کریم، سنتِ نبوی، خلفائے راشدین کی سنت (جو اجماعِ اُمت کی اصل بنیاد ہے) کے بارے میں مولانا مودودی کے ان نظریات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اصولِ دین اور شریعتِ اسلامیہ کے ماخذ کے بارے میں ان کا ذہن کس قدر الجھا ہوا ہے۔ باقی رہا اجتہاد! تو مولانا اپنے سوا کسی کے اجتہاد کو لائقِ اعتماد نہیں جانتے۔ اس لیے ان کی دین فہمی کا مدار خود ان کی عقل وفہم اور صلاحیتِ اجتہاد پر ہے۔

ان چند نکات سے مولانا مودودی کے دینی تفکر اور ان کے زاویۂ نظر کو سمجھا جاسکتا ہے۔ ورنہ جیسا کہ پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ان کی غلط فہمیوں یا خوش فہمیوں کی فہرست طویل ہے، میرے نزدیک مولانا مودودی کا شمار ان اہلِ حق میں نہیں جو سلفِ صالحین کا تتبع اور مسلک اہلِ سنت کی پیروی کرتے ہیں بلکہ انھوں نے اپنی عقل وفہم سے دین کا جو تصور قائم کیا ہے وہ اسی کو حق سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ سلفِ صالحین سے کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو، مولانا کے دینی تفکر میں تجدد کے بڑے بڑے اسباب میرے نزدیک حسب ذیل ہیں:

(۱)۔ (روداد جماعتِ اسلامی ... حصہ دوم ص ۱۷۔۱۸)

اوّل: انھوں نے دین کو کسی سے پڑھا اور سیکھا نہیں، بلکہ اسے بطورِ خود سمجھا ہے اور شاید مولانا کے نزدیک دین کسی سے سیکھنے اور پڑھنے کی چیز بھی نہیں ہے۔ ان کے خیال میں ہر لکھا پڑھا آدمی اپنے ذاتی مطالعہ سے خود ہی دین سیکھ سکتا ہے۔

دوم: ناپختہ عمری میں مولانا کو بعض ملاحدہ سے صحبت رہی۔ جس نے ان کی شخصیت کی تعمیر میں مؤثر کردار ادا کیا خود مولانا اپنی کہانی اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ڈیڑھ سال کے تجربات نے یہ سبق سکھایا کہ دنیا میں عزت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہونا ضروری ہے۔ استقلال کے لیے جدّ و جہد کے بغیر چارہ نہیں فطرت نے تحریر و انشا کا ملکہ ودیعت فرمایا تھا۔ عام مطالعہ سے اس کو اور تحریک ہوئی اسی زمانہ میں جناب نیاز فتح پوری سے دوستانہ تعلقات ہوئے اور ان کی صحبت بھی وجہ تحریک بنی......غرض ان تمام وجوہ سے یہی فیصلہ کیا کہ قلم ہی کو وسیلۂ معاش قرار دینا چاہیے''۔

(مولانا مودودی ص ۲۷ اسعد گیلانی)

سوم: دنیا کی ذہین ترین شخصیتوں کو عموماً یہ حادثہ پیش آیا ہے کہ اگر ان کی صحیح تہذیب و تربیت نہ ہو پائے تو وہ اپنا راستہ خود تلاش کرتی ہیں اور اپنے آپ کو اتنی قد آور اور بلند و بالا سمجھنے لگتی ہیں کہ باقی سب دنیا انہیں پستہ قد نظر آتی ہے۔ یہی حادثہ مولانا مودودی کو بھی پیش آیا۔ حق تعالیٰ نے ان کو بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے انھوں نے دل کا کام بھی دماغ سے لیا اور خوش فہمی کی اتنی بلندی پر پہنچ گئے کہ تمام اکابرِ امت انہیں بالشتیے نظر آنے لگے اور انہوں نے یہ محسوس کیا کہ دین کا جو فہم ان کو عطا ہوا ہے وہ ان سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوا تھا۔ یہی خوش فہمی ان کی خودرائی اور اعجاب بالنفس کا ذریعہ بن گئی۔

چہارم: ان کے ذہن پر دورِ جدید کا کچھ ایسا رعب چھایا کہ انہیں دینِ اسلام کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنا مشکل نظر آیا۔ اس لیے اُنھوں نے اس کی اصلاح و ترمیم کر کے دورِ جدید کے اذہان کو مطمئن کرنا ضروری سمجھا، خواہ اسلام کی ہیئت ہی کیوں نہ بدل جائے ..... جیسا کہ آج ''جمہوریت'' دنیا کے دماغ پر ایسی چھائی ہوئی ہے کہ لوگ کوشش کر کے اسلام کے نظامِ حکومت کو جمہوریت پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پنجم: ان تمام اُمور کے ساتھ جب ان کے زورِ قلم اور شوخیٔ تحریر کی آمیزش ہوئی تو اُنھیں اکابرِ اُمت کے حق میں حدِ ادب عبور کرنے پر آمادہ کیا اور اس بے ادبی کی نحوست ان کی ساری تحریر پر غالب آ گئی۔

کاش! مولانا مودودی جیسے ذہین و فطین آدمی کی صحیح تربیت ہوئی ہوتی تو ان کا وجود اُمت کے لیے باعثِ برکت اور اسلام کے لیے لائقِ فخر ہوتا۔

غنیؔ روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را (۱)

چونکہ پیر نصیر صاحب کے نزدیک ''مودودی صاحب کی بعض دینی خدمات کو نظر انداز کرنا محض فرقہ پرستی ہوگی (۲)'' ..... لہٰذا ہم نے مودودی صاحب کی ''دینی خدمات'' کو مودودی صاحب ہی کی کتابوں سے بطور ''مشتے نمونہ از خروارے'' نقل کر دیا ہے اور جناب کو دعوتِ انصاف دیتے ہیں کہ کیا مودودی صاحب کی یہی ''دینی خدمات'' ہیں جن کو نظر انداز کرنا محض فرقہ پرستی ہوگی، یاد رہے کہ یہ حوالہ جات ''مودودی دریائے فیض'' سے صرف چند قطرے ہیں۔

ہم مُصنفِ نام و نسب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ جناب مودودی کی ان عبارات کو بھی نام و نسب کے آئندہ ایڈیشن میں ضرور درج فرمایئے گا اور آخر میں یہ لکھنا ہرگز نہ بھولیے گا:

''......ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون نہ کرے''۔

---

(۱)۔ (اختلافِ اُمت اور صراطِ مستقیم ... ص ۱۸۹۔۱۹۱، بعنوان مولانا مودودی)

(۲)۔ (نام و نسب ..... ص ۵۳۴)

کیا مودودی صاحب دیوبندی تھے؟

مُصنّفِ نام ونسب تحریر کرتے ہیں:

"مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم جن سے ہمیں کئی مسائل میں اختلاف ہے اور پھر وہ ہمارے مسلک کے بھی نہیں ..... سچ تو یہ ہے کہ مولانا مودودی مرحوم بنیادی طور پر دیوبندی یا وہابی تھے[۱]"۔

الجواب: ہمیں مُصنّفِ نام ونسب کی دیانت پر تعجب ہے کہ کس دھڑلے سے انہوں نے مودودی صاحب کو "دیوبندی" قرار دے دیا ہے اور مودودی صاحب کی مذکورہ تحریر کردہ تمام تر باتوں کو "دیوبندیت" کے کھاتے میں ڈال دیا ہے..... مودودی صاحب نے انبیائے کرام، صحابۂ کرام اور سلفِ صالحین پر تنقید و افترا کو جس طرح اپنی حیات کا مشن بنالیا تھا، اس کی جتنی تردید حضراتِ علمائے دیوبند رحمہم اللہ نے کی ہے شاید کسی مکتبِ فکر کو اس کے عشرِ عشیر کی بھی توفیق نہ مل سکی ہو..... علمائے دیوبند نے بالمشافہ مودودی صاحب سے مل کر ان کی کوتاہیوں پر انہیں متنبہ کیا، تقاریر کے ذریعہ، کتابوں کے ذریعہ ان کے مسموم و مذموم عقائد کی تشہیر سے عوام الناس کو محفوظ و مامون رکھنے کی کوشش کی، اس سلسلے میں اپنی کتابوں کے حوالہ جات نقل کرنے کے بجائے مُصنّفِ نام ونسب ہی کے دو ہم مسلک اور ذمہ دار علماء کے حوالہ جات پیش کردیتا ہوں:

(۱) جناب مولوی ارشد القادری صاحب لکھتے ہیں:

"علمائے دیوبند جماعتِ اسلامی کے نظامِ فکر وعمل کو باطل اور دین و ملت کے لیے مہلک سمجھتے ہیں[۲]"۔

(۲) جناب مولوی مشتاق احمد نظامی نے اپنی کتاب "جماعتِ اسلامی کا شیش محل" میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، مفکرِ اسلام

---

(۱)۔(نام ونسب.....ص ۵۳۴)

(۲)۔(جماعتِ اسلامی.....ص ۸-۷، تحت جماعتِ اسلامی علمائے دیوبند کی نظر میں)

حضرت مولانا شمس الحق افغانی، خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہم اللہ کے بیانات سے مودودی صاحب کے افکار وعقائد کے باطل ہونے پر استدلال کیا ہے [1]۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ علمائے دیوبند مسائلِ منصوصہ متعارضہ اور مسائلِ غیر منصوصہ میں سیّدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلّد ہیں اور ٹھیٹھ حنفی ہیں۔ بلکہ میں پوری ذمہ داری اور دیانت کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آج پوری دنیا میں عموماً اور برصغیر میں خصوصاً حنفیت کا وجود ہی علمائے دیوبند کے دم قدم سے ہے۔ ہم انشاء اللہ کسی موقع پر حضرتِ امامِ اعظم رحمہ اللہ کے فضائل و مناقب، ان کے دفاع اور ان کی فقہ کی ترویج وتشہیر کے سلسلہ میں علمائے دیوبند کی خدمات کو تفصیل سے بیان کریں گے اور یہ بتلائیں گے کہ ہمارے مخالفین جو صرف ''مدّعیِ حنفیت'' ہیں ان کا دامن ان تمام تر خدمات واعزازات سے بالکل خالی ہے، ہاں! تو بات ہو رہی تھی تقلید کی کہ علمائے دیوبند مقلّد ہیں...... جبکہ تقلید کے بارے میں مودودی صاحب کا بیان ملاحظہ ہو:

''میرے نزدیک صاحبِ علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے [2]''۔

تقلید کے بارے میں مودودی صاحب کا بیان آپ نے ملاحظہ فرمایا، اب ذرا اس سے بڑھ کر فتویٰ ملاحظہ ہو:

''حنفی، سنی، دیوبندی، اہلحدیث، بریلوی، شیعہ وغیرہ جہالت کی پیداوار ہیں [3]''۔

نیز:

''میں نہ مسلکِ اہلحدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں [4]''۔

---

(۱)۔(جماعتِ اسلامی کا شیش محل......ص ۵-۸، تحت چند رائیں)

(۲)۔(رسائل ومسائل......ج ۱ص ۲۴۴ تحت ۱۵۵، خلافیات، تحت کیا ایک فقہی مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب الخ)

(۳)۔(ملخص خطبات مودودی......ص ۱۲۸، فرقہ بندی کے نقصانات)

(۴)۔(رسائل ومسائل......ج ۱ص ۲۳۵، ۱۴۹، خلافیات، تحت تقلید وعدم تقلید)

ان تمام تصریحات کے بعد مودودی صاحب کو "حنفی" اور "دیوبندی" سمجھنا اور بلا تحقیق اسے کتاب میں لکھ دینا نری خیانت یا عدم واقفیت نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک مقام پر خود مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"ہمارا ایمان ہے کہ اس (مودودی......ناقل) دعوت اور طریقِ کار کے علاوہ دوسری تمام دعوتیں اور طریقہ ہائے کار سراسر باطل ہیں[1]"۔

دراصل مودودی صاحب ذہنی اور فکری طور پر خودرائی اور غیر مقلدیت کا شکار تھے اور اسی لیے چودہ صدیوں میں انہیں اپنے سوا کوئی حق پر نظر نہ آیا......[2]

مودودی، نصیری مماثلت:

ہاں! مصنف نام ونسب ضرور فکری طور پر نہ صرف مودودی صاحب کے ہم مسلک و مشرب ہیں بلکہ مودودی افکارات وخیالات کے پرزور داعی ومناد بھی ہیں...... حتیٰ کہ ان کی تحریروں تک میں مودودی مماثلت پائی جاتی ہے...... چند مقامات ملاحظہ ہوں:

(۱) مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید علی میاں ندوی رحمہ اللہ نے جب مودودی افکار پر مخلصانہ تنقید کرتے ہوئے ایک رسالہ "عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح" تالیف فرمایا تو مودودی صاحب نے اس کی موصولی پر حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کو لکھا:

"میں نے کبھی اپنے کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھا، نہ میں اس پر برا مانتا ہوں

---

(۱)۔(ترجمان القرآن......ج ۲۶ عدد ۳ ص ۱۱۱)

(۲)۔ مودودی عقائد کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے درج ذیل کتب کی طرف رجوع فرمائیں:

- مودودی مذہب: از قائدِ اہلِ سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی رحمہ اللہ
- علمی محاسبہ: از قائدِ اہلِ سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی رحمہ اللہ۔
- الاستاذ المودودی: از محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ
- فتنۂ مودودیت: از ریحانۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری رحمہ اللہ
- مودودی صاحب کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف: از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ
- مودودی صاحب اور تخریب اسلام: از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ
- اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم: از حکیم العصر حضرت سیدی مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ

البتہ یہ ضروری نہیں کہ میں ہر تنقید کو برحق مان لوں اور ناقدین کے بیان کردہ خدشات اور اندیشوں کو صحیح تسلیم کرلوں (۱)"۔

یہ تو مودودی صاحب کا کہنا تھا، اب مُصنف نام ونسب کا مودودی اتباع میں پیرایۂ بیان ملاحظہ ہو:

"آپ کے لیے ضروری نہیں کہ میرے خیالات کو آپ ہر صورت میں قبول وتسلیم ہی کریں اور پھر جو کچھ آپ ارشاد فرمائیں وہ اندھوں اور بہروں کی طرح میں تسلیم کرلوں (۲)"۔

(۲) مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ کو بُرا بھلا کہنے والا میرے نزدیک فاسق ہی نہیں بلکہ اس کا ایمان بھی مشتبہ ہے۔ من ابغضهم فببغضي ابغضهم (۳)"۔

لیکن خود اپنی ہی تصریح کے برعکس مودودی صاحب نے صحابۂ کرام ﷺ کو صاف صاف بُرا بھلا کہا ہے، اسی طرح مُصنف نام ونسب نے حضرت معاویہ ﷺ پر تبرّا وتنقید کرنے کے بعد لکھا ہے:

"ان سب کے باوجود جناب معاویہؓ کو دائرۂ صحابیت سے خارج کرنا یا دوراز کار تاویلات اور فضول تشریحات سے کافر ومشرک ثابت کرنا نہ صرف گناہِ عظیم بلکہ میرے خیال کے مطابق توہینِ صحابیتِ رسولِ کریم ﷺ بھی ہے اور آنحضرت ﷺ کی ہتک خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ازخود موجبِ کفر و الحاد ہے (۴)"۔

(۳) مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن وسُنّت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس لیے میں کبھی یہ معلوم کرنے

---

(۱)۔(پرانے چراغ......ج ۲ ص ۳۱۷ تحت مضمون مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی)

(۲)۔(نام ونسب......ص ۵۴۰)

(۳)۔(ترجمان القرآن......اگست ۱۹۶۱ء)

(۴)۔(نام ونسب......ص ۵۱۹)

کے لیے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے، یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے کیا کہا[1]''۔

یہی بات ذرا دوسرے انداز سے مُصنّف نام ونسب کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''اگر کوئی صاحب (مجھ سے) یہ فرمائیں کہ اب آپ چودہ سو سال بعد نئی تحقیق کرکے کیا گُل کھلائیں گے، آخر اکابرِ اُمّت کو بھی تو یہ سب کچھ معلوم تھا، اُنھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ تو جواباً عرض ہے کہ ہم اکابرِ اُمّت کو صرف اس لیے بہ نگاہِ احترام دیکھتے ہیں کہ انہوں نے قرآن وحدیث کی خدمت کی، ان کے معارف وحقائق سے لوگوں کو آگاہ کیا اور اشاعتِ دین کا فریضہ انجام دیا، اگر اسلامی نسبت کو اکابرِ اُمّت سے ہٹا دیا جائے تو ان کی حیثیت تو عام انسانوں کی سی رہ جاتی ہے، میرا ذہن اس اندازِ تقلید کا حامی نہیں، اللہ نے جب عقل وشعور کے ساتھ کچھ نہ کچھ ''علم'' بھی عطا فرمایا ہے تو قرآن میں خود تدبّر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جیسا کہ کئی آیات میں اس کا صریح حکم موجود ہے، ہاں ہمیں مفسّرینِ سلف اور محدّثینِ گزشتہ کی خدمات اور ان کی علمیّت کا ضرور اعتراف ہے[2]۔ ہم ان اربابِ علم کی تشریحات کا ضرور مطالعہ کریں گے، مگر اس کے ساتھ متنِ قرآن کو خود بھی دیکھیں گے، کسی مفسّر اور محدّث سے کسی مسئلہ

---

(۱)-(ترجمان القرآن...... مارچ تا جون ۴۵ء ص۴۵ بحوالہ روئیدادِ اجتماع جماعت اسلامی حصہ۳ ص۳۷)

(۲)-ایک مقام پر مودودی صاحب لکھتے ہیں:

''محدّثین رحمہم اللہ کی خدمات مُسلّم، یہ بھی مُسلّم کہ نقدِ حدیث کیلئے جو مواد اُنھوں نے فراہم کیا ہے وہ صدرِ اوّل کے اخبار وآثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے، کلام اس امر میں ہے کہ کلیۃً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟ وہ بہر حال تھے تو انسان ہی، انسانی علم کے لیے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرّر کر رکھی ہیں ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے تھے، انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر پایا جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے، پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جس کو وہ صحیح قرار دیں وہ حقیقت میں بھی صحیح ہے''۔

(تفہیمات...... ص۲۹۲ تحت مسلک اعتدال)

پر بر بنائے دلائل اختلاف رکھنا کوئی کفر تو نہیں، جیسا کہ آج کل کے بعض تنگ نظر اور قدامت پرست علماء ایسا کرنے پر بُری طرح بدک اٹھتے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں، وہ ہم ہی جیسے انسان تھے، کوئی مافوق البشر قسم کی مخلوق تو نہ تھے[1]"۔

مودودی نصیری مماثلت کے حوالے سے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی گنجایش ابھی باقی ہے، لیکن طوالت کا خوف مانع ہے اور ناظرین کے اکتا جانے کا بھی خیال ہے، لہٰذا اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ہم مودودی نُصیری مماثلت کا بیان یہیں ختم کر کے اگلے مسئلہ کی طرف نظر کرتے ہیں۔

---

(۱)-(نام ونسب......ص۵۳۹)

سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کا اِلزام

مُصنفِ نام ونسب بعنوان ''جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس نے دیا؟'' کے تحت لکھتے ہیں:

''رہا مسئلہ جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کو زہر کس نے دیا تو تاریخی اعتبار سے ایک واضح بات ہے کہ اُنھیں (ان کی بیوی...... ناقل) جعدہ نے زہر دیا، مگر اب سوال یہ کیا جاتا ہے کہ کیا یہ جعدہ کا ذاتی فعل تھا اور پھر جعدہ کو جنابِ حسن رضی اللہ عنہ سے ایسا کیا اختلاف یا دشمنی تھی جس کی بنا پر اس نے یہ حرکت کی، یا اس زہر خورانی کے پیچھے کسی اور کا ہاتھ تھا، اگر تھا تو کس کا؟ عام طور پر ہمارے واعظین منبر پر جو کچھ بیان کرتے ہیں، بعض اوقات ان میں اور تاریخی حقائق وشواہد میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے[1]''۔

پھر لکھتے ہیں:

''بہر حال ہم اپنی طرف سے اس موضوع پر کچھ نہیں کہتے، درج ذیل ''مستند تاریخی دستاویزات'' کا مطالعہ کر لیا جائے، حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی ملاحظہ کیجیے:

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۳ (۲) تاریخِ طبری ج ۴ ص ۲۰۲
(۳) ابنِ عساکر ج ۴ ص ۲۰۲ (۴) سرّ الشہادتین ص ۴
(۵) تاریخِ ابنِ اثیر ج ۳ ص ۲۲۸ (۶) تاریخِ خمیس ج ۲ ص ۲۹۲
(۷) شواہد النبوۃ ص ۱۷۳ (۸) الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۳۷۵
(۹) حیاۃ الحیوان ج ۱ ص ۵۴ (۱۰) مُروج الذہب ج ۲ ص ۳۰۳
(۱۱) تحفۃ العقول ص ۲۹۱ (۱۲) الاستیعاب ج ۱ ص ۳۷۴

اگرچہ اس اعتراض میں مصنفِ موصوف نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی صراحت نہیں

(۱)۔ (نام ونسب......ص ۵۳۸)

فرمائی، مگر سابقہ خامہ فرسائیوں کے پیشِ نظر اس بات کے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جناب نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی کا الزام حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ ہی پر عائد کر کے آپ کو، قاتلِ حسن رضی اللہ عنہ بنا دیا ہے، نعوذ باللہ، لیکن حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے نامِ نامی کو ''ردائے تقیہ'' میں مستور رکھا ہے۔

آیئے! اب ہم نمبروار کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں کہ آیا جن کتب کے حوالہ جات (بقیدِ جلد وصفحہ) مُصنّف نے دیے ہیں، ان کے مصنّفین بھی سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی کے الزام میں متہم کرتے ہیں یا نہیں۔

(۱) البدایہ والنہایہ: ہم جب مُصنّف کے لکھے کے بموجب البدایہ والنہایہ کھولتے ہیں تو اس کے اسی صفحہ پر (جس کا مُصنّف نے حوالہ دیا ہے) ہمیں یہ عبارت ملتی ہے:

وعندی أن هذا لیس بصحیح ، وعدم صحته عن أبیه معاویة بطریق الأولیٰ [۱].

''میرے نزدیک تو یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ یزید نے سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر شہید کر دیا ہے لہٰذا اس کے والدِ ماجد سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ گمان کرنا تو بطریقِ اولیٰ غلط ہے''۔

(۲) تاریخِ طبری: تاریخ ابنِ جریر الطبری میں سرسری تلاش سے ہمیں یہ حوالہ نہیں ملا۔ محقق العصر حضرتِ مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ العالی کی تحقیق کے مطابق تاریخ ابنِ جریر میں زہر خورانی کے واقعہ کا ذکر تک نہیں پایا گیا [۲]، اور معروف ندوی مؤرخ حضرت مولانا شاہ معین الدین صاحب ندوی مرحوم کی تحقیق بھی یہی ہے، آپ لکھتے ہیں:

''یہ واقعہ مجھے طبری میں باوجود تلاش کے کہیں نہیں ملا [۳]''۔

اگر مُصنّفِ نام ونسب تاریخ طبری سے باسند کوئی حوالہ پیش کر دیں تو بشرطِ صحت اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

(۳) تاریخِ ابنِ عساکر: تہذیب تاریخِ ابنِ عساکر میں یہ واقعہ بے سند مذکور

---

(۱)۔(البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۴۳، سنۃ ۴۹ھ، تحت ذکر من توفی ھذہ السنۃ من الأعیان الحسن بن علی رضی اللہ عنہما)

(۲)۔(سیرت معاویہ......ج ۲ ص ۲۰۱ تحت زہر خورانی کا طعن الخ)

(۳)۔(سیر الصحابہ......ج ۶ ص ۱۰۲ تحت حضرت حسن کی زہر خورانی اور اس کی تحقیق)

ہے، تاریخِ مدینہ دمشق میں حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ (م ۵۷۱ھ) نے اس واقعہ کو باسند ذکر کیا ہے، پورا حوالہ سند کے ساتھ ملاحظہ ہو:

قال: وأنا محمد بن سعد، أنا محمد بن عمر، نا عبد الله بن جعفر، عن عبد الله بن حسن ...... وقد سمعت بعض من يقول كان معاوية قد تلطف لبعض خدمه أن يسقيه سما [1].

الجواب: اس واقعہ کو نقل کرنے والا محمد بن عمر الواقدی ہے اور واقدی نے جہاں دیگر بے اصل اور متروک روایات گھڑی ہیں وہاں یہ روایت بھی واقدی ہی کی مرہونِ کرم ہے، علمائے رجال نے واقدی پر بہت سخت تنقیدات کی ہیں، بقدرِ ضرورت چند حوالہ جات حاضرِ خدمت ہیں:

(۱) امام بخاریؒ اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں۔

(۲) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ واقدی کذاب ہونے کے ساتھ ساتھ احادیث میں تبدیلیاں بھی کرتا تھا۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام کتابیں دروغِ محض ہیں۔

(۴) یحییٰ بن معینؒ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

(۵) امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے والے چار کذاب مشہور ہیں جس میں پہلا واقدی مدینہ کا رہنے والا ہے [2]"۔

قدیم مؤرخ ابنِ ندیم واقدی کے متعلق لکھتا ہے:

وكان يتشيع، حسن المذهب، يلزم التقية. وهو الذي روى ان علياً عليه السلام كان من معجزات النبي ﷺ كالعصاء لموسىٰ و إحيا الموتىٰ لعيسىٰ وغير ذلك من الاخبار [3].

"واقدی اچھے مذہب والا شیعہ بزرگ تھا، اور تقیہ کو لازم جانتا تھا، یہ وہ

---

(۱)۔ (تاریخ مدینۃ دمشق......ج ۱۳ ص ۲۸۳۔۲۸۴ تحت الحسن بن علی بن ابی طالب)

(۲)۔ (* تہذیب التہذیب......ج ۷ ص ۳۴۲، ۳۴۶، حرف المیم تحت محمد بن عمر بن واقد الواقدی الاسلمی)

(* میزان الاعتدال......ج ۳ ص ۳۶۲، ۳۶۳، تحت محمد بن عمر بن واقد الاسلمی)

(۳)۔ (الفہرست لابنِ ندیم......ص ۱۱۱ تحت اخبار الواقدی)

شخص ہے جس نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے معجزات میں سے تھے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے عصا اور عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مُردوں کو زندہ کرنا نیز اس قسم کی دیگر اخبارات بھی اس نے نقل کی ہیں''۔

سو واقدی کی مذکورہ روایت ہمارے لیے کیسے حجت ہو سکتی ہے ؟

(۴) سِرّ الشہادتین: سِرّ الشہادتین میں زہر خورانی کے سلسلہ میں حضرتِ معاویہ ﷜ کا نامِ نامی موجود نہیں ہے۔

(۵) تاریخ ابنِ الاثیر الجزری: علامہ ابنِ الاثیر الجزری رحمہ اللہ نے الکامل فی التاریخ میں زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنتِ اشعث بن قیس کندی کی طرف کی ہے:

فی هذه السنة توفی الحسن ابن علی سمته زوجته جعدة بنت الاشعث بن قیس الکندی[1].

''اور اسی ۴۹ھ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے وفات پائی، ان کو ان کی بیوی جعدہ بنتِ اشعث بن قیس کندی نے زہر دیا تھا''۔

ہاں ابنِ اثیر رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح ضرور کی ہے کہ سیّدنا حسن ﷜ کی نمازِ جنازہ سیّدنا حسین ﷜ کی موجودگی میں سعید بن العاص اموی ؒ نے پڑھائی تھی جو سیّدنا معاویہ ﷜ کی طرف سے حاکمِ مدینہ تھے[2]۔

(۶) تاریخ الخمیس: مؤرخ الدیار بکری نے اپنی تاریخ میں بھی زہر خورانی کا واقعہ بیان کیا ہے اور اس کی نسبت جعدہ بنتِ اشعث کی طرف کی ہے نہ کہ سیّدنا معاویہ کی طرف، ملاحظہ فرمایئے:

ثم دخلت علیه من الغد وهو یجود بنفسه والحسین عند رأسه فقال یا أخی من تتهم قال لما أقتلته قال نعم قال: إن یکن الذی أظن فالله أشد بأساً وأشد تنکیلاً وإلا فما أحب أن یقتل بی بریٔ وفی روایة قال والله لا أقول لکممن سقانی ثم قضی ﷜ –

---

(۱)۔(الکامل لابنِ اثیر..... ج۳ص۱۸۲، السنۃ التاسعۃ والاربعین للھجرۃ تحت وفاۃ الحسن بن علی)

(۲)۔(اسد الغابہ...... ج۲ص۱۵ تحت حسن بن علی رضی اللہ عنہما)

وقدذكر يعقوب بن سفيان في تاريخه أن جعده بنت الأشعث بن قيس الكندي كانت تحت الحسن بن علي فزعموا أنها سمته [1].

" (عمرو بن اسحاق کہتا ہے کہ) میں اگلے دن پھر حضرتِ امامِ حسن ﷛ کے ہاں حاضر ہوا، اس وقت ان پر جاں کنی کا وقت آیا چاہتا تھا، سیّدنا حسین ان کے سرہانے تشریف فرما تھے، امامِ حسین ﷛ نے پوچھا بھائی! (آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ اور) آپ کو کس پر شبہ ہے؟ امامِ حسن ﷛ نے دریافت فرمایا کیوں پوچھ رہے ہو، کیا اسے قتل کرو گے؟ فرمایا ہاں! امامِ حسن ﷛ نے فرمایا اگر وہی ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو اللہ تعالیٰ زورِ جنگ میں زیادہ شدید ہیں اور سخت سزا دیتے ہیں اور اگر وہ نہیں ہے تو میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ مارا جائے اور ایک روایت میں فرمایا اللہ کی قسم میں تمہیں نہیں بتاؤں گا کہ مجھے کس نے زہر دیا پھر آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ گمان یہی ہے جعدہ بنتِ اشعث جو امامِ حسن ﷛ کے نکاح میں تھی اسی نے آپ کو زہر دیا ہے"۔

(۷) شواہد النبوۃ: شواہد النبوۃ میں بہت سی باتیں عقائدِ اہلِ سُنّت کے خلاف ہیں مثلاً (۱) بارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ [2] (۲) امامت کے منصوص من اللہ ہونے کا عقیدہ [3] (۳) امام مہدیؒ کی امام حسن عسکریؒ کے گھر پیدائش کا عقیدہ [4] (۴) حضرت علی ﷛ کے آنحضرت ﷺ کا وصی ہونے کا عقیدہ اور اس کے داخلِ کلمہ ہونے کا عقیدہ [5] سو ایسی کتاب کا کوئی حوالہ ہمارے لیے قطعاً حجت نہیں ہے۔

---

(۱)۔(تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس...... ج ۲ ص ۲۹۲-۲۹۳ تحت ذکر وفاۃ الحسن بن علی رضی اللہ عنہما)

(۲)۔(شواہد النبوۃ...... ص ۱۵۹، رکن سادس دربیان دلائل وشواہد)

(۳)۔(شواہد النبوۃ...... ص ۱۸۰، رکن سادس دربیان دلائل وشواہد)

(۴)۔(شواہد النبوۃ...... ص ۲۱۲-۲۱۳، رکن سادس دربیان دلائل وشواہد)

(۵)۔(شواہد النبوۃ...... ص ۱۶۷، رکن سادس دربیان دلائل وشواہد)

(۸) الاصابہ فی تمییز الصحابہ: حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ سیّدنا امام حسن ﷺ کے سنینِ وفات کے اختلاف کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:

ویقال انہ مات مسموما قال ابن سعد أخبرنا إسماعیل عن عمیر بن اسحاق دخلت انا وصاحب لی علی الحسن بن علی فقال لقد لفظت طائفة من کبدی وانی قد سقیت السم مراراً فلم اسق مثل ھذا فاتاہ الحسین بن علی فسألہ من سقاہ فأبی ان یخبر رحمہ اللہ[1].

''اور کہا جاتا ہے کہ سیّدنا حسنؓ نے زہر سے انتقال کیا، ابنِ سعد کی روایت ہے کہ ہمیں اسماعیل نے خبر دی کہ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں اور میرے ایک دوست سیّدنا حسنؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا میرے جگر کے کچھ ٹکڑے گر چکے ہیں اور مجھے کئی دفعہ زہر پلایا گیا ہے لیکن اس دفعہ جو زہر دیا گیا اس سے زیادہ قاتل کوئی زہر نہ تھا اس کے بعد حضرتِ حسین ﷺ اپنے بھائی حضرتِ حسن ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا آپ کو زہر کس نے دیا؟ لیکن حضرتِ حسن ﷺ نے نام نہیں بتایا، رحمہ اللہ''۔

ف: حافظ ابنِ حجرؒ کی روایت سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک یہ بات ہی مشتبہ ہے کہ حضرت حسن ﷺ کا انتقال زہر سے ہوا ہے، چنانچہ زہر کی روایت ''یقال'' کر کے لکھتے ہیں جو ضعفِ روایت کی علامت ہے۔

(۹) حیاۃ الحیوان: علامہ کمال الدین محمد بن عیسیٰ الدمیری رحمہ اللہ (م ۸۰۸ھ) نے بھی سیّدنا حسن ﷺ کی زہر خورانی کے واقعہ کی نسبت ایک خاتون ''مقدمہ بنت الاشعث'' کی طرف کی ہے ملاحظہ فرمائیے:

وکان الحسن قد سم سمتہ امرأتہ مقدمة بنت الأشعث[2].

---

(۱)- (الاصابہ......ج ۲ ص ۶۵، ۶۶، حرف الحاء، تحت الحسن بن علی بن ابی طالب)

(۲)- (حیاۃ الحیوان......ج ۱ ص ۷۳، تحت خلافۃ امیر المؤمنین حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما)

''حضرت حسن ﷜ کو زہر دیا گیا اور آپ کو زہر دینے والی مقدمہ بنت الاشعث ہے''۔

(۱۰) مُروج الذہب: صاحبِ مُروج الذہب مؤرخ ابوالحسن بغدادی (م۳۴٦ھ) شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، الکنی والالقاب [۱]، اعیان الشیعہ [۲] اور تنقیح المقال [۳] میں بحیثیتِ شیعہ ان کا ذکر موجود ہے...... لیکن انہوں نے بھی اپنی تاریخ مُروج الذہب میں زہر خورانی کا تو ذکر کیا مگر زہر دینے والے کا نام ذکر نہیں کیا:

علی بن الحسین بن علی بن أبی طالب، قال: دخل الحسین علی عمی الحسن بن علی لماسقی السم، فقام لحاجة الإنسان ثم رجع، فقال: لقد سقیت السم عدة مرار فما سقیت مثل هذه، لقد لفظت طائفة من کبدی فرأیتنی أقلبه یعود فی یدی، فقال له الحسین: یا أخی، من سقاک؟ قال: وما ترید بذلک؟ فان کان الذی أظنه فالله حسیبه وإن کان غیره فما أحب أن یؤخذنی بریٔ، فلم یلبث بعد ذلک إلا ثلاثاً حتی توفی وذکر أن امرأته جعدة بنت الأشعث بن قیس الکندی سقته السم، وقد کان معاویة دس إلیها [۴].

''حضرت سیّدنا زین العابدین رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ میرے والدِ ماجد امام حسین ﷜ میرے عمِ محترم حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس ان کے زہر پلانے کے وقت گئے، تو حسنؓ قضائے حاجت کے لیے گئے، وہاں سے لوٹ کر کہا مجھے کئی مرتبہ زہر پلایا گیا ہے مگر اس مرتبہ کے ایسا کبھی نہ تھا، اس میں میرے جگر کے ٹکڑے باہر آ گئے تم مجھے دیکھتے کہ میں ان کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، حسینؓ نے پوچھا کہ بھائی صاحب آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟ حسنؓ نے کہا اس سوال سے تمہارا کیا مقصد ہے اگر زہر دینے

(۱)-(ج۳ص۱۸۴) (۲)-(ج۱ص۱۵٦) (۳)-(ج۲ص۲۸۲)

(۴)-(مُروج الذہب..... ج۳ص۵، ذکر خلافۃ الحسن بن علی، ذکر لمع من اخبارہ وسیرہ تحت اسم الحسن)

والا وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو خدا اس (سے بدلہ لینے) کے لیے کافی ہے اور اگر وہ نہیں کوئی اور ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ پکڑا جائے، اس کے بعد حسنؓ زیادہ نہ ٹھہرے اور تین روز بعد انتقال فرما گئے اور ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کی اہلیہ جعدہ بنتِ اشعث بن قیس الکندی نے حضرت معاویہؓ کے اشارہ سے زہر پلایا"۔

ف: مسعودی جیسے متعصب شیعہ مؤرِخ کو بھی کوئی مستند روایت اس "افسانہ" کے متعلق نہ مل سکی۔ اس روایت کے دو حصے ہیں، اصل حصہ میں کسی زہر دینے والے کا نام نہیں، دوسرا حصہ جو محض روایتی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے جیسا کہ اس کا طرزِ تحریر شاہد ہے، اس میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام ہے لیکن اس روایتی ٹکڑے کی حیثیت لفظ "ذکــر" سے معلوم ہو جاتی ہے جو عربی میں نہایت کمزور واقعہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، سو اس لفظ سے اس "افسانہ" کی غیر یقینی واشتباہی صورت واضح ہو جاتی ہے۔

لمحۂ فکریہ: اب اس روایت پر عقلی اعتبار سے بحث کرتے ہیں:

(۱) جگر کے ٹکڑوں کا معدہ میں داخل ہو کر قضائے حاجت کے وقت خارج ہونا اگر تسلیم کر لیا جائے تو کیا سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ ایسے نظیف الطبع انسان کا ان ٹکڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنا بھی تسلیم کر لیا جائے گا، ہمارے نزدیک تو یہ بات بہت ہی بعید ہے۔

(۲) سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے دریافت کرنے پر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ نے زہر دینے والے کا نام بتانے سے صاف انکار کر دیا لیکن مُصنفِ نام ونسب کو یہ بات پتہ چل گئی۔

سرّ نہاں کہ زاہد وعارف بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید؟

(۳) سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے یہ حقیقت بھی مبرہن اور بے نقاب ہو گئی کہ خود سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بھی زہر دینے والے کا کوئی قطعی علم ویقین نہیں صرف وہم وگمان ہے، ظن وتخمین ہے جیسا کہ "اظنــــہ" کے لفظ سے ظاہر ہے اور یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ ظن اور گمان پر شرعاً کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

(۴) اگر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر غور وفکر کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ زہر دینے دلانے

میں حضرتِ امیرِ معاویہ ؓ کا قطعاً کوئی دخل نہیں اگر زہر دیا گیا اور دلایا تو اور جو کوئی زہر دینے دلانے والا ہو سکتا ہے مگر حضرتِ امیرِ معاویہ ؓ نہیں ہو سکتے کیونکہ حضرتِ حسن ؓ اپنے بھائی کے استفسار پر فرما رہے ہیں کہ:

فان كان الذى أظنه فالله حسيبه وإن كان غيره فما أحب أن يؤخذ نى برئ .

''اگر وہی ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے تو اللہ اسے کافی ہے اور اگر وہ کوئی اور ہے تو میں پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی بے گناہ پکڑا جائے''۔

اس ارشاد سے واضح ہے کہ جس شخص کے متعلق حضرتِ حسن ؓ کا گمان ہے وہ اور چاہے جو ہو حضرتِ امیرِ معاویہ ؓ نہیں ہو سکتے کیونکہ انہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا، اخذ و مواخذہ کا سوال ان کے متعلق پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو ملک کے حاکمِ اعلیٰ اور خلیفہ ہیں، مسندِ اقتدار پر متمکن ہیں، انہیں یا ان کے اس کام پر مقرّر کردہ شخص کو کون پکڑ سکتا ہے؟ حضرتِ حسن ؓ کے بیان سے یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ ان کے گمان میں (نہ کہ صحیح علم میں) جو شخص زہر دینے والا تھا وہ کوئی معمولی آدمی تھا جسے پکڑا اور قانون کے شکنجے میں کسا جا سکتا ہے، جب ہی تو آپ فرماتے ہیں کہ ''یہ مجھے پسند نہیں کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے''۔

بہر حال اس افسانوی روایت کا درایتی حیثیت سے جب تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ:

(۱) خود حضرتِ حسن ؓ کو زہر دینے والے کا کوئی یقینی علم نہیں۔

(۲) کسی کے متعلق ان کا صرف گمان ہے مگر اس کا نام بتانے سے آپ نے قطعی طور پر انکار فرما دیا۔

(۳) اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے زہر دینے والے کا پتہ چل سکے، حضرتِ حسن ؓ کی وفات کے ساتھ اس ظن اور گمان کا بھی خاتمہ ہو گیا جو کسی کے متعلق ہو سکتا تھا اب کسی کے متعلق علم اور یقین تو کُجا! وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا[۱]۔

(۱۱) تحف العقول: تلاشِ بسیار کے باوجود یہ کتاب ہمیں دستیاب نہیں ہو سکی، مُصنّفِ نام و نسب اس کی عبارت باسند ذکر کریں تو پھر بشرطِ صحت اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱)- (ماہنامہ دعوت امیر معاویہ ؓ نمبر ...... ص ۱۰۶-۱۰۹)

(۱۲) الاستیعاب: حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (م۴۶۳ھ) زہر خورانی کے سلسلہ میں جعدہ بنتِ اشعث کے ذکر کے بعد تحریر کرتے ہیں:

وقالت طائفة كان ذلك بتدسيس معاوية اليها [۱].

''ایک چھوٹا گروہ کہتا ہے کہ جعدہ بنتِ اشعث نے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے کہنے پر حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا تھا''۔

ہاں! بالکل ایک چھوٹا گروہ شیعہ اور شیعہ کے ایجنٹ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے زہر دلوایا تھا، لیکن حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی ایسے واقعات کلماتِ تمریض ''وقالت طائفة'' یا ''ذکر'' یا ''یقال'' جیسے کمزور اور مشتبہ اقوال سے ثابت ہو سکتے ہیں۔

مُصنف کے پیش کردہ حوالہ جات کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد ذیل میں ہم عالمِ اسلام کے تین مقتدر علماء کرام کی تصریحات پیش کر رہے ہیں (جبکہ علامہ حافظ ابنِ کثیر اور علامہ ابنِ خلدون رحمہما اللہ کا حوالہ صفحات گزشتہ میں گزر چکا ہے) جن میں انہوں نے نہایت واضح الفاظ میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اس افترا کی نفی کی ہے، یاد رہے کہ ان علماء کی تحقیقات و دیانتداری مُصنفِ نام و نسب کے نزدیک بھی مُسلّم ہے۔

(۱) حافظ ابنِ تیمیہ الحرّانی رحمہ اللہ:

أن معاوية سم الحسن فهذا مما ذكره بعض الناس ولم يثبت ذلك ببينة شرعية، أو إقرار معتبر ، ولا نقل يجزم به وهذا مما لا يمكن العلم به ، فالقول به قول بلاعلم [۲].

''بعض لوگوں نے یہ بات ذکر کی ہے کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا ہے یہ چیز دلیلِ شرعی سے ہرگز ثابت نہیں ہے، نہ ہی اقرارِ معتبر سے اور نہ ہی کسی نقلِ یقینی سے، یہ تو ایسی بات ہے جس پر یقین کر لینا بلا دلیل یقین کر لینے کے مترادف ہوگا''۔

---

(۱)۔(الاستیعاب......ج ۱ص ۴۴۰،تحت ترجمۃ الحسن بن علی بن ابی طالب الهاشمی)

(۲)۔(منهاج السنہ......ج ۲ص ۲۲۵،فصل اذا تبين هذا فيقال قول الرافضة من افسد الاقوال الخ)

(۲) حافظ شمس الدّین ذہبی رحمہ اللہ:

وقالت طائفة : كان ذلك بتدسيس معاوية إليها ، وبذل لها على ذلك ، وكان لها ضرائر ، قلت : هذا شئ لا يصح فمن الذى اطلع عليه ؟[1].

''ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرتِ معاویہ ﷛ نے حضرتِ حسن ﷛ کو زہر دینے کی سازش کی اور حیلہ کیا اور اس پر زرِ کثیر صَرف کیا اور ان کے لیے سوکنیں تھیں (امام ذہبیؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے اور اس معاملہ پر کون مطلع ہو سکا ہے؟''۔

(۳) علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ:

أنه بهتان عظيم وخرافات المؤرخين مما لا يعتمد عليها [2].

''یہ بہتانِ عظیم ہے اور یہ مؤرخین کی وہ خرافات ہیں جو لائقِ اعتماد نہیں ہیں''۔

علمائے کرام کے مذکورہ بیانات سے اتنی بات بحمداللہ مہرِ نیم روز کی طرح واضح ہوگئی کہ سیّدنا حسن ﷛ کی شہادت کے سلسلہ میں سیّدنا معاویہ ﷛ کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

عقلاً بھی یہ بات واضح ہے کہ حضرتِ معاویہ ﷛ کو حضرتِ حسن ﷛ سے کوئی خطرہ تھا ہی نہیں ،حضرتِ حسن ﷛ نے از خود خلافت حضرتِ معاویہ ﷛ کے حوالے کی، تاحیات ان سے وظائف لیتے رہے، دونوں کے مابین کبھی کوئی دل خراش واقعہ یا بدگمانی پیدا نہ ہوئی...... جب حضرتِ معاویہ ﷛ کے پاس حضرتِ حسن ﷛ کی وفات کی خبر پہنچی تو:

ولما جاء الكتاب بموت الحسن بن على اتفق كون ابن عباس عند معاوية فعزاه فيه فأحسن تعزية ، ورد عليه ابن عباس رداً حسناً كما قدمنا [3].

---

(۱)۔(تاریخ اسلام ذہبی......ج ۳ ص ۴۰ تحت الحسن بن علی رضی اللہ عنہما)

(۲)۔(الناھیۃ......ص ۴۳، فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ)

(۳)۔(البدایۃ والنہایۃ......ج ۸ ص ۳۰۴، تحت ترجمہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

''جب حضرتِ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات کا خط حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچا تو اتفاق سے حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس موجود تھے، حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کی وفات پر بڑے عمدہ طریقہ سے تعزیت کی اور پھر حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے بھی نہایت اچھے انداز میں اس تعزیت کا جواب دیا جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے''۔

تعزیت کے کلمات ذکر کرنے کے بعد حضرتِ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے کہا:

لایسوٴك الله ولا یحزنک فی الحسن بن علی، فقال ابن عباس لمعاویة: لا یحزننی الله ولایسوء نی مابقی الله أمیر المؤمنین [1].

''اللہ تمہیں مصیبت وتکلیف سے محفوظ فرمائے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے بارے میں غمگین نہ ہونے دے جواب میں حضرتِ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک امیر المؤمنین (یعنی حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ) حیات ہیں اللہ تعالیٰ نہ ہمیں غمگین ہونے دیں گے اور نہ ہی ہمیں کوئی مصیبت وتکلیف ہوگی''۔

ان تصریحات سے واضح ہوا کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ سے کوئی دشمنی تھی نہیں اب سوال یہ ہے کہ دشمنی کن سے تھی؟ یہ ایک غور طلب امر ہے...... سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک بیان میں اس کا کچھ اشارہ ملتا ہے کہ حضرتِ حسن رضی اللہ عنہ کی دشمنی کس سے تھی، امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال علی یا أهل العراق او یا اهل الكوفة لا تزوجوا حسنا فانه رجلا مطلاق ...... قال علی مازال الحسن یتزوج ویطلق حتی حسبت ان یکون عداوة فی القبائل [2].

---

(۱)۔(ایضاً......ج ۸ ص ۱۳۸ تحت ترجمہ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)۔(المصنف لابنِ ابی شیبہ......ج ۵ ص ۲۵۴ تحت باب من کرہ الطلاق من غیر ریبۃ)

"حضرتِ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اے اہلِ عراق یا اے اہلِ کوفہ! تم حسن کو رشتے مت دو کیونکہ یہ بہت طلاق دینے والے ہیں...... حضرتِ علیؓ فرماتے ہیں حسنؓ (متواتر) شادیاں کرتے رہتے ہیں اور طلاق دیتے رہتے ہیں مجھے یہ گمان ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ کا یہ طرزِ عمل کہیں قبائل میں عداوت کا ذریعہ نہ بن جائے"۔

اس پس منظر میں گمان کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی زہر خورانی کے پیچھے آپ کی کسی بیوی ہی کی سازش ہوگی، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ قرائن سے ملتی ہے کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف زہر خورانی کی نسبت بہتان طرازی اور کذبِ محض ہے۔

اگر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی میں، نعوذ باللہ، سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہوتا تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ فوراً بیعت توڑ دیتے اور مقدمہ عدالت میں لے جاتے اور برادرِ مکرّم کی نمازِ جنازہ اُموی گورنر سعید بن العاص امویؓ کی اقتدا میں ہرگز ادا نہ کرتے، بھائی کی وفات کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملنے دمشق تشریف نہ لے جاتے، ان کے ہدایا وعطیات کبھی قبول نہ کرتے اور نہ ہی یزید بن معاویہؒ کی قیادت میں غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت فرماتے، حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ولما توفى الحسن كان الحسين يفد إلى معاوية فى كل عام فيعطيه ويكرمه ، وقد كان فى الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد ، فى سنة إحدى وخمسين (۱)۔

"جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے، آپ انہیں بہت سے عطیے دیتے اور ان کا بہت اکرام فرماتے۔ ۵۱ھ میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ غزوۂ قسطنطنیہ کے موقع پر یزید بن معاویہؒ کے ساتھ شاملِ لشکر تھے"۔

---

(۱)۔ (البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۵۰، تحت قصۃ الحسن رضی اللہ عنہ وسبب خروجہ من مکۃ الخ)۔

صلح بَر کدورت کا اِلزام

مُصنّفِ نام ونسب نے صفحہ ۵۵۴ پر حدیث "ھدنة علی دخن" لکھ کر اس کو سیدنا حسن و سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

الجواب: اس بحث میں چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

صلحِ حسن رضی اللہ عنہ بشارتِ نبوی ﷺ کا مِصداق ہے:

(۱) مذکورہ عبارت علاماتِ قیامت کی نشانیوں میں بیان کردہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے، جس میں نہ فریقین کا نام ہے اور نہ ہی مقام وموقع کا ذکر ہے۔ اس مجمل پیشین گوئی کا اطلاق سیدنا حسن وسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح پر کرنا صحیح نہیں، کیونکہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ (جبکہ وہ عالمِ طفولیت میں آپ ﷺ کے پہلو میں تشریف فرما تھے) کی طرف التفات کرتے ہوئے فرمایا:

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ فئتین عظیمتین من المسلمین (۱)۔

"میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرادے گا"۔

اب اتنی واضح پیشین گوئی جس میں صلح ومصالحت کی پوری تشریح ہے، کو چھوڑ کر ایک مجمل حدیث سے استدلال پکڑنا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی صلح کو جو از روئے قرآن "رحماء بینھم" تھے، بَر کدورت ٹھہرانا ہرگز صحیح نہیں، پھر آنحضرت ﷺ کا اس صلح سے بہتر امید وابستہ کرنا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو "سردار" کا لقب دینا اور ان کے اس فعلِ مسعود کو محلِ مدح میں ذکر کرنا پتہ دیتا ہے کہ یہ صلح صحیح ہوگی بر کدورت نہ ہوگی۔

---

(۱)۔ (بخاری...... ج ۱ ص ۳۷۳، تحت کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی ابنی ھذا سید...... الخ)

(۲) اس صلح کو اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور بنی ہاشم، جو ہمارے نزدیک انتہائی عاقل ولبیب، ذکی وفہیم، معاملہ فہم، زیرک اور دانا بزرگ تھے (اور فریقِ مخالف کے نزدیک عالم الغیب بھی) ''بر کدورت'' نہ سمجھ سکے البتہ صدیوں بعد مصنّفِ نام ونسب نے اس نکتہ کو پالیا ہے کہ وہ صلح ''بر کدورت'' تھی......

ع بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اہل بیت رضی اللہ عنہم سے حسنِ سلوک:

(۳) اس صلح کے بعد امامین ہمامین سیّدین حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے حق میں کوئی برائی نہ پائی، نہ ہی انہیں کبھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی ایذا پہنچی اور نہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی اپنے وعدوں کی خلاف ورزی کی، ابوحنیفہ الدینوری (م ۲۸۲ھ) لکھتے ہیں:

قالوا ولم یر الحسن ولا الحسین طول حیاۃ معاویۃ منہ سؤاً فی انفسہما ولا مکروھا ولا قطع عنہما شیئاً مما کان شرط لہما ولا تغیر لہما عن بر (۱)

''مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو زندگی بھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی دکھ نہ پہنچا، نہ ان کے حق میں جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی ناگوار حرکت ظہور میں آئی، حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں بزرگوں کے ساتھ جو شرائط طے کی تھیں ان میں سے کسی شرط کو ضائع نہیں کیا اور کسی احسان اور بھلائی کی بات کو تبدیل نہیں فرمایا''۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے لیے وظائف وعطیات:

(۴) اپنے عہدِ خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضراتِ حسنین اور دیگر اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کا نہایت اعزاز واکرام کرتے تھے۔ جس کے بیان سے قرطاسِ تاریخ پُر ہیں، اکابر بنی ہاشم اپنی اپنی ضروریات کے پیشِ نظر اپنی اپنی احتیاجات کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش فرمایا کرتے تھے اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نہایت خوشی سے ان کی ضرورتوں کو پورا فرمایا کرتے تھے اور یہ سلسلہ آپ کی وفات تک بلا انقطاع قائم رہا۔ یہ تمام واقعات ایک بسیط مقالہ کا موضوع ہیں، جس کی اس مختصر رسالہ میں ہے

(۱)۔(الاخبار الطوال ...... ص ۲۲۵، بحث بین معاویہؓ وعمرو بن العاصؓ)

گنجایش نہیں ہے، لہٰذا ''قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا'' کے تحت چند واقعات پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے:

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

فلما استقرت الخلافة لمعاوية كان الحسين يتردد اليه مع اخيه الحسن فيكرمهما معاوية اكراماً زائدا ويقول لهما مرحباً واهلاً ويعطيهما عطاء جزيلاً(۱).

''جب سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوگئی تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے برادرِ اکبر سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آمدورفت رکھتے تھے۔ جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ ان بزرگوں کی آمد پر ان کا غایت درجہ اکرام فرمایا کرتے تھے، اُنھیں خوش آمدید اور مرحبا کہتے تھے اور انہیں بہت زیادہ عطیات عنایت فرمایا کرتے تھے''۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

وروى الاصمعي قال : وفدالحسن وعبد الله بن زبير على معاوية فقال مرحبا واهلا بابن رسول الله وامرله بثلاث مائة الف وقال لابن زبير مرحبا واهلا بابن عمة رسول الله وامرله بمائة الف(۲).

''ایک مرتبہ سیّدنا حسن وسیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کو کہا مرحبا، خوش آمدید فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی خدمت میں تین لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم فرمایا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مرحبا، خوش آمدید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی کے بیٹے، اور ان کے لیے ایک لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم فرمایا''۔

اسی طرح حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ (م۵۷۱ھ) فرماتے ہیں:

---

(۱)-(البدایہ والنہایہ......ج۸ص۱۵۰-۱۵۱ تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ من مکۃ الی العراق)

(۲)-(البدایہ والنہایہ......ج۷ص۱۳۷ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

ان الحسن والحسین کانا یقبلان جوائز معاویه [1].

''حضراتِ حسن وحسین رضی اللہ عنہما سیّدنا معاویہ ؓ سے عطیات قبول فرمایا کرتے تھے''۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ:

عن عبد الله بن بریده قال : قدم الحسن بن علی علی معاویة فقال: لأجیزنک بجائزة ماأجزت بها احداً قبلک ولا أجیزبها احدا بعدک فاعطاه اربع مائة الف [2].

''سیّدنا حسن ؓ ایک بار حضرتِ معاویہ ؓ کے پاس تشریف لے گئے تو حضرتِ معاویہ ؓ نے ان سے کہا کہ میں آپ کی خدمت میں اتنا عطیہ پیش کروں گا کہ نہ میں نے اس قبل اتنا (کثیر عطیہ) کسی کو دیا ہے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دوں گا، سیّدنا معاویہ ؓ نے حضرت حسن کو چار لاکھ درہم عنایت فرمائے''۔

اسی طرح سیّدنا حسن ؓ کو ہر سال دیے جانے والے عطیہ کے سلسلے میں حافظ ابنِ کثیرؒ (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

کان له (حسن بن علی) علی معاویة فی کل عام جائزة، وکان یفد إلیه، فربما أجازه بأربع مائة ألف درهم وراتبه فی سنة مائة ألف [3].

''سیّدنا معاویہ ؓ حضرتِ حسن ؓ کو ہر سال (کثیر) عطیہ پیش فرمایا کرتے تھے اور سیّدنا حسن ؓ، حضرتِ معاویہ ؓ کے پاس بصورتِ وفد جایا کرتے تھے پس حضرت معاویہ نے (پہلے) حضرت حسن کو (بطورِ وقتی عطیہ کے) چار لاکھ درہم عطا کیے اور سالانہ ایک لاکھ درہم وظیفہ مقرر فرمایا''۔

---

(۱)-(تاریخ مدینہ دمشق......ج۵۹ص۱۹۵،تحت ترجمة معاویة بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)-(الاصابة......ج۲ص۶۴،تحت حسن بن علی بن ابی طالب)

(۳)-(البدایہ والنہایہ......ج۸ص۴۰،سنة ۴۹ھ تحت حسن بن علی رضی اللہ عنہما)

اسی طرح حضرتِ معاویہ ﷜ حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کی ضرورتوں کا اپنے طور پر بھی خیال رکھا کرتے تھے۔اور اس کا ازالہ فرمایا کرتے تھے، مؤرخ بلاذری (م ۲۷۹ھ) نے اس ضمن میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ سیّدنا حسن ﷜ حضرتِ معاویہ ﷜ کے پاس تشریف فرما تھے، دورانِ گفتگو حضرتِ معاویہ ﷜ نے پوچھا:

یٰابن اخی بلغنی ان علیک دینا قال إن علی دین، قال وکم هو؟ قال مائة الف قال فقد امرنا لک بثلاث مائة الف ثم قال مائة الف لقضاء دینک ومائة الف تقسمها فی اهل بیتک ومائة الف لخاصة بذانک[1].

''اے برادرزادے! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ پر کچھ قرض ہے، سیّدنا حسن ﷜ نے فرمایا، ہاں میں مقروض ہوں۔ حضرتِ معاویہ ﷜ نے پوچھا آپ پر کتنا قرض ہے؟ سیّدنا حسن ﷜ نے فرمایا ایک لاکھ درہم! حضرتِ معاویہ ﷜ نے آپ کو تین لاکھ درہم دینے کا حکم دے دیا۔ پھر فرمایا (ان تین لاکھ درہموں میں سے) ایک لاکھ درہم سے آپ قرض ادا کریں، ایک لاکھ اپنے اہلِ بیت میں تقسیم فرما دیں اور ایک لاکھ درہم خاص آپ کی ذاتِ بابرکات کے لیے ہے''۔

بالکل اسی طرح کا معاملہ سیّدنا معاویہ ﷜ کا سیدنا حسین ﷜ کے ساتھ تھا، حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویة فی کل عام فیعطیه ویکرمه[2].

''سیّدنا حسن ﷜ کا جب انتقال ہوگیا تو حضرتِ حسین ﷜ ہر سال حضرتِ معاویہ ﷜ کے پاس (وفد کی صورت میں) تشریف لے جایا کرتے تھے اور سیّدنا معاویہ ﷜ اُنھیں وظائف وعطایا سے نوازتے اور ان کا بے حد اکرام فرماتے''۔

---

(۱)۔(کتاب الانساب والاشراف......ص ۸۴-۸۵ تحت تذکرہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)۔(البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۵۱ تحت قصۃ الحسین وسبب خروجہ من مکۃ)

اسی طرح سیّدنا علی ؓ کے برادرِ محترم سیّدنا عقیل بن ابی طالب ؓ کا بھی سیدنا معاویہ ؓ نہایت اکرام واحترام فرمایا کرتے تھے، آپ اپنی رائے کے اختلاف کی بنا پر جنگِ صفین میں سیّدنا معاویہ ؓ کے ساتھ رہے۔ لیکن قتال میں حصہ نہ لیا۔ حافظ ذہبیؒ (م۷۴۸ھ) آپ کے حالات میں فرماتے ہیں:

ووفد علی معاویة ......فأتی معاویة، فأعطاه مائة الف (۱).

''سیّدنا عقیل ؓ (وفد کی صورت میں) سیّدنا معاویہ ؓ کے پاس تشریف لے گئے ....تو حضرتِ معاویہ ؓ نے (آپ کا نہایت اکرام و احترام فرمایا) اور ایک لاکھ درہم آپ کو عنایت فرمائے''۔

سیّدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سیّدنا علی ؓ کے داماد ہیں۔ آپ سے حضرتِ معاویہ ؓ کے حسنِ سلوک کا انداز مستدرک حاکم کی اس راویت سے ہوتا ہے:

وفد عبد اللہ بن جعفر علی معاویة فامر له بالفی الف درهم (۲).

''سیدنا عبداللہ بن جعفر ایک مرتبہ سیدنا معاویہ ؓ کے ہاں بطورِ وفد تشریف لے گئے تو حضرت معاویہ ؓ نے ان کے لیے بیس لاکھ درہم پیش کرنے کا حکم دیا''۔

اسی طرح حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ (م۵۷۱ھ) کی روایت ہے:

کان لعبداللہ بن جعفر من معاویة الف الف درهم فی کل عام (۳).

''سیّدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو سیّدنا معاویہ ؓ کی طرف سے ہر سال دس لاکھ درہم ملتے تھے''۔

سیدنا معاویہ ؓ کے خاندانِ بنی ہاشم سے حسنِ سلوک اور ان کے اعزاز واکرام کے واقعات کو کہاں تک بیان کیا جائے......

---

(۱)۔ (تاریخ اسلام للذہبی......ج۲ص۸۴۔۸۵ تحت ترجمہ عقیل بن ابی طالب)

(۲)۔ (المستدرک للحاکم......ج۳ص۵۶۷ تحت ذکر عبداللہ بن جعفر)

(۳)۔ (تاریخ مدینۃ دمشق......ج۵۹ص۱۹۵ تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

ع دامانِ نگہ تنگ وگلِ حسن تو بسیار

ایک حوالہ اور ملاحظہ فرمالیں:

ان معاوية كان يجيز في كل عام الحسن والحسين وعبد الله بن عباس وعبدالله بن جعفر بن ابی طالب كل واحد منهم بالف الف درهم(۱).

''سیّدنا معاویہؓ حضراتِ حسن، حسین، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر میں سے ہر ایک کو ہر سال دس لاکھ درہم (بطور عطیہ اور وظیفہ کے) پیش فرمایا کرتے تھے''۔

عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے جہاد میں ہاشمی بزرگوں کی شرکت:

(۵) ہاشمی اکابر عہدِ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگی مہموں اور جہاد میں برابر شریک ہوتے رہے۔ سیّدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما عہدِ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگی مہموں اور غزوات میں شریک ہوتے رہے، خاص طور پر جہادِ قسطنطنیہ میں تو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں شریک ہوئے۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) کا بیان ہے:

ولما توفي الحسن كان الحسين يفد إلى معاوية في كل عام فيعطيه ويكرمه، وقد كان في الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد، في سنة إحدى وخمسين(۲).

''جب سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ ہر سال سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جاتے، آپ انہیں بہت سے عطیے دیتے اور ان کا بہت اکرام فرماتے۔ ۵۱ھ میں سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ غزوہ قسطنطنیہ کے موقع پر یزید بن معاویہؓ کے ساتھ شاملِ لشکر تھے''۔

---

(۱)-(لطائف المعارف......ص ۴۱-۴۲)

(۲)-(* البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۵۰، تحت قصۃ الحسین رضی اللہ عنہ وسبب خروجہ من مکۃ الخ)
(* تہذیب تاریخ ابنِ عساکر......ج ۴ ص ۳۱۱ تذکرہ حسین بن علی رضی اللہ عنہما)

اسی جہاد میں سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی شریکِ جہاد ہوئے، حافظ ابنِ کثیر (م۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

ومعه جماعة من سادات الصحابة منهم ابن عمر وابن عبّاس وابن زبير وابو ايوب الانصاری رضی اللہ عنہ [1]۔

''اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک بڑی جماعت تھی ان میں سیّدنا ابنِ عمر، سیّدنا عبداللہ بن عباس، سیّدنا عبداللہ بن زبیر اور سیّدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے''۔

سیدنا قثم بن عباس رضی اللہ عنہما صغار صحابہ میں سے تھے، آپ کو سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اپ سرورِ کائنات ﷺ کی تدفین کے وقت قبرِ نبوی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) میں اترے اور سب سے آخر میں باہر تشریف لائے...... آپ عہدِ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں خراسان کے جہاد میں شریک ہوئے، پھر غزوۂ سمرقند پیش آیا، آپ اس میں بھی حضرتِ سعید بن عثمان بن عفان کی امارت میں شریک ہوئے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ (م۷۴۸ھ) لکھتے ہیں:

قال الزبير : سار قثم ايام معاوية مع سعيد بن عثمان إلى بسمرقند فاستشهد بها [2].

''عہدِ معاویہ میں حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہما حضرتِ سعید بن عثمان کی ماتحتی میں سمرقند کے جہاد میں شریک ہوئے اور شہادت سے سرفراز ہوئے''۔

ان واقعات سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ حضراتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم صلحِ سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بعد سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ برحق سمجھتے ہوئے ان کے عہدِ خلافت میں ہونے والے جہاد میں بلا انقباض واجتناب شریک ہوتے رہے۔

---

(۱)۔(البدایۃ والنہایۃ......ج۸ص۳۲،تحت سنۃ ۴۹)

(۲)۔(سیر اعلام النبلاء......ج۴ص۵۱۵،تحت قثم بن العباس رضی اللہ عنہما)

حضراتِ اہلِ بیت ؓ کی طرف سے اس صلح کی مکمل پاسداری:

(۶) حضراتِ اہلِ بیت ؓ نے سیّدنا معاویہ ؓ سے صلح و مصالحت کا جو عہد کیا تھا اور آپ کے ہاتھ پر جو بیعتِ خلافت کی تھی، حضرتِ معاویہ ؓ کی وفات تک اس پر قائم رہے، یہی سبب ہے کہ جب حجر بن عدیؒ نے سیّدنا حسین ؓ کو نقضِ بیعت کے لیے آمادہ کرنا چاہا تو آپ نے جواب دیا:

انا قدبایعنا و عاھدنا و لاسبیل الٰی نقض بیعتنا (۱).

''ہم بیعت کر چکے ہیں، عہد ہو چکا ہے، اب اسے توڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے''۔

آپ سیّدنا معاویہ ؓ کے نام نامۂ عطر شامہ میں ارقام فرماتے ہیں:

فکتب الیه الحسین: اتانی کتابک وانا بغیر الذی بلغک عنی جدیر والحسنات لایهدی لها الا اللّٰه وما اردت لک محاربة ولا علیک خلافا (۲).

''سیّدنا حسین ؓ نے سیّدنا معاویہ ؓ کو جواب ارسال کیا کہ آپ کا مکتوبِ گرامی مجھے ملا جو کچھ بات آپ کو میری طرف سے پہنچی ہے وہ میرے لائق نہیں بے شک نیک کاموں کی طرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت فرماتے ہیں میرا نہ آپ سے جنگ کا ارادہ ہے اور نہ ہی مخالفت کا قصد ہے''۔

سیّدنا معاویہ ؓ کے لیے امیر المؤمنین کے الفاظ اور دعائیہ کلمات:

(۷) حضراتِ اہلِ بیت ؓ اس صلح اور مصالحت کے بعد سیدنا معاویہ ؓ کو ''امیر المؤمنین'' کے لقب سے یاد فرماتے رہے اور آپ کے حق میں دعائیہ کلمات ادا کرتے رہے، چنانچہ سیّدنا حسن ؓ کے انتقال کی خبر سن کر جب سیدنا معاویہ ؓ نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے تعزیت کی تو انھوں نے جواباً فرمایا:

لایحزننی اللّٰه ولا یسؤنی ماأبقی اللّٰه أمیر المؤمنین (۳).

---

(۱)-(اخبار الطوال......ص۲۲۰ بحث مبایعۃ معاویۃ بالخلافۃ و زیاد بن ابیہ)

(۲)-(تہذیب ابنِ عساکر......ج۴ص۳۲۷ تحت ذکر واقعۂ الحسین وفضلہ)

(۳)-(البدایہ والنہایہ......ج۸ص۱۳۸، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

''جب تک امیر المؤمنین حیات ہیں اللہ تعالیٰ نہ ہمیں غمگین ہونے دیں گے اور نہ ہی ہمیں کوئی مصیبت و تکلیف ہوگی''۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب سیدنا معاویہ ؓ نے سیدنا حسن ؓ کی خدمت میں (انہیں تلاش کرکے) اموال پیش کیے تو جواب میں اُنھوں نے فرمایا:

وصل الله قرابتک یا امیر المؤمنین! واحسن جزاک[1].

''اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کی قرابت داری میں وصل پیدا کرے اور آپ کو جزائے خیر سے نوازے''۔

خلاصۃ المرام:

اس صلح کے پُرکدورت ہونے کی صورت میں سب سے بڑا الزام -معاذ اللہ- سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر عائد ہوتا ہے کہ آپ خلافتِ اسلامیہ کی باگ ڈور غیر محفوظ ہاتھوں میں دے کر خود دست بردار اور گوشہ نشین ہوگئے اور ساری زندگی ان سے وظیفے قبول کرتے رہے جنھوں نے -نعوذ باللہ- آپ سے صلح کرنے میں خدیعت اور خیانت سے کام لیا۔

ان تمام امور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سیدنا حسن ؓ کی سیّدنا معاویہ ؓ سے صلح آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق بالکل ٹھیک تھی، اس کے بعد سیّدنا معاویہ ؓ عالمِ اسلام کے مُتفقہ خلیفہ تسلیم کیے گئے، اسی لیے اس سال کو ''عام الجماعۃ'' کہا گیا[2]۔

حضرتِ ابوزرعہ رازی الدمشقی رحمہ اللہ (م۱۵۸ھ) نے حضرتِ حسن ؓ کی صلح کے بعد حضرت معاویہ ؓ کی خلافت پر صحابہ کے اجماع کو برحق مانا ہے کہ حضراتِ صحابہ کبھی باطل پر جمع نہیں ہوسکتے۔

عن الأوزاعي قال: أدركت خلافة معاوية عدة من أصحاب رسول الله ﷺ منهم سعد وأسامة وجابر بن عبد الله وابن عمر وزيد بن ثابت بن وسلمة بن خالد وأبوسعيد وأبو رافع بن خديج وأبو أمامة وأنس بن مالك، ورجال أكثر عمن سميت

---

(۱)-(تاریخ مدینۃ دمشق...... ج۴۶ ص۸۷ تحت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ)

(۲)-(البدایہ والنہایہ...... ج۸ ص۲۱ تحت فضل معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

بأضعاف مضاعفة، كانوا مصابيح الدجى وأوعية العلم حضروا من الكتاب تنزيله وأخذوا عن رسول الله ﷺ تأويله [1].

''امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ ؓ کی خلافت بہت سے اصحابِ رسول ﷺ نے پائی ہے، ان صحابہؓ میں حضرت سعدؓ، حضرت اسامہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سلمہ بن خالدؓ، حضرت انس بن مالکؓ، اور کئی اور حضراتِ صحابہؓ جو ان حضرات سے کئی گنا زیادہ ہیں جن کے میں نے نام لیے یہ سب حضرات اندھیروں کے چراغ، علم کے مٹکے تھے، نزولِ قرآن کے موقعوں پر حاضر و موجود تھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے براہِ راست مرادِ قرآن سمجھی ہے''۔

اور یہ بات تو بدیہی ہے کہ اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام گو علی الانفراد معصوم نہیں مگر علیٰ سبیل الاجماع ضرور معصوم ہے اور پھر حضراتِ صحابۂ کرام کا کسی مسئلے پر اجماع کر لینا تو اس مسئلے کو کتاب وسُنّت سے ثابت شدہ مسئلے کے مثل بنا دیتا ہے، حضرت امام ابو بکر السرخسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۸۳ھ) لکھتے ہیں:

ان ما اجمع عليه الصحابة فهو بمنزلة الثابت بالكتاب والسنة [2].

''جس مسئلے پر صحابۂ کرام اجماع کرلیں وہ کتاب وسُنّت سے ثابت شدہ (مسئلے) کی طرح ہوتا ہے''۔

جو حضرات اس صلح کو ''بر کدورت'' کہتے ہیں وہ حضور ﷺ کی پیشین گوئی، حضراتِ صحابۂ کرام ؓ کے اجماع اور سیدنا حسن ؓ کے تابناک کردار کو اپنے عمل سے (نہ کہ قول سے) غلط کہنا چاہتے ہیں، جو کم سے کم ایک مسلمان کو ہرگز زیبا نہیں۔

---

(۱)۔(* تاریخ ابوزرعہ......ج ۱ ص ۳۰۹ تحت ما حفظ من وفاۃ فاطمۃ وازواج النبی والتابعین، نمبر ۵۷۴)
(* البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۳۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(۲)۔(اصول السرخسی......ج ۱ ص ۳۱۸ تحت فصل الحکم)

عہدِ خلافت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لائقِ اتباع نہ ہونے کا اِلزام

مُصنّفِ نام ونسب کا کہنا ہے:

''چونکہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ امارت میں خلافتِ راشدہ کی معنوی مشابہت پیدا نہ ہو سکی، اس لئے ان کا عہدِ امارت لائقِ اتباع نہیں اور حضرتِ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا دورِ خلافت چونکہ خلافتِ راشدہ کی مکمل تصویر تھا، اس لیے "فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين " کے مطابق ان کی سُنّت کا اتباع ضروری ہوگا[1] '' ۔

الجواب: سب سے پہلے تو ''خلافتِ راشدہ'' کی وضاحت ہونی چاہیے کہ وہ کیا ہے؟ امامِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی فاروقی مجدّدی قدس سرہ (م ۱۳۸۳ھ) فرماتے ہیں:

''ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت ایک بڑا عظیم الشان کام ہے، جن کی قابلیت لوگوں میں متفاوت ہوتی ہے لہذا علمائے محققین نے حسبِ ذیل مدارج بیان کیے ہیں:

درجۂ اوّل: خلافتِ راشدہ خاصہ جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ بھی کہتے ہیں۔ یہ درجہ خلافت کا سوا ان لوگوں کے جو مہاجرینِ اوّلین میں سے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تمام مشاہدِ خیر میں مثلِ بدر وحدیبیہ وتبوک وغیرہ میں شریک رہے ہوں اور آیاتِ الٰہی کے وعدوں کے موعود لہم ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عالی مرتبہ ہونا بیان فرمایا ہو اور ان کا مستحقِ خلافت ہونا بھی ارشاد کیا ہو اور ان کا خلیفہ بنانا بھی اُمّت پر لازم کیا ہو اور دینِ الٰہی کی تمکین ان کے ہاتھوں سے ہوئی ہو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

---

(۱)۔(ملخّص نام ونسب......ص ۵۵۴۔۵۵۵)

تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے اور علمائے محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ درجہ خلافت کا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو حاصل تھا اور انہیں پر ختم ہوگیا[1]۔ ان تینوں خلافتوں میں نبوّت کا رنگ اس قدر غالب تھا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پسِ پردہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور یہ خلفاء (ثلاثہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) مثل بے جان لکڑی کے آپ کے ہاتھ میں ہیں، آپ جس طرح چاہتے ہیں، یہ تینوں خلفاء رضی اللہ عنہم مثل گراموفون کے ہیں کہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس اور جان سے زیادہ پیاری آواز بھری ہوئی ہے جو آواز ان سے نکل رہی ہے وہ ان کی آواز نہیں بلکہ سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہے ؎

او بجز نائی و ماجز نئے نائم!
دے بے ماؤ مابے وی نائم

ان تینوں خلافتوں میں بھی حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کا درجہ بہت عالی ہے۔

درجۂ دوم: خلافتِ راشدہ مطلقہ یہ درجہ خلافت کا گو پہلے درجہ سے رتبہ میں کم ہے مگر اس کی شان بھی بہت ارفع و اعلیٰ ہے ؎

آسماں نسبت بعرش آمد فرود
ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

یہ درجہ خلافت کا ان لوگوں کے لیے ہے جن کا مستحقِ خلافت ہونا صاحبِ فضائل ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ مگر اُمت پر ان کا خلیفہ بنانا لازم نہ کیا۔

یہ درجۂ عالی خلافت کا حضرتِ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حاصل تھا اور چھ مہینے حضرتِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو حاصل رہا اور ان پر ختم ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱)۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں:

بموت حضرت عثمان خلافتِ خاصہ منقطع گشت و اکثر احادیث بہمیں مضمون وارد شدہ

(ازالۃ الخفاء مقصد اول ص ۶۱)

''سیّدنا عثمان کی وفات سے خلافتِ خاصہ منقطع ہوگئی اور اکثر حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں''۔

جو یہ بیان فرمایا کہ میرے بعد خلافت تیس (۳۰) برس تک رہے گی۔ اس سے مراد یہی دونوں قسمیں خلافت کی ہیں۔

قسمِ سوم: خلافتِ عادلہ یہ درجہ پہلے دونوں درجوں سے بہت گھٹا ہوا ہے اور اس درجہ کے حاصل ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خلیفہ جامع الشرائط ہو، اور مقاصدِ خلافت اس سے فوت نہ ہوتے ہوں۔ اس کی ضرورت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس کا استحقاقِ خلافت بیان فرمایا ہو۔ حضرتِ معاویہ ؓ کی خلافت اسی میں داخل ہے۔

خلافت کی یہ اقسام اور ان کا تفصیلی بیان حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب ازالۃ الخفاء مقصدِ اول میں دیکھنا چاہیے[1]"۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

"جو لوگ ترمذی کی حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی سے حضرتِ معاویہ ؓ کی خلافت کو ملوکیت قرار دیتے ہیں وہ ذرا اس حدیث پر بھی غور فرمائیں جس کو امامِ ترمذی و ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہما نے حضرتِ ابوبکرہ ؓ سے روایت کیا ہے:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اور آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر ؓ تولے گئے تو آپ ﷺ کا وزن زیادہ رہا، پھر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تولے گئے تو ابوبکر ؓ (کا وزن) زیادہ رہا، پھر عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تولے گئے تو عمر ؓ کا وزن زیادہ رہا۔ پھر وہ ترازو اٹھالی گئی۔ اس خواب کو سن کر رسول اللہ ﷺ رنجیدہ ہوئے اور فرمایا:

خلافۃ نبوۃ ثم یوتی اللہ الملک من یشاء [2]۔

---

(۱)۔ (تحفۂ خلافت......ص ۸۲۔۸۴، چند ضروری مسائل)

(۲)۔ (مشکوٰۃ......باب مناقب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما)

''یہ خلافتِ نبوّت ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہت عطا فرمائے گا''۔

اس حدیث کے متعلق چند معروضات ہیں:

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافتِ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے جس سے ان لوگوں کا خیال رد ہو گیا کہ حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا اچھا ہوتا۔

(۲) حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ملوکیت ہوگی۔ ہر چند کہ خلافتِ راشدہ کا اختتام سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ہوتا ہے، اور بالاتفاق آپ کی خلافت بھی خلافتِ راشدہ ہے، لیکن نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سیّدنا حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک خلافتِ راشدہ کا ایک خاص اعلیٰ درجہ تھا جسے لسانِ نبوّت نے ''خلافتِ نبوّت'' فرمایا ہے۔ حضرتِ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی اصطلاح میں اس کا نام ''خلافتِ راشدہ خاصّہ'' ہے جو حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہوگئی۔

(۳) اگرچہ یہ ایک صحابیؓ کا خواب ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد نہیں فرمایا بلکہ اس کو صحیح مان کر اس کی تعبیر بھی ارشاد فرمائی۔ اس لیے اس کے حجت ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب کو سن کر رنجیدہ کیوں ہوئے؟ اس کا سبب واللہ اعلم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم کر کے رنج ہوا کہ ''خلافتِ راشدہ خاصّہ'' کی مدّت تین خلفاء پر ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد خلافت کی وہ شان نہ رہے گی جو خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کے عہد میں ہوگی۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمان کافروں سے لڑنے کے بجائے آپس میں لڑنے لگے، تا آنکہ حضرتِ امامِ حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی تو پھر بحر و بر میں اسلامی جھنڈا لہراتا ہوا نظر آنے لگا اور فتوحاتِ اسلامیہ کا دروازہ کھل گیا(۱)''۔

---

(۱)۔ (برأتِ عثمانؓ ...... ص ۶۳۔۶۴ تحت برات عثمانؓ)

اور ایک مقام پر حضرت شیخ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ:

الخلافة بعدی ثلثون سنة ثم تكون ملكا.

''میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر بادشاہی ہوگی''۔

اگر اس حدیث کے ضعف سے قطعِ نظر کر لی جائے جیسا کہ ناقدینِ حدیث نے تصریح کی ہے تو ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے:

تدور رحى الاسلام لخمس وثلاثين اوست ثلاثين او سبع ثلاثين. (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ......ص ۴۶۵)

''اسلام کی چکی میرے بعد پینتیس یا چھتیس سال یا سینتیس سال تک چلتی رہے گی''۔

اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا ہے کہ سینتیس سال کے بعد حکومتِ اسلام ختم ہو جائے گی۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بس یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اسلام اپنی پوری شان کے ساتھ صحیح طریقہ پر اپنی مدت تک رہے گا تو اس میں سات سال خلافتِ معاویہ ﷺ کے بھی شامل ہیں۔ پھر ان کو خلفاء سے الگ کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ نیز مسلم شریف کی حدیثِ صحیح میں حضرتِ جابر بن سمرۃ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لايزال هذا الدين عزيزا منيعا الى اثنا عشر خليفة كلهم من قريش. (مسلم......ج ۲ ص ۱۱۹)

''یہ دینِ اسلام معزز اور مضبوط رہے گا بارہ خلفاء تک جو سب قریش سے ہوں گے''۔

ان بارہ میں حضرتِ معاویہ ﷺ یقیناً داخل ہیں کہ وہ یقیناً صحابی ہیں اور ان کی خلافت میں اسلام کو عروج بھی بہت تھا، فتوحات بھی ہوئیں۔ حدیث میں ان کو بارہ ''خلیفہ'' کہا گیا ہے، ''ملک'' نہیں کہا گیا۔ مجمع الزوائد اور جامع صغیر میں ہے:

ان عدة الخلفاء بعدی عدة نقباء موسیٰ .

''میرے خلفاء کی تعداد موسیٰ علیہ السلام کے نقباء کے برابر ہے''۔

اس سے بھی بارہ خلفاء کا ''خلیفہ'' ہونا ثابت ہے۔ قرآن میں بھی آیا ہے کہ:

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا . (المائدۃ:۱۲)

''ہم نے قومِ موسیٰ میں بارہ نقیب مقرر کیے تھے (۱)''۔

ان تمام ابحاث وتصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار خلفائے اسلام میں ہے اور حدیثِ سفینہ رضی اللہ عنہ سے مراد یہ لینا کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کا دور سراسر غیر اسلامی دور ہے۔ جیسا کہ مُصنّفِ نام ونسب کا خیال ہے قرینِ انصاف و دانش مندی نہیں، جس طرح خود خلافتِ راشدہ کا پورا عہد یکساں نہیں تھا بلکہ اس کا اوّل اس کے آخر سے کئی حیثیتوں سے ممتاز تھا، اسی طرح سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت کم وبیش فرق کے ساتھ ٹھیٹھ اسلامی عہد تھا۔ پھر خلافتِ راشدہ کے عہد میں شامل نہ ہونے کی بنا پر کوئی خلیفہ موجبِ طعن نہیں ٹھہر سکتا، یہ تو ایک تکوینی امر ہے، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنا دورِ خلافت ''خلافتِ راشدہ مطلقہ'' کا دور کہلاتا ہے تو کیا یہ بات، نعوذ باللہ، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں موجبِ قدح ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ اس میں تو انسانی عقل وہمّت اور جہد وسعی کا دخل ہی نہیں ہے۔ یہ بات تو ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ کے زمرہ میں آتی ہے۔

ہماری ان تمام باتوں سے یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ ہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہدِ خلافت کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے برابر ٹھہرا رہے ہیں۔ حاشا وکلاء۔ ہم اس بات کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ عہدِ خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلافتِ راشدہ میں فرق تو بے شک تھا، لیکن یہ فرق ظلم وعدل، فسق وتقویٰ، کذب وصداقت یا امانت وخیانت کا فرق نہیں تھا بلکہ یہ فرق عزیمت اور رخصت کا، تقویٰ اور مباحات کا اور احتیاط وتوسّع کا اور اصابتِ رائے اور قصورِ اجتہاد کا فرق تھا۔ اور جن حضرات کو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کچھ کمی نظر آتی تھی وہ خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم کی نسبت سے نظر آتی تھی، بقول شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم:

---

(۱)۔ (ایضاً..... ص ۴۵۔۴۶ تحت مطالبۂ قصاص کا حق)

''لیکن اس سے اس بات کا کوئی جواز نہیں نکلتا کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد کوئی شخص بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تاثر کو بنیاد بنا کر حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں آج کی گندی سیاست کے تمام مظاہرے تلاش کرنے شروع کر دے اور تحقیق کے بغیر ان پر جھوٹ، خیانت، رشوت، اخلاقی پستی، ظلم وجور، بے حمیتی اور سیاسی بازی گری کے وہ تمام الزامات عائد کر ڈالے جو آج کے سیاست دانوں میں نظر آتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے خلافتِ راشدہ کی نسبت سے اس عہدِ حکومت میں فرق ضرور تھا لیکن فسق ومعصیت اور ظلم وجور کی حد تک نہیں پہنچا تھا۔ ان کی حکومت، حکومتِ عادلہ ہی تھی (۱)''۔

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

فلم يكن من ملوك المسلمين ملك خير من معاوية ولا كان الناس في زمان ملك من الملوك خيرا منهم في زمن معاوية اذا نسبت أيامه الى أيام من بعده وأما اذا نسبت الى أيام أبي بكر و عمر ظهر التفاضل (۲).

''مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی بھی حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں ہوا، اور اگر ان کے زمانہ کا مقابلہ بعد کے زمانوں سے کیا جائے تو عوام کسی بادشاہ کے زمانہ میں اتنے خوش نہیں رہے جتنے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں، ہاں! اگر ان کے زمانہ کا مقابلہ حضراتِ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانوں سے کیا جائے تو فضیلت کا فرق ظاہر ہو جائے گا''۔

اب عہدِ خلافتِ راشدہ اور عہدِ خلافتِ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میں جو فرق تھا، اسے علمِ عقائد کے مشہور عالمِ دین علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمہ اللہ (م ۱۲۴۰ھ) کی زبانی سنیں:

---

(۱)۔ (حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق ... ص ۱۴۶ تحت حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی عہدِ حکومت کی صحیح حیثیت)

(۱)۔ (منہاج السنہ ...... ج ۳ ص ۱۸۵ فصل والقاعدة الكلية في هذا ان لا نعتقد ان احد معصوم بعد النبي الخ تحت السبب السابع)

قلت لاهل الخير مراتب بعضها فوق بعض وكل مرتبة منها يكون محل قدح بالنسبة الى التى فوقها ...... ولذاقيل حسنات الابرار سيئات المقربين وفسر بعض الكبراء قوله عليه الصلوة والسلام انى لاستغفر الله فى اليوم اكثر من سبعين مرة بانه كان دائم الترقى وكلما كان يترقى الىٰ مرتبة استغفر عن المرتبة التى قبلها واذا تقرر ذلك فنقول كان الخلفاء الراشدون لم يتوسّعوا فى المباحات وكان سيرتهم سيرة النبى صلى الله عليه وسلم فى الصبر على ضيق العيش والجهد ...... واما معاوية فهو ان لم يرتكب منكر لكنه توسّع فى المباحات ولم يكن فى درجة الخلفاء الراشدين فى اداء الحقوق الخلافة لكن عدم المساواة بهم لا يوجب قدحا فيه (۱).

''اہلِ خیر کے مختلف مراتب ہوتے ہیں، جن میں سے بعض دوسرے بعض سے بلند ہوتے ہیں، ان میں سے ہر مرتبہ اپنے سے فائق مرتبے کے اعتبار سے محلِ قدح ہوتا ہے...... اس لیے مشہور مقولہ ہے، نیک لوگوں کے حسنات مقربین کی برائیاں ہوتی ہیں اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ جو ارشاد مروی ہے کہ میں دن میں ستر سے زائد بار اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اس حدیث کی تشریح بعض اکابر نے یوں بیان کی ہے کہ آپ ﷺ کے درجاتِ عالیہ میں ہر آن ترقی ہوتی رہتی تھی اور آپ جب بھی ترقی کا کوئی اگلا درجہ حاصل کرتے تو پچھلے درجہ سے استغفار فرماتے تھے۔ جب یہ بات طے ہوگئی تو ہم یہ کہتے ہیں کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مباحات میں توسّع سے کام نہیں لیا تھا اور تنگیٔ عیش پر صبر اور جدّ وجہد کے معاملہ میں ان کی سیرت سرورِ دو عالم ﷺ کی سیرت سے مشابہ تھی...... رہی بات حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی سو اگرچہ وہ کسی منکر

(۱)۔(النبراس علی شرح العقائد......ص۳۰۹، نصب الامام واجب الاجماع)

کے مرتکب تو نہیں ہوئے، لیکن اُنھوں نے مباحات میں (قدرے) توسّع سے کام لیا اور حقوقِ خلافت کی ادائیگی میں وہ خلفائے راشدین ؓ کے درجہ میں نہیں تھے لیکن ان کی برابری نہ کرسکنا، ان کے لیے (کسی طرح بھی) موجبِ قدح نہیں ہے''۔

اس ناکارہ کے مخدوم اور کریم بزرگ مُفکّرِ اسلام، سلطان المتکلمین، امام المناظرین حضرتِ اقدس علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب اطال اللہ حیاتہ نے بھی سیّدنا معاویہ ؓ کے عہدِ خلافت پر جس مدلّل انداز میں جامع تبصرہ فرمایا ہے وہ آپ ہی پر بس ہے، اسے ملاحظہ فرمایئے:

''حضرتِ معاویہ ؓ کا دورِ حکومت خلافتِ راشدہ اور خلافتِ عامّہ کے مابین کا عبوری دور ہے آپ کی حکومت خلافتِ عادلہ تھی جس میں کتاب وسنت کو آئینی بالادستی حاصل تھی اور عدل وانصاف کی حدود قائم تھیں، لیکن اس کا معیار خلافتِ راشدہ کے دوسرے درجہ پر تھا۔ خلفائے راشدین سیرتِ نبوی ﷺ کے بہت زیادہ قریب تھے۔ روزمرّہ کی زندگی میں صبر وایثار کا پیمانہ تھا۔ بشری تقاضوں میں وہ جہد ومشقت سے گزرتے تھے اور مباح اُمور میں وہ توسّع اور فراخی کی راہ سے نہیں توکّل اور تقویٰ کی راہوں پر چلتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ ؓ گو اپنے پورے دورِ خلافت میں کسی خلافِ شرع راہ پر نہیں چلے، لیکن مباح اُمور میں وہ کبھی وسعت سے بھی کام لیتے تھے اور وقت گزرنے سے اس توسّع کا اوپر کے حلقہ میں آجانا ایک فطری امر تھا حق یہ ہے کہ آپ کا دورِ حکومت خلافت تھا۔ آپ نے حکومت کسی سے وارثت میں نہ لی تھی۔ سیاسی راہ سے آپ اقتدار پر آئے تھے۔ آپ کا پہلا دورِ حکومت حضرتِ عمر اور حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہما کی نیابت میں تھا اور دوسرا دور حضرتِ حسن ؓ کی صلح سے شروع ہوتا ہے جو ملک کی قومی اور سیاسی سطح پر قائم ہوا تھا۔ ثم ملکاً (کہ خلافت پھر ملوکیت ہوجائے گی) میں لفظ ثم (پھر اس کے بعد) غور طلب ہے اور اس سے وہ حکومت مراد ہوگی جو اس تیس سال کے بعد شروع ہو اور حضرتِ معاویہ ؓ کی حکومت تو تیس سال کے اندر سے شروع ہوچکی تھی۔ گو وہ خلافتِ تامّہ کی صورت میں نہ تھی۔ ہاں خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ

کے حکمران خلفائے اربعہ ہی ہیں۔ خلافتِ راشدہ اور خلافتِ عادلہ کے اس باریک فاصلے کو عقائدِ نسفی کی شرح نبراس میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مباح اُمور میں خلفائے اربعہ تحرز اور اجتناب کی راہ سے چلے اور یہ عزیمت کی راہ تھی اور سیّدنا حضرتِ معاویہ ﷛ نے ایسے کئی مواقع پر توسّع اور رخصت کی راہ اختیار فرمائی[1] اور یہ کسی پہلو سے محلِ اعتراض اور موجبِ طعن نہیں (ہاں) افضلیت اور بات ہے۔

آپ کی حکومت کو اگر کسی پہلو سے ملوکیت بھی کہا جائے تو یہ ایسی ملوکیت تھی جس سے خلافت کی نفی نہیں کی جاسکتی اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سیّدنا حضرت حسن ﷛ خلافت کو ملوکیت کے سپرد کردیں۔ اس جہت سے تو ملوکیت کے بانی حضرتِ حسن ﷛ ہوجائیں گے کہ اُنھوں نے خلافت کو ملوکیت کے سپرد کیا اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کا یہ اقدام محلِ مدح نہ رہے گا۔ حالانکہ آپ ﷺ نے اپنی ایک پیشین گوئی میں حضرتِ حسن ﷛ کے اس اقدام کو محلِ مدح میں ذکر کیا ہے کہ اس امت کے دو فرقہ عظیمہ آپ کے اس اقدام (صلح) سے ایک ہوجائیں گے۔ واللہ اعلم وعلمہ واتم واحکم [2]"۔

یہ ہے عہدِ خلافتِ سیّدنا معاویہ ﷛ کی صحیح حیثیت ...... البتہ یہاں ایک شبہہ وارد ہوتا ہے، اس کا ازالہ بھی ضروری ہے وہ یہ کہ بعض علماء نے سیّدنا معاویہ ﷛ کو ملوک (بادشاہ) کہہ کر خطاب کیا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ ابنِ حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

(۱)- مباحات میں توسّع کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولعل توسعه فيها لقصورهم سائر ابناء الزمان وان لم يوجد فيه ذلك كما علمت واما رجحان الخلفاء الاربعة في العبادات والمعاملات فظاهر لاسترة فيه . (الناھیہ......۴۶، تحت فصل فی الاجوبۃ عن مطاعنہ)

"اور شاید ان کا مباحات میں توسّع اختیار کرنا، ابنائے زمانہ کے قصورِ ہمّت کی بنا پر تھا، اگرچہ خود ان کی ذات میں یہ چیز نہیں تھی جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے، باقی خلفائے اربعہ کا عبادات و معاملات میں رجحان بالکل ظاہر ہے، جس میں کوئی خفا نہیں"۔

(۲)-(عبقات......۴۲۲۔۴۲۳)

''جو شخص حضرتِ معاویہ ﷺ کی حکومت پر ملوکیت کے لفظ کا اطلاق کرتا ہے اس سے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ ان کی حکومت میں مذکورہ اجتہادات واقع ہوئے اور جو شخص اسے خلافت قرار دیتا ہے اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ حضرتِ حسن ﷺ کی دستبرداری اور اہلِ حل وعقد کے اتفاق کے بعد وہ خلیفۂ برحق اور واجب الاطاعت تھے اور اطاعت کے لحاظ سے لوگوں پر ان کے وہی حقوق تھے جو ان سے پہلے خلفائے راشدین ﷺ کو حاصل تھے(۱)۔''

کیا اسلام میں ملوکیت (بادشاہت) مذموم ہے؟:

یہ بات خود سمجھنے کے قابل ہے کہ کیا اسلام میں بادشاہت فی نفسہ مذموم ہے یا نہیں؟ یا صرف وہ بادشاہت بُری ہے جو احکامِ شریعت کے خلاف ہو اور اس کی بنیاد تصورِ خلافت کے منافی ہو..... خود قرآن مجید میں اللہ کے لیے ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (۲).

''آج کے روز کس کی حکومت ہوگی''۔

هُوَ اللهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ (۳).

''وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادشاہ ہے (سب عیبوں سے) پاک''۔

اسی طرح بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر (سموئیل) سے درخواست کی کہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کردیں جس کی قیادت میں ہم جہاد کریں۔ انہوں نے باذنِ الٰہی بتایا کہ اللہ نے تمہارا بادشاہ طالوت کو مقرر کیا ہے۔ اگر ملوکیت کوئی مذموم چیز ہوتی تو نہ پیغمبر اللہ سے اس کی مدد طلب کرتے اور نہ ہی اللہ ان کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ ...... إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا (۴).

---

(۱)۔(الصواعق المحرقة.....ص ۲۱۹، فی بیان اعتقاد اھل السنة والجماعة فی الصحابة ﷺ)

(۲)۔(المؤمن:۱۶) (۳)۔(الحشر:۲۳) (۴)۔(البقرہ:۲۴۶۔۲۴۷)

"(اے مخاطب!) تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا ہے، تحقیق نہیں ہوا جبکہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیجیے کہ ہم اللہ کی راہ میں (جالوت سے) قتال کریں...... کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر تالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے"۔

اسی طرح سلیمان علیہ السلام اور ان کے والدِ ماجد دونوں نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی[1]۔

حضرتِ داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ[2].

"اور ان کو (یعنی داؤد کو) اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی"۔

حضرتِ سلیمان علیہ السلام نے اپنے لیے دعا مانگی تھی:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ[3].

"اے میرے رب! میرا (پچھلا) قصور معاف کر اور (آئندہ کے لیے) مجھ کو ایسی سلطنت دے کہ میرے سوا (میرے زمانہ میں) کسی کو میسر نہ ہو"۔

اس بحث کو مزید طول دیا جا سکتا ہے۔ لیکن مسئلہ سمجھنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ "ملوکیت" اپنی ذات میں کوئی عیب نہیں رکھتی "ملک" اسے اچھا یا برا بناتے ہیں۔

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہدِ خلافت:

اب ہم سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت پر صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ اور اکابر علمائے اعلامؒ کے تبصرے نقل کرتے ہیں، جس سے ان کے عہدِ حکومت کو سمجھنے میں مزید مدد ملے گی۔

(۱) حبرِ اُمّت حضرتِ سیّدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہما:

آپ فرماتے ہیں:

---

(۱)۔(تاریخ ابنِ خلدون......ج۲ص۱۴۲)

(۲)۔(البقرۃ:۲۵۱)

(۳)۔(ص:۳۵)

مارأيت رجلاً كان أخلق بالملك من معاوية (۱).

''میں نے معاویہ ؓ سے بڑھ کر سلطنت اور فرمانروائی کے لائق کسی کو نہ پایا''۔

(۲) ایک اور روایت میں ہے کہ:

مارأيت أحداً كان احق بالملك من معاويه (۲).

''میں نے معاویہ ؓ سے بڑھ کر حکمرانی کا لائق کسی کو نہ پایا''۔

اسی طرح سیّدنا معاویہ ؓ کے انتقال کی خبر پہنچنے پر فرمایا:

(۳) اما واللہ ماكان مثل من قبله ولاياتى بعده مثله (۳).

''بخدا! معاویہ اپنے پیش رو خلفاء کی مثل تو نہیں تھے لیکن ان کے بعد ان کا مثل نہیں آئے گا''۔

(۲) سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ (م ۴۰ھ):

آپ ؓ فرماتے ہیں:

أيها الناس! لاتكرهوا إمارة معاوية ، والله ! (لوفقد تموه) لقد رأيتم الرؤس تندر من كواهلها كأنها الحنظل (۴).

''اے لوگو! تم معاویہ ؓ کی امارت کو برا مت جانو، کیونکہ اللہ کی قسم اگر تم نے انہیں کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے یوں جدا ہوں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے (ٹوٹ کر) گرتا ہے''۔

---

(۱)۔ (*البدایہ والنہایۃ......ج ۸،ص ۱۳۵، تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*الاصابہ......ج ۳ص ۴۱۳، تحت تذکرہ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)۔ (*التاریخ الکبیر للبخاری......ج ۴،ص ۳۷۲، باب تذکرۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*البدایہ والنہایہ......ج ۸،ص ۱۳۵، تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۳)۔ (انساب الاشراف......ج ۴،ص ۳۷، قسم اول، تحت معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۴)۔ (*المصنف لابنِ ابی شیبہ......ج ۱۵،ص ۲۹۳۔۲۹۴، کتاب الجمل، تحت باب ماذکر فی صفین)
(*البدایہ والنہایہ......ج ۸ص ۱۳۱، تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۳) سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ (م ۵۰ھ):

جب سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو بعض کم فہم لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو موجبِ قدح جان کر آپ کو مطعون کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھے برا مت کہو، کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

لاتذهب الايام والليالي حتى يملك معاوية [۱].

''رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہ رضی اللہ عنہ حکمران نہ ہو جائیں''۔

(۴) سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (م ۷۳ھ):

مارأيت أحداً بعد رسول الله اسود من معاوية [۲].

''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر لائقِ حکمرانی (یعنی امورِ مملکت کا ماہر) کسی کو نہیں دیکھا''۔

نیز: **فقيل له ابوبكر وعمر و عثمان وعلي فقال: كانوا - والله - خيرا من معاوية وافضل ،معاوية اسود** [۳].

''اللہ کی قسم! ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر اور افضل تھے، لیکن حکمرانی میں امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ فائق اور بہتر تھے''۔

(۵) سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۵۱ھ):

مارأيت أحداً بعد عثمان أقضى بحق من صاحب هذا الباب [۴].

---

(۱)- (البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۳۱، تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)- (* تاریخ اسلام للذہبی......ج ۲ ص ۳۲۱ تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(* اسد الغابہ......ج ۵ ص ۲۲۱، معاویۃ بن صخر رضی اللہ عنہما)

(۳)- (* اسد الغابہ......ج ۵ ص ۲۲۲ تحت معاویۃ بن صخر بن حرب رضی اللہ عنہما)

(* البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۳۵ تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۴)- (* البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۳۲، تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(* تاریخ اسلام للذہبی......ج ۲ ص ۳۲۱ تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

''میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو حق کا پورا کرنے والا اور حق کا فیصلہ کرنے والا نہ پایا''۔

(۶) حضرت کعب احبار رحمہ اللہ:

قال كعب لن يملك أحد من هذه الأمة ماملك معاوية [۱].

''اُمت میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اور بہتر حکمرانی کسی نے نہیں کی''۔

(۷) حضرتِ امام ابواسحاق رحمہ اللہ:

روی أبوبكر بن عياش عن أبي اسحاق قال: ما رأيت بعده مثله . يعني معاويه [۲].

''ابوبکر بن عیاش سے مروی ہے کہ فرمایا ابواسحاق نے کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کا مثل نہیں دیکھا''۔

(۸) حضرتِ مجاہد رحمتہ اللہ علیہ:

لو أدركتم معاوية لقلتم هذا المهدى [۳].

''اگر تم معاویہؓ (کے عہد) کو پالیتے تو کہتے کہ مہدی تو یہ ہیں''۔

(۹) حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ):

وكانت سيرة معاوية مع رعيته من خيار سيرة الولاة وكانت رعيته يحبّونه وقد ثبت في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم . [۴]

---

(۱)-(*انساب الاشراف......ج۴ص۱۰۰،تحت القسم الاول،ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)
(*تاریخ اسلام للذہبی......ج۲ص۳۱۴،تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)-(المنتقی للذھبی......ص۳۸۸،تحت ثناء الائمۃ الاعلام علی معاویۃ رضی اللہ عنہ)

(۳)-(العواصم من القواصم......ص۲۰۵)

(۴)-(منہاج السنۃ......ج۳ص۱۸۹،تحت جواب مطاعن عثمان)

''حضرتِ معاویہ ؓ کا برتاؤ اپنی رعیت کے ساتھ بہترین حکمران کا برتاؤ تھا اور آپ کی رعایا آپ سے محبت کرتی تھی اور بخاری و مسلم (کی احادیث) سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ تمہارے امراء میں سے بہترین امیر وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں، تم ان کے حق میں (رحمت کی) دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں''۔

(۱۰) حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ):

وأجمعت الرعايا علىٰ بيعته في سنة احدىٰ وأربعين كما قدمنا، فلم يزل مستقلاً بالأمره في هذه المدة إلى هذه السنة ٦٠ھ التي كانت فيها وفاته، والجهاد في بلاد العدو قائم، وكلمة الله عالية. والغنائم ترد إليه من أطراف الأرض، والمسلمون معه في راحة وعدل، وصفح وعفو[۱].

''آپ کے عہدِ خلافت میں جہاد کا سلسلہ قائم رہا، اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہا اور مالِ غنیمت سلطنت کے اطراف سے بیت المال میں آتا رہا اور مسلمانوں نے راحت و آرام اور عافیت و انصاف و عدل سے زندگی بسر کی''۔

(۱۱) حافظ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ):

فضائل معاوية في حسن السيرة والعدل والاحسان كثيرة[۲]

''امیر معاویہ ؓ کے فضائل، حسنِ سیرت اور عدل و احسان کے اعتبار سے بے شمار ہیں''۔

کیا ان واضح بیانات کے بعد بھی سیّدنا معاویہ ؓ کا عہدِ حکومت مثالی نہیں تھا؟

اب ہم مُصنّفِ نام و نسب کے تین مناقشات کا جواب تحریر کرتے ہیں:

---

(۱)۔ (البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۱۹ تحت سنۃ ۶۰ھ ذکر معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)۔ (المنتقیٰ للذہبی......ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمۃ الاعلام علی معاویۃ وحکمہ وسیرتہ الخ)

مناقشۂ اوّل:

حضرتِ معاویہ ﷛ کا عہدِ خلافت، خلافتِ راشدہ کے مشابہ نہیں تھا۔

مناقشۂ دوم:

حضرتِ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عہدِ خلافت، خلافتِ راشدہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے حضرتِ معاویہ ﷛ کے عہدِ خلافت سے افضل تھا۔

مناقشۂ سوم:

حدیث فعليكم بسنتي الخ کے تحت حضرتِ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عہدِ خلافت لائقِ اتباع ہے، جبکہ سیّدنا معاویہ ﷛ کا عہدِ خلافت خلافتِ راشدہ سے عدم مشابہت کی بنا پر لائقِ عدمِ اتباع ہے۔

جوابِ مناقشۂ اوّل:

اس پر ہم پانچ شہادتیں پیش کرتے ہیں:

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

صدیقۂ کائنات، امّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

والذى سن الخلفاء بعده وحضت معاوية على العدل واتباع اثرهم [1]۔

" اور اللہ نے آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین ﷛ کو ہدایت پر چلایا اور معاویہ کو عدل وانصاف اور خلفائے راشدین ﷛ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دی"۔

مؤرِّخِ شہیر حضرتِ علّامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ:

اسی اتباعِ خلفائے راشدین کے باعث حضرتِ معاویہ ﷛ کا عہدِ خلافت " خلافتِ راشدہ" معلوم ہوتا تھا اور حضرتِ معاویہ ﷛ خلیفۂ راشد (گو سیّدنا معاویہ ﷛ کی خلافت خلافتِ راشدہ موعودہ

(۱)۔ (البدایہ والنہایہ.....ج ۸ ص ۱۳۱، سنہ ۶۰ ھ، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

میں شامل نہ تھی) حضرتِ علامہ ابنِ خلدونؒ لکھتے ہیں:

وقد كان ينبغي ان تلحق دولة معاوية وأخباره بدول الخلفاء وأخبارهم فهو تاليهم في الفضل والعدالة والصحبة ، ولا ينظر في ذلك الى حديث : " الخلافة بعدى ثلاثون " فانه لم يصح . والحق ان معاوية في عداد الخلفاء...... وحاشي الله أن يشبه معاوية بأحد ممن بعده . فهو من الخلفاء الراشدين[1].

''مناسب یہی تھا کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ان کے حالات کو ہم اسی جلد میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت اور ان کے تذکرہ کے ساتھ ذکر کرتے، کیونکہ آپ کی فضیلت، عدالت اور مقامِ صحابیت میں ان کے تابع ہیں اور اس سلسلہ میں حدیث الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ (کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی) کی طرف نہ دیکھنا چاہیے کیونکہ پایۂ صحت کو نہ پہنچی، حق بات یہ ہے کہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں ہے...... حاشا وکلا حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے مابعد خلفاء کے ہرگز مشابہ نہیں بلکہ وہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ہیں''۔

شہیدِ بالاکوٹ حضرتِ مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ:

حضرتِ مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ہمارے مقتدا و پیشوا ہیں، فرماتے ہیں:

''سلطانِ کامل حکمی خلیفۂ راشد ہے، یعنی اگرچہ خلافتِ راشدہ تک نہیں پہنچا، لیکن خلافتِ راشدہ کے عمدہ آثار بعض ظواہرِ شریعت کی خدمت صدق و اخلاص سے اس سے صادر ہوں...... سلطانِ کامل، سلاطین اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے درمیان ایک برزخ کی طرح ہے۔ اگر لوگ دیگر سلاطین کو دیکھیں تو اس سلطان کامل کو خلیفۂ راشد تصور کریں اور اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

(۱)۔(تاریخ ابنِ خلدون...... ج ۲ ص ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، تحت بیعۃ الحسن وتسلیمہ الامر لمعاویۃ)

کا حال معلوم کریں تو اسے سلطان کامل سمجھیں۔ چنانچہ سلطان شام (حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

لست فیکم مثل ابی بکر و عمر ولکن سترون امراء من بعدی

میں تم میں ابوبکرؓ و عمرؓ جیسا حکمران تو نہیں ہوں۔ لیکن میرے بعد عنقریب امیر دیکھو گے۔

بناء بریں اس کی سلطنت کا زمانہ نبوّت اور خلافتِ راشدہ کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ پس اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے زمانہ کی ابتداء سے اس سلطنتِ کاملہ کا زمانہ گذر جانے تک ترقی اسلام کا زمانہ ہے (۱)۔

جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی:

جنابِ احمد رضا خاں صاحب بریلوی (م ۱۳۴۱ھ) جن کی کتب اور اشعار کے حوالوں سے مُصنّفِ نام ونسب نے اپنی کتاب کو جا بجا مزیّن کیا ہے، وہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ راشد تسلیم کرتے ہیں، جسے ہم بطورِ الزامی جواب کے نقل کر رہے ہیں:

عرض: خلافتِ راشدہ کس کس کی خلافت تھی؟

ارشاد: ''ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولا علی، امام حسن، امیر معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافتِ راشدہ تھی (۲)''۔

جناب فیض احمد اویسی بریلوی:

شارحِ حدائقِ بخشش اور معروف بریلوی محقق و مُصنّف جناب فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ و عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مطلق خلافتِ راشدہ نہیں بلکہ مشابہ خلافتِ راشدہ کہا جائے گا (۳)''۔

---

(۱)۔(منصبِ امامت......ص ۱۴۷-۱۴۹، فصلِ دوم تحت سلطانِ کامل اور دیگر سلاطین میں فرق، نکتۂ دوم)

(۲)۔(ملفوظاتِ احمد رضا خاں ......ج ۳ ص ۳۱۹)

(۳)۔(حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ......ص ۵۱)

جواب مناقشۂ دوم:

رہی بات سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرتِ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہدِ حکومت میں فرق کی تو اس کے لیے حضرتِ امام الاعمش رحمہ اللہ تعالیٰ (جو حضرتِ سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں اور جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی بے پناہ خوبیوں کے باعث ''المصحف'' کے لقب سے یاد کرتے تھے [1]) کا بیان ملاحظہ ہو:

ایک مرتبہ امامِ اعمش (سلیمان بن مہران) رحمہ اللہ کی مجلس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز قدس سرہ اور ان کے عدل وانصاف کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

كيف لو أدركتم معاوية؟ قالوا : في حلمه؟ قال : لا والله، بل في عدله [2].

''اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد پالیتے تو تمہیں پتہ چل جاتا، لوگوں نے کہا ان کی حلم و بردباری کا؟ فرمایا، نہیں (حلم اور بردباری تو ان کے اندر آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے بدرجہ کمال موجود تھی ہی...... ناقل) بلکہ ان کے عدل وانصاف کا''۔

یعنی حلم و بردباری میں تو وہ فائق تھے ہی۔ بقول قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ:

ما رأيت رجلاً أثقل حلماً، ولا أبطأ جهلاً، ولا أبعد أناناً منه [3].

''یعنی میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حوصلہ مند، جہالت سے دور، باوقار و حلیم آدمی نہیں دیکھا''۔

سو اگر حضرتِ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا عہدِ خلافت، خلافتِ راشدہ کے مشابہ ہے تو

---

(۱)۔(العواصم من القواصم......ص ۲۱۰)

(۲)۔(*منہاج السنہ......ج ۳ص ۱۸۵، فصل والقاعدۃ الکلیۃ فی ھذا ان لا نعتقد الخ)

(*المنتقی......ص ۳۸۸ تحت ثناء الائمۃ علی معاویۃ وحکمہ وسیرتہ)

(*العواصم من القواصم.... ص ۲۰۵)

(۳)۔(*تاریخ اسلام للذہبی... ج ۳ص ۳۱۵، ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(*البدایہ والنہایہ ج ۸ص ۱۳۵، ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

سیّدنا معاویہ ؓ کا بالاولیٰ ہے۔ جس پر اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا، حضرتِ علامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ، حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور جناب فیض اویسی اور احمد رضا خان صاحب کے حوالہ جات نقل کر چکا ہوں۔ جہاں تک حضرتِ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے طرزِ عمل کی بات ہے تو وہ سیّدنا معاویہ ؓ کے خلاف زبان درازی اور بدگوئی کرنے والے کو کوڑے لگواتے تھے[1]۔

اُمُّ المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا، حضرتِ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور جناب فیض صاحب نے تو سیّدنا معاویہ ؓ کے عہد خلافت کو خلافت راشدہ کے مشابہ ہی مانا ہے۔ لیکن آپ کے مقتدا اور رہنما جن کی ثقاہت اور علم وفضل پر پوری دنیا کے بریلویوں کا اتفاق ہے، وہ صراحتاً سیّدنا معاویہ ؓ کے عہد خلافت کو خلافت راشدہ قرار دے رہے ہیں۔ آخر میں فاضل بریلوی کا ایک حوالہ حاضر خدمت ہے، جو اُنھوں نے علامہ خفاجی[2] رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے، اسے بہ چشمِ عبرت ملاحظہ فرمائیں:

ومن یکون یطعن فی معاویۃ
فذک کلب من کلاب الھاویہ

"جو حضرتِ امیرِ معاویہ ؓ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے[3]"۔

مناقشۂ سوم:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً، فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا

---

(۱)۔(*طبقات ابنِ سعد......ج۵،ص۲۹۹ تحت عمر بن عبد العزیز)
(*البدایہ والنہایہ......ج۸،ص۱۳۹)
(۲)۔علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۶۹ھ) نے یہی بات نسیم الریاض ج۳ ص۴۷۵ پر تحریر فرمائی ہے۔
(۳)۔(احکامِ شریعت......ج۱ص۱۰۳)

بها وعضوا عليها بالنواجذ (۱)۔

''تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا اس لیے میری سُنّت اور میرے بعد خلفائے راشدین جو ہدایت یافتہ ہیں، کی سُنّت کو لازم پکڑو! اور اس کو دانتوں سے مضبوط تھام لو!''۔

مُصنّفِ نام ونسب مذکورہ بالا حدیثِ مبارکہ نقل کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''آنحضرت ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق اس کی سُنّت کا اتباع ضروری ہوگا، جس کے عہدِ اقتدار میں خلفائے راشدینؓ کی معنویت پائی جائے اور جس کے دورِ اقتدار میں خلافتِ راشدہ کا رنگ ڈھنگ نہ ہو اس کی سُنّت کا اتباع نہ کیا جائے گا اور پھر یہ حکم دورِ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ تک ہی محدود نہیں، اس کے مخاطبین اوّل صحابہؓ اور پھر قیامت تک آنے والی اُمّتِ مُسلمہ ہے (۲) اس تفصیلی جائزے سے ایک منصف مزاج اور ذی عقل انسان بنواُمیہ کی دینی حیثیت اور مقام کا خود اندازہ کرسکتا ہے، اگر اب بھی کوئی شک وشبہ ذہن کے کسی گوشے میں جاگزیں ہو جب کہ ہم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا تو ایسی صورت میں ان افراد کے لیے ہم بارگاہِ ایزدی میں یہی دعا کرسکتے ہیں......

ع بہ ایں بے حاصلاں یا دانشے یا مرگِ ناگاہے (۳)''۔

---

(۱)۔(*جامع ترمذی......ج۲ص۹۲، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ الخ)

(*سنن ابی داؤد......ج۲ص۲۷۹، کتاب السنۃ، باب فی لزم السنۃ)

(*مشکوٰۃ المصابیح......ص۳۰، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(*ابنِ ماجہ......ص۵، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین)

(*مستدرک حاکم......ج۱ص۹۵)

(۲)۔بالکل یہی بات جناب محمود احمد عباسی بھی فرماتے ہیں اور مُصنّفِ نام ونسب اس باب میں ضرور جناب عباسی کے ہم نوا وہم عقیدہ ہیں، عباسی صاحب حدیث فعلیکم بسنتی الخ کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

''جن لوگوں نے راشدون کی تعداد چار مقرر کردی ہے وہ بے دلیل ہے بلکہ اسے بھی چوتھی صدی ہجری کی اختراع کہنا چاہیے کیونکہ تمام نصوصِ صریحہ وثابتہ اور تعاملِ صحابہؓ کے خلاف ہے، راشدون کی نہ کوئی تعداد معیّن ہے اور نہ اس سلسلے میں زمانہ کی کوئی تحدید ہے بلکہ اس امر کی صراحت ہے کہ یہ سلسلہ صدیوں تک رہے گا''۔ (حقیقت خلافت وملوکیت......ص۱۱)

(۱)۔(نام ونسب......ص۵۵۵)

الجواب: مُصنّفِ نام و نسب نے اپنی کمالِ فیاضی اور زورِ اجتہاد سے پوری اُمّتِ مسلمہ کو (سوائے سیّدنا معاویہؓ کے) اس حدیثِ مبارکہ کے عموم میں داخل کر دیا ہے۔ حالانکہ کسی آیت یا حدیث کے عموم و خصوص کا فیصلہ اکابرِ علمائے امت، حضراتِ محدثین و فقہائے کرام رحمہم اللہ کا فریضہ ہے، خود مُصنّفِ نام و نسب بھی اصولی طور پر ہمارے اس بیان کو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ فسقِ یزید کے بیان میں حدیث ''مغفور لھم'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''(کسی) حدیث کا مطلب چودہ سو سال گزرنے کے بعد تبدیل نہیں ہوسکتا، شارحینِ حدیث جن کے قلوب مفہومِ حدیث کے امین تھے اور جنھوں نے حدیث کی خدمت و اشاعت میں اپنی پوری زندگیاں گزار دیں وہ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ حدیث کا مفہوم و مطلب بیان کریں [۱]''۔

ہمارا بھی مُصنّفِ نام و نسب کو یہی مشورہ ہے کہ کم از کم اپنی ہی کہی بات پر تو عمل کریں، آیے جمہور محدّثین کی تشریح و توضیح میں یہ معلوم کریں کہ (موعودہ) خلفائے راشدینؓ کتنے بزرگ ہیں؟ زیرِ بحث حدیث کے سلسلہ میں حضراتِ محدّثین کی تحقیق کیا ہے؟ اور کون کون سے بزرگ ان کے نزدیک اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں؟

حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کے مسلسل اور بلافصل جانشین ہیں، انھیں ائمہ اربعہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی خلافت مطلق حکومت نہیں، بلکہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے اور اُمّتِ مُسلمہ شروع ہی سے ان چار بزرگوں (یعنی حضراتِ شیخین و حضراتِ ختنین ﷺ) کو جانشینِ رسول ﷺ اور ان کی خلافت کو تتمۂ مصطفوی ﷺ سمجھتی آئی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ (م۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

> ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است [۲]۔
>
> ''خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت تھا''۔

سیّدنا حسن ﷺ کا عہد خلافتِ راشدہ کا تتمہ و تکملہ تھا اس سے مراد یہ نہیں کہ آپؓ کی

---

(۱)۔(نام و نسب.....ص۵۰۸)

(۲)۔(ازالۃ الخفاء.....ج۱ص۱۰۰)

خلافت خلفائے اربعہ کی طرح قرآن کی موعودہ خلافتِ راشدہ ہے، اسے خلافتِ راشدہ کا تتمہ اس لیے کہا گیا کہ خلافت راشدہ کے بعض مقاصد کی تکمیل (سیّدنا معاویہؓ کے ساتھ مصالحت، جس کی پیش گوئی حدیث شریف میں مذکور ہے) آپ کے عہدِ خلافت ہوئی تھی، دوسرا آپ کا عہدِ خلافت تامہ بھی نہیں تھا کیونکہ آپ نے قمیصِ خلافت اتار کر سیدنا معاویہ ؓ کے حوالہ کر دی۔ خود خلافت سے دستبردار ہو کر ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ سیدنا معاویہ ؓ کا عہدِ خلافت ایک مثالی عہدِ خلافت تھا۔ جس میں کتاب وسُنّت کو آئینی بالادستی حاصل تھی۔ لیکن آپ کا عقدِ خلافت استخلافاً نہیں بلکہ صلحاً وجود میں آیا تھا۔ خلافتِ راشدہ (موعودہ) کے لیے جن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے، وہ سوائے مہاجرین کے اور کسی میں نہیں پائے جاتے اور سوائے خلفائے اربعہ کے کوئی بھی خلیفہ ان صفات سے متصف نہیں ہے، اس لیے خلفائے راشدین ؓ صرف چار ہیں جو قرآن مجید کی آیت تمکین واستخلاف کا مصداق ہیں۔

ہاں! ان دونوں بزرگوں (یعنی حضرات حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما) کو ان کی صفات عالیہ اور رشد وہدایت کی بدولت حکماً خلیفۂ راشد کہہ سکتے ہیں، لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو (موعودہ) خلیفۂ راشد نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ خلافتِ راشدہ صرف مہاجرین اولین کے ساتھ خاص ہے اور حضراتِ حسن ومعاویہ رضی اللہ عنہما تمام تر فضائل وکمالات کے باوصف مہاجرین میں داخل نہیں ہیں۔ جن حضرات نے سیّدنا حسن، سیّدنا معاویہ اور حضرتِ عمر بن عبدالعزیز ؒ کو خلیفۂ راشد کہا ہے وہ "حکماً" کہا ہے۔ ورنہ یہ بات ہر ایک کے نزدیک مُسلّم ہے کہ اصطلاحاً خلیفۂ راشد صرف چار ہیں، قایدِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ (م۱۴۲۴ھ) آیتِ تمکین وآیتِ استخلاف کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

"آیتِ تمکین [1] میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہؓ کے متعلق ایک

---

(۱)—اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. (الحج:۴۰-۴۱)

"وہ لوگ جن کو نکالا ان کے گھروں سے اور دعویٰ کچھ نہیں اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ ان لوگوں کو ایک دوسرے سے تو ڈھا جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادت خانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے =

اعلان فرمایا ہے (جن کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا تھا اور وہ رسول اکرم ﷺ کے حکم کے تحت مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تھے) کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت واقتدار دے دیں تو وہ ضرور ان چار کاموں کی تکمیل کریں گے اور چونکہ ان مہاجرین صحابہ کرام میں سے آنحضرت ﷺ کے بعد صرف ان چار اصحاب ہی کو ملکی اقتدار عطا فرمایا ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ ﷺ، اس لیے حسبِ اعلان خداوندی قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے یہ قطعی عقیدہ لازم ہے کہ ان چاروں خلفاء نے ضرور وہ کام سرانجام دیے ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی اقامتِ صلوۃ، ایتاءِ زکوۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اگر کوئی شخص باوجود اس اعلانِ خداوندی کے ان خلفائے اربعہ کو برحق نہیں تسلیم کرتا تو وہ اس آیت کا منکر ہے اور اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا مذکورہ اعلان صحیح ثابت نہیں ہوا - العیاذ باللہ - اور اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں لیا جاسکتا کہ مذکورہ تمکین واقتدار کا وعدہ مابعد کے خلفائے کے لیے ہے کیونکہ یہ اعلان الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ کے لیے ہے جو مہاجرین صحابہ ہیں اور سوائے ان چار خلفائے کے صحابہ میں سے اور کسی مہاجر صحابی کو خلافت نہیں ملی، اسی بناء پر ان چاروں خلفاء کی خلافت کو خصوصی طور پر خلافتِ راشدہ کہتے ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت ہے اور یہ خلافت ان چار یار ہی میں منحصر ہے...... اسی طرح آیتِ استخلاف [1] میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ایمان وعملِ صالح والے

=اللہ کا بہت، اور اللہ مقرر کر دے گا اس کی جو مدد کرے گا اس کی، بے شک اللہ زبردست زور والا، وہ لوگ کہ اگر ہم قدرت دیں ملک میں تو قائم رکھیں نماز اور دیں زکوۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام"۔

(۱)—وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ . (النور:۵۵)=

صحابہ کرام ؓ کو خلیفہ بنانے کا وعدہ فرمایا ہے جو اس آیت کے نازل ہونے کے وقت موجود تھے جس پر لفظ ''منکم'' دلالت کرتا ہے اور چونکہ نبی کریم رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد مہاجرین صحابہ میں سے بالترتیب صرف حضرتِ ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوا لنورین اور حضرت علی المرتضی ؓ کو ہی خلافت اور جانشینی کا عظیم شرف نصیب ہوا ہے، اس لیے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن خلفاء کے متعلق اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا وہ یہی چار ہیں اور ان کی خلافتِ قرآن کی موعودہ خلافت ہے اور اگر ان چاروں خلفاء کو اس آیت کا مصداق نہ قرار دیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ثابت نہیں ہو سکتا اور آیت میں ''منکم'' کی قید کی وجہ سے بعد کے خلفاء اس آیت کا مصداق قرار نہیں دیے جا سکتے خواہ حضرت امام حسن ؓ ہوں یا حضرت امیر معاویہ ؓ اور خواہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوں یا قربِ قیامت میں پیدا ہونے والے حضرت مہدی ؒ جو اُمّتِ محمدیہ ﷺ کے آخری ہادی اور مجدد ہوں گے اور جن کی عادلانہ اسلامی حکومت کے بارے میں احادیث میں پیش گوئی موجود ہے ان مابعد خلفاء کو بعض حضرات نے جو خلفائے راشدین میں شمار کیا ہے تو وہ لغوی معنی میں ہے کہ ان کی حکومتیں بھی برحق خلافتیں ہیں اور وہ بھی رشد و ہدایت والے ہیں لیکن اصل خلفائے راشدین یہی خلفائے اربعہ (چار یار) ہیں جو قرآن کی موعودہ خلافت کا صحیح مصداق ہیں اور ان کے بعد آنے والے خلفاء اس آیت کے موعودہ خلفاء نہیں قرار دیے جا سکتے کیونکہ حسبِ آیتِ تمکین اس آیتِ استخلاف سے مراد بھی وہی خلفاء ہیں جو مہاجرین صحابہ ؓ میں سے ہوں گے (۱)۔

= ''وعدہ کر لیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ بعد کو حاکم کر دے گا ان کو ملک میں، جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو، اور جما دے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن، میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان''۔

(۱)۔(سُنّی موقف......۵۲،۵۳، تحت آیت استخلاف)

خلفائے راشدین چار ہیں:

اب ہم اپنے بیان کے اثبات میں (کہ خلفائے راشدین صرف چار ہیں) چند مُسلَّم اکابر کے اقوال درج کرتے ہیں:

(۱) حضرتِ امام طحاوی رحمہ اللہ:

حضرتِ امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ (م ۳۲۱ھ) عقیدۂ خلافت کے ذیل میں ارقام فرماتے ہیں:

ونثبت الخلافة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم اولاً لأبى بكر الصديق رضى الله عنه تفضيلاً له وتقديما على جميع الامة ثم لعمر بن الخطاب رضى الله عنه ثم لعثمان رضى الله عنه ثم لعلى بن ابى طالب رضى الله عنه وهم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون[1].

''اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں بایں طور پر کہ آپ کو تمام اُمت پر تفضیل وتقدیم حاصل ہے، پھر ان کے بعد سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور پھر سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت ثابت کرتے ہیں اور یہی خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں''۔

(۲) حضرتِ امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ:

حضرتِ امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ) لکھتے ہیں:

ونتولى سائر أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم ونكف عما شجر بينهم وندين الله بأن الائمة الاربعة خلفاء راشدون مهديون فضلا لايوازيهم فى الفضل غيرهم[2].

---

(۱)-(عقیدۃ الطحاویۃ......ص ۱۱)

(۲)-(کتاب الابانۃ......ص ۱۱، باب فی ابانۃ قول اھل الحق والسنۃ)

''اور ہم سب صحابہؓ سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں ہوئے اختلافات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور خدا کے حضور اقرار کرتے ہیں کہ یہ ائمہ اربعہ ہی خلفائے راشدین ومہدیین ہیں اور کوئی بھی فضیلت میں ان کی برابری نہیں کرسکتا''۔

(۳) حضرتِ امام ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ:

حضرتِ امام ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ (م۴۰۳ھ) عقائدِ اہلِ سُنّت والجماعت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

یعرفون حق السلف الذین اختارھم اللہ سبحان لصحبة نبیه صلی اللہ علیه وسلم ویاخذون بفضائلھم ویمسکون عما شجر بینھم صغیرھم وکبیرھم ویقدمون ابابکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیا رضوان اللہ علیھم ویقرون انھم الخلفاء الراشدون المھدیون افضل الناس کلھم بعد النبی ویصدقون بالاحادیث التی جاء ت عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم (۱).

''اہلِ سُنّت والجماعت ان اسلاف کا حق پہچانتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے منتخب فرمایا تھا، وہ ان کے فضائل سے تمسک کرتے ہیں اور جو اختلاف ان میں چلے خواہ چھوٹوں میں یا بڑوں میں وہ اختلافات (میں بحث) سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں اور حضرتِ ابوبکر صدیق ﷺ کو سب سے مقدم سمجھتے ہیں، پھر حضرتِ عمر فاروق ﷺ کو، پھر حضرتِ عثمان غنی ﷺ کو اور پھر حضرتِ علی المرتضیٰ ﷺ کو اور اقرار کرتے ہیں کہ یہی خلفائے راشدین ومہدیین ہیں اور نبی اکرم ﷺ کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں اور اہلِ سُنّت ان تمام احادیث کی تصدیق کرتے ہیں جو حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہیں''۔

---

(۱)۔(کتاب التمہید ......ص۲۹۵،بحوالہ عبقات......ص۲۸۷)

(۴) حضرتِ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ:

حضرتِ شیخ غوث الاعظم جیلانی رحمہ اللہ (م۵۶۱ھ) لکھتے ہیں:

أفضل هولاء العشرة الأبرار الخلفاء الراشدون الأربعة الأخيار، وأفضل الأربعة ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم ولهؤلاء الاربعة الخلافة بعد النبى صلى الله عليه وسلم ثلثون سنة [1].

''ان دس نیک افراد میں سے اچھے افضل چاروں خلفائے راشدین ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں اور ان چار میں سب سے افضل حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ، پھر حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ، پھر حضرتِ رضی اللہ عنہ اوران چاروں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت تیس سال ہے''۔

(۵) حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ:

حافظ ابنِ عساکر الدمشقی رحمہ اللہ (۵۷۱ھ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہلِ سُنّت والجماعت کا عقیدہ ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

وندين بحب السلف الذين اختارهم الله لصحبة نبيه ونثنى عليهم بما اثنى الله عليهم ونتولاهم ونقول ان الامام بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ابوبكر رضى الله عنه وان الله اعزبه الدين واظهره على المرتدين وقدمه المسلمون للامامة بما قدمه رسول الله صلى الله عليه وسلم للصلوٰة ثم عمر بن الخطاب رضى اللهعنه ثم عثمان رضى الله عنه نضر الله وجهه قتله قاتلوه ظلماً وعدواناً ثم على بن ابى طالب رضى اللهعنه

---

(۱)۔(غنیۃ الطالبین......ص۷۵)

فهولاء الائمة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلافتهم خلافة النبوة، ونشهد للعشره بالجنة الذين شهدلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالجنة ونتولىٰ سائر اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ونكف عما شجر بينهم وندين ان الائمة الاربعة راشدون مهديون فضلاً لايوازيهم في الفضل غيرهم وتصديق بجميع الروايات التي ثبتها اهل النقل[1].

''اور ہم سلف کی محبت کا دین رکھتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے چنا تھا اور ہم ان کی صفت وثنا کرتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت وثنا کی اور ہم ان سے تولاّ کا تعلق رکھتے ہیں (تبرّا کا نہیں) اور ہم کہتے ہیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے بعد امام برحق حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے دین کو غلبہ دیا اور انہیں مرتدین پر غالب کیا اور مسلمانوں نے انہیں اسی طرح خلافت میں آگے کیا، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے انہیں نماز میں آگے کیا، پھر امامِ برحق حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے چہرہ کو رونق بخشے۔ آپ کو آپ کے قاتلین نے ظلم وتعدّی سے قتل کیا، پھر امامِ برحق حضرتِ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ سو رسول اللہ ﷺ کے بعد یہی ائمہ ہیں اور ان کی حکومت خلافتِ نبوّت تھی اور ہم ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے جنت کی شہادت دیتے ہیں، جن کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جنت کی شہادت دی اور ہم سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے تولاّ (دوستی) کا تعلق رکھتے ہیں اور ان میں جو بھی اختلاف ہوئے ان سے اپنے آپ کو روکتے ہیں اور ہم بارگاہِ خداوندی میں اقرار کرتے ہیں کہ یہ ائمہ اربعہ ہی راشدین ومہدیین ہیں اور کوئی بھی فضیلت میں ان کی برابری نہیں کرسکتا اور ہم ان احادیث کو مانتے ہیں جنہیں محدّثین نے مانا ہے''۔

(۱)۔(تبیین کذب المفتری ..... ص ۱۶۰۔۱۶۱، باب ماوصف من مجانبته لأهل البدع وجهاده الخ)

(۶) حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ:

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

وقد وجدمنهم اربعة على الولاء وهم ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي رضي الله عنهم ثم كانت بعدهم فترة ثم وجد منهم من شاء الله [۱].

''اور ان میں سے چار علی الاتصال خلافت پر پائے گئے اور وہ حضرتِ ابوبکر، پھر حضرتِ عمر، پھر حضرتِ عثمان، پھر حضرتِ علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ پھر ان کے بعد یہ اتصال رک گیا، پھر ان میں سے خلافت پر وہ پائے گئے جن کو اللہ نے چاہا''۔

(۷) حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ:

حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں:

وعلى آخر الخلفاء الراشدين الذين ولايتهم خلافة نبوة ورحمة [۲].

''اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہ آخری خلیفۂ راشد تھے جن کی سلطنتِ نبوّت ورحمت کی خلافت تھی''۔

(۸) حافظ ابنِ ہمام رحمہ اللہ:

حافظ کمال الدین بن ہمام رحمہ اللہ (م ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں:

ان الخليفة الحق بعد محمد صلى الله عليه وسلم ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم علي والتفضيل على هذا الترتيب [۳].

---

(۱)-(تفسیر ابنِ کثیر......ج ۳ ص ۳۰۱ تحت سورۃ النور آیت ۵۵)

(۲)-(منہاج السنۃ......ج ۴ ص ۱۲۱ فصل وھنا طریق یمکن سلوکھا لمن لم تکن لہ معرفۃ......الخ)

(۳)-(المسامرۃ............)

''حضرتِ محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد خلیفۂ برحق حضرتِ ابوبکر ﷛ ہیں، پھر حضرتِ عمر ﷛، پھر حضرتِ عثمان ﷛، پھر حضرتِ علی ﷛ ہیں اور ان حضرات کی افضلیت ان کی ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے''۔

(۹) حضرتِ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمہ اللہ:

امام الہند حضرتِ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) لکھتے ہیں:

وابوبکر امام حق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم ثم تمت الخلافۃ [۱]۔

''اور رسول اللہ ﷺ کے بعد امامِ برحق حضرتِ ابوبکر ﷛ ہیں، پھر حضرتِ عمر ﷛، پھر حضرتِ عثمان ﷛ اور پھر حضرتِ علی ﷛ ہیں، پھر خلافتِ راشدہ اپنے انتہا کو جا پہنچی''۔

(۱۰) حضرتِ مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ:

حجۃ الاسلام حضرتِ مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہ (م ۱۲۹۷ھ) لکھتے ہیں:

''اور یہ سچ ہے کہ سُنّی اصحابِ اربعہ چار یار کو بترتیبِ معلوم جانشینِ حضرتِ سیّد المرسلین ﷺ سمجھتے ہیں اور خلیفۂ راشد (موعود علیٰ منہاج النبوۃ) اعتقاد کرتے ہیں [۲]''۔

نیز ''اہلِ سُنّت گو سب کو خلیفہ کہیں پر خلیفۂ برحق اور خلیفۂ راشد چار کو سمجھتے ہیں [۳]''۔

(۱۱) حضرتِ مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ:

مفتیِ اقلیمِ ہند حضرتِ مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۲ھ) لکھتے ہیں:

---

(۱) (تفہیمات الٰہیہ......ج ۱ص ۱۲۸)

(۲)-(اجوبہ اربعین......ص ۱۸۵)

(۳)-(ایضاً......ص ۱۸۷)

”حضورِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضورِ اکرم ﷺ کے قائم مقام بنائے گئے۔ اس لیے یہ خلیفہ اوّل ہیں، ان کے بعد حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ ہوئے، ان کے بعد حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ ہوئے، ان کے بعد حضرتِ علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور چار یار کہتے ہیں(۱)“۔

(۱۲) حضرتِ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ:

امامِ اہلِ سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۳ھ) لکھتے ہیں:

”بعض علمائے کرام نے خلفائے راشدین میں حضرتِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرتِ امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرتِ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کا اضافہ کیا ہے۔ مگر میں نے باتباعِ جمہور حضرتِ علی رضی اللہ عنہ پر خلافتِ راشدہ کو اس لیے ختم کر دیا کہ حضرتِ امامِ حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف چھ ماہ رہی پھر اُنھوں نے خود ہی خلافت کی باگ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی اور خود بھی ان سے بیعت کر لی اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابیِ رسول ﷺ ہونے کے سبب سے صاحبِ فضائل ہیں مگر بایں ہمہ ان کو خلفائے راشدین میں شمار کرنا خلافِ تحقیق ہے، خلافتِ راشدہ کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ سوائے مہاجرین کے اور کسی میں نہیں پائے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں ہیں(۲)“۔

بفضلہٖ تعالیٰ اکابر علمائے کرام رحمہم اللہ کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ خلفائے راشدین صرف چار ہیں۔

---

(۱)۔ (تعلیم الاسلام...... حصہ سوم، ص ۲۷ تحت صحابہ کرام کا بیان)

(۲)۔ (خلفائے راشدینؓ...... ص ۲۳۸، ۲۳۹ تحت خاتمۃ الکتاب)

حدیث اتباع سنة الخلفاء الراشدین مھدیین :

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن مجید کی آیتِ تمکین وآیتِ استخلاف کے وعدہ کے مطابق مہاجرین صحابہؓ میں سے خلفائے اربعہ ہی منصبِ خلافت سے نوازے گئے، اور اکابر علماء اور جمہور محدثین کے نزدیک خلفائے راشدین سے مراد خلفائے اربعہ ہیں، تو یہ بھی از خود معلوم ہوگیا کہ حدیث شریف فعلیکم بسنتی الخ کے مصداق بھی حضراتِ خلفائے اربعہ ہی ہیں، لیکن پھر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بیان کے اثبات میں اکابر محدّثین رحمہم اللہ (جو مُصنّفِ نام ونسب کے بقول حدیث کا مفہوم ومطلب بیان کرنے کے زیادہ مستحق ہیں) کے چند اقوال درج کردیے جائیں کہ زیرِ بحث حدیث شریف میں جن بزرگوں کی اتباع واقتدا کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد خلفائے اربعہ ہی ہیں۔

(۱) حافظ ابنِ عبدالبر رحمہ اللہ:

حضرتِ حافظ ابنِ عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:

وقال رسول الله ﷺ عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين بعد، وهم أبوبكر وعمر وعثمان وعلي فسماهم خلفاء وقال الخلافة بعد ثلاثون سنة ثم تكون أمرة وملكاوجبروتا فتضمنت مدة الخلافة الأربعة المذكورين رضوان الله عليهم اجعمين[1].

حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری سُنّت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سُنّت کو لازم پکڑو!، اور وہ (خلفائے راشدین) حضرتِ ابوبکر صدیق، حضرتِ عمر، حضرتِ عثمان اور حضرتِ علی ؓ ہیں اور انہی کا نام خلفاء ہے اور فرمایا خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی پھر امارت، بادشاہت اور جابرانہ طاقت ہوگی پس (تیس برس کی) مدّتِ خلافت چار مذکورہ صحابہ کو متضمن (شامل) ہے“

(۱)۔(التمھید لما فی الموطا من المعانی والمسانید......ج ۳ ص ۲۸۵، تحت محمد بن شہاب زہری)

(۲) امام جلال الدّین السیّوطی رحمہ اللہ:

حضرتِ امام جلال الدّین السیّوطی رحمہ اللہ (م۹۱۱ھ) اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

هذا من الاخبار بالغيب من خلافة الائمة اربعة ابى بكر و عمر و عثمان وعلى رضى الله عنهم[1].

''یہ حدیث ائمہ اربعہ حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی ﷡ کی خلافت کی ایک غیبی خبر ہے''۔

(۳) حضرتِ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (م۵۴۳ھ):

حضرتِ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ (م۵۴۳ھ) شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

وهم الاربعة بإجماع أبوبكر و عمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم[2].

''اور خلفائے راشدین ﷡ بالاجماع چار ہیں یعنی حضرتِ ابوبکر، حضرتِ عمر، حضرتِ عثمان، اور حضرتِ علی ﷡''۔

(۴) حضرتِ امام شرف الدّین محمد الطیبی رحمہ اللہ (م۷۴۳ھ):

حضرتِ امام شرف الدّین محمد الطیبی رحمہ اللہ (م۷۴۳ھ) شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

والمراد بالخلفاء الراشدين ابوبكر و عمر و عثمان و على رضى الله عنهم[3].

''اور خلفائے راشدین سے مراد حضرتِ ابوبکر، حضرتِ عمر، حضرتِ عثمان، اور حضرتِ علی ﷡ ہیں''۔

---

(۱)۔(مرقاۃ الصعود بحوالہ حاشیہ ابی داؤد......ج۲ص۶۳۵)

(۲)۔(عارضۃ الاحوذی......ج ص۱۰۶، کتاب العلم، باب ماجآء فی الاخذ بالسنۃ الخ)

(۳)۔(شرح الطیبی......ج۲ص۶۳۴)

(۵) حضرتِ ملا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ):

حضرتِ ملا علی قاری رحمہ اللہ (م ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

قیل ھم الخلفاء الاربعة ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الخلافة بعدی ثلاثون سنة وقد انتھی بخلافة علی کرم اللہ وجھہ[1].

''اور (اس حدیث کے تحت) یہ کہا گیا ہے کہ وہ (یعنی خلفائے راشدین ومہدیین) خلفائے اربعہ حضرتِ ابوبکر، حضرتِ عمر، حضرتِ عثمان اور حضرتِ علی رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی یہ مدت حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہوگئی''۔

(۶) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ):

معروف اہلِ حدیث (باصطلاحِ جدید) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری (م ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں:

قیل ھم الخلفاء الاربعة ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنھم لأنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الخلافة بعدی ثلاثون سنة وقد انتھت بخلافة علی کرم اللہ وجھہ[2].

''اور (اس حدیث کے تحت) یہ کہا گیا ہے کہ وہ (یعنی خلفائے راشدین ومہدیین) خلفائے اربعہ حضراتِ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی یہ مدت حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ختم ہو جاتی ہے''۔

(۷) علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۹ھ):

علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ (م ۱۳۲۹ھ) لکھتے ہیں:

---

(۱)۔(مرقاۃ المفاتیح ...... ج۱ص ۳۷۳، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الخ)
(۲)۔(تحفۃ الاحوذی ..... ج۷ص ۴۷۵، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ الخ)

والخلفاء ابوبکر وعمر و عثمان و علی رضی الله عنهم (۱)

''اور خلفاء (سے مراد) حضرتِ ابوبکر، حضرتِ عمر، حضرتِ عثمان اور حضرتِ علی ؓ ہیں''۔

(۷) حضرتِ مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ (م ۱۳۹۴ھ):

حضرتِ مولانا ادریس کاندھلوی قدس سرہ (م ۱۳۹۴ھ) لکھتے ہیں:

المعنیون بهذا القول هم الخلفاء الاربعة لانه قال فی حدیث آخر الخلافة بعدی ثلاثون سنة وقد انتهت الثلاثون بخلافة علی رضی الله عنه (۲).

''اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ وہ خلفائے راشدین مہدیین خلفائے اربعہ ہیں، اس لیے کہ ایک اور حدیث میں آپ ؐ کا ارشاد ہے کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی اور یہ تیس سال سیدنا علی ؓ کی خلافت پر پورے ہوگئے''۔

مندرجۂ بالا تفصیل سے یہ بات آئینہ ہوگئی کہ جمہور محدثین رحمہم اللہ کے نزدیک خلافتِ راشدہ (موعودہ) چار بزرگوں ہی میں منحصر ہے اور چاروں کے سوا کوئی بھی موعود خلیفۂ راشد نہیں ہے۔ خواہ وہ سیّدنا حسن ؓ ہوں یا سیّدنا معاویہ ؓ و عمر بن عبدالعزیز ؒ ــــ سو مُصنّف نام و نسب کا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سمیت قیامت تک کے نیک خلفاء کو اس حدیث کے عموم میں داخل کرنا اکابر محدثین کی تشریح کی رو سے باطل اور مردود ہے۔

دوسرے اگر تھوڑی دیر کے لیے مُصنّفِ نام و نسب کی یہ بات مان بھی لی جائے کہ وہ دیگر خلفاء جن کے عہدِ خلافت میں خلافتِ راشدہ کا رنگ ڈھنگ ہو وہ بھی اس حدیث کے عموم میں داخل ہیں اور بالتبع وہ بھی واجب الاتباع ہیں تو اس حدیث کی رو سے حضرت معاویہ ؓ کی سنت کا اتباع اُمتِ مُسلمہ پر یقیناً بلکہ بالاولیٰ واجب ہے۔ کیونکہ ہم صفحاتِ گزشتہ میں سیّدہ عائشہ سلام اللہ علیہا،

(۱)۔ (عون المعبود ...... ج ۱۲ ص ۲۵۳: کتاب السنۃ)

(۲)۔ (التعلیق الصبیح ...... ج ۱ ص ۲۰۳، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الخ)

حضرتِ علامہ ابنِ خلدون رحمہ اللہ، حضرتِ مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ، جناب فیض احمد صاحب اویسی بریلوی اور جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تصریحات سے اس بات پر ٹھوس ثبوت پیش کر آئے جاتی ہے،

ہیں کہ حضرتِ معاویہ ؓ کے عہدِ خلافت میں خلافتِ راشدہ سے مشابہت پائی چنانچہ ان تصریحات نے مُصنّف موصوف کے اس مفروضہ ہی کو غلط ثابت کردیا کہ سیّدنا معاویہ ؓ کا عہدِ حکومتِ خلافت راشدہ کی مشابہت سے خالی ہے۔ جناب احمد رضا خان صاحب تو صراحتاً حضرت معاویہ ؓ کے عہدِ خلافت کو خلافتِ راشدہ میں شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر حدیث **فعلیکم بسنتی الخ** کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کا اتباع لازم ہے تو حضرت معاویہ ؓ کا اتباع بطریقِ اولیٰ لازم ہے۔

تیسرے یہ کہ تھوڑی دیر کے لیے مان لیجیے کہ حضرتِ معاویہ ؓ کا عہدِ خلافت، خلافتِ راشدہ کی مشابہت سے خالی تھا تو اس سے ان کی خلافت کا عدم اتباع کہاں سے ثابت ہوتا ہے؟ خلافتِ غیر راشدہ کا خلافتِ غیر اسلامیہ ہونا کہاں سے معلوم ہوا ہے؟

اور حدیث فعلیکم بسنتی کو بنیاد بنا کر دوسرے خلفاء کی خلافت کے اچھے کاموں کو بھی لائق عدم اتباع ٹھہرانا کہاں تک درست ہے؟ اس حدیث میں یہ تو نہیں فرمایا گیا کہ تم خلفائے راشدین ؓ کے سوا کسی اور کی اتباع نہ کرنا۔ اگر یہی بات ہے تو حدیث میں آتا ہے:

اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر و اهتدوا به عمار وتمسکوا بعهد ابن مسعود (۱).

''میرے بعد میرے اصحاب میں سے دو صاحبوں یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی اقتدا کرنا، عمارؓ کی ہدایت سے ہدایت پانا اور ابنِ مسعودؓ کے طریقہ کو تھامے رکھنا''۔

تو کیا اس حدیث سے کوئی کم فہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ اب ہم پر حضرتِ علی ؓ کی اقتدا و اتباع لازم نہیں ہے، ہم حضرتِ علی ؓ کی راہ سے ہدایت نہیں پاسکتے اور طریقۂ علی ؓ سے تمسک حاصل نہیں کرسکتے۔ اسی طرح حدیث میں ہے:

---

(۱)۔(رواہ الترمذی، مشکوۃ..... ص ۵۷۸)

استقرءوا من اربعة : من عبدالله بن مسعود وسالم مولی ابی حذیفة وأبی بن کعب ومعاذ بن جبل [1].

''قرآن کریم کو چار حضرات سے حاصل کرو اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ، سالمؓ، ابی بن کعبؓ اور معاذ بن جبلؓ ہیں''۔

اب اگر اس سے کوئی یہ مطلب نکالے کہ بس قرآن انہی چار حضرات سے سیکھو۔ حضرت علی ﷛ سے مت سیکھو۔ تو آپ ایسے شخص کو عاقل و فہیم کہیں گے یا احمق و جاہل کہیں گے؟

سیّدنا معاویہ ﷛ کا دور خلافتِ راشدہ کی مشابہت سے خالی ہے خود یہ کس کا قول ہے؟ اور اس کی کیا حیثیت ہے؟ جب ان کا اتباع کتاب وسُنّت سے ثابت ہے تو پھر اس مرجوح و مجہول قول کے ساتھ استدلال کیسا؟

ہمارے نزدیک جو فرق خود حضرتِ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور سیّدنا معاویہ ﷛ کے درمیان ہے وہی فرق ان کی خلافتوں کے مابین ہے۔ مشہور محدّث اور فقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کسی نے دریافت کیا کہ سیّدنا معاویہ ﷛ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز؟ تو انہوں نے فرمایا:

واللہ إن الغبار الذی دخل فی أنف فرس معاویة مع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أفضل من عمر بألف مرة، صلی معاویة خلف رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : سمع اللہ لمن حمده فقال معاویه ﷛ ربنا لک الحمد فما بعد هذا الشرف الأعظم [2].

''اللہ کی قسم! وہ غبار جو نبی اکرم ﷺ کی معیت میں سیّدنا معاویہ ﷛ کے گھوڑے کے نتھنوں میں داخل ہوئی وہ بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار

---

(۱)۔(٭ مشکوۃ المصابیح ......ص۵۷۴،باب جامع المناقب)
(٭ صحیح بخاری ......ج۱ص۵۳۱،باب مناقب عبداللہ بن مسعود)
(٭ صحیح مسلم ......ج۲ص۲۹۳،باب من فضائل عبداللہ بن مسعود)
(۲)۔(تطہیر الجنان واللسان ......ص۱۰۱،الفصل الثانی بحث فی فضائلہ ومناقبہ وخصوصیاتہ الخ)

درجہ افضل ہے۔ سیّدنا معاویہ ؓ نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں نمازیں ادا کیں ،آپ ﷺ نے جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو سیّدنا معاویہ ؓ اس کے جواب میں ربنا لک الحمد کہتے تھے۔اس کے بعد اس سے بڑا شرف اور کیا ہو سکتا ہے؟''

اسی طرح کا ایک واقعہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت معافی بن عمران رحمہ اللہ (م ۱۸۵ھ) سے پوچھا کہ سیّدنا معاویہ ؓ کے سامنے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کیا مقام ہے؟

فغضب غضبا شديدا وقال لايقاس بأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحد، معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وأمينه على وحي الله [1].

''معافی بن عمران سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا، اصحاب نبی ﷺ کے مقابلہ میں کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا، سیّدنا معاویہ ؓ آنحضرت ﷺ کے صحابی، سسرالی رشتہ دار، آپ ﷺ کے کاتب اور وحی الٰہی پر آپ ﷺ کے امین تھے''۔

اگر حضرتِ معاویہ ؓ کی خلافت، خلافتِ راشدہ کی مشابہت سے خالی ہے، تب بھی ان کی سُنّت کا اتباع قرآن وحدیث اور فقہاو مجتہدین کی تصریحات سے لازم ہے۔ کیونکہ وہ جلیل القدر اور مجتہد صحابی ہیں اور صحابی کا قول و فعل اُمّت کے لیے حجت اور لائقِ اتباع ہے۔

(ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد [2]، مشکوۃ [3]، جامع الاصول [4]، مسند ابی داوٗد الطیالسی [5]، ابوداوٗد [6]، کشف الاسرار [7]، اعلام الموقعین [8])

لمحۂ فکریہ:

آخر میں پُرنم آنکھوں، سوختہ دل اور لرزتے ہاتھوں کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ مُصنّفِ ''نام ونسب'' کے نزدیک -معاذ اللہ ثم معاذ اللہ- سیدنا معاویہ ؓ کی شخصیت اور ان کا کردار اتنا ''بُرا'' ہے

---

(۱)-(ایضاً.....ص ۱۰)

(۲)-ج ۱ ص ۱۷۸، (۳)-ص ۵۵۳ (۴)-ج ۸ ص ۵۵۵ (۵)-ص ۳۳ (۶)-ج ۲ ص ۶۳۳

(۷)-ج ۲ ص ۱۰۳ (۸)-ج ۴ ص ۱۲۰۔

اور اس نے بنواُمیہ کی دینی حیثیت اور اس کے مقام کو اتنا مجروح کر دیا ہے کہ خلیفۂ راشد سیّدنا عثمان ذوالنورین ﷛ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ باوجود اُموی ہونے کے (مُصنّفِ ''نام ونسب'' کے نزدیک) بنواُمیہ کی دینی حیثیت اور مقام میں کوئی اضافہ نہ کر سکے اور مُصنّف کو اپنے اس بیان کی حقانیت اور صداقت (جس کے بارے میں ان کا کہنا ہے ''ہم نے اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہا'') پر ایسا یقین ہے کہ جو ''غیر منصف مزاج'' اور ''غیر ذی عقل'' مُصنّف کے اس بیان کے خلاف اپنے ذہن کے کسی گوشہ میں کوئی شک وشبہ بھی رکھے تو وہ ان کی اس دعا (یا بددعا) کا مستحق ہے:

''بہ ایں بے حاصلاں یادانشے یا مرگِ ناگاہے''

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ''کتابتِ وحی''

مُصنفِ نام ونسب ''اعلامِ متنِ کتاب کے سنینِ وفات'' میں حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> ''امیرِ معاویہؓ بن ابی سفیانؓ: امارتِ بنواُمیّہ کے بانی، بعض خطوطِ نبویّہ کے کاتب تھے، البتہ صحیح قول کے مطابق کاتبِ وحی نہ تھے (۱)''۔

الجواب: جب اسلام آیا تو قریشِ مکّہ میں سے صرف سترہ افراد نوشت وخواند اور تحریر کا فن جانتے تھے، مؤرّخ بلاذری (م۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:

> **دخل الاسلام وفی قریش سبعة عشر رجلا کلهم یکتب عمربن الخطابؓ وعلی بن ابی طالبؓ وعثمان بن عفّانؓ وابو عبیده بن الجراحؓ وطلحةؓ ویزید بن ابی سفیانؓ وابوسفیان بن حربؓ بن أمیه ومعاویةؓ بن ابی سفیانؓ (۲)**۔

> ''جب اسلام آیا تو قریشِ مکّہ میں سترہ افراد ایسے تھے جو نوشت وخواند کا فن جانتے تھے، ان افراد میں حضرتِ عمرؓ، حضرتِ علیؓ، حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرتِ طلحہؓ، حضرتِ یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرتِ معاویہؓ شامل ہیں''۔

ان کاتبین کی فہرست میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا مقام تھا، مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم فرماتے ہیں:

> ''دینی علوم کے علاوہ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ عرب کے مروّجہ علوم میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے، چنانچہ کتابت میں جس سے عرب تقریباً ناآشنا تھے، معاویہ

---

(۱)۔(نام ونسب......ص۸۸۱)

(۲)۔(فتوح البلدان للبلاذری......ص۴۷۷ تحت امر الخط)

ؓ کو پوری مہارت تھی، اور اسی وصف کی بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنا خاص کاتب مقرر فرمایا تھا[۱]''۔

مجمع الزّوائد میں ہے:

ان معاوية كان يكتب بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم رواه الطبراني واسناده حسن[۲].

''حضرت معاویہؓ آنحضرت ﷺ کے سامنے لکھا کرتے تھے''۔

سیرت کی کتابوں میں جہاں کاتبینِ نبوی ﷺ کا ذکر ہے وہاں سیّدنا معاویہؓ کا اسمِ گرامی بھی موجود ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے:

الاستیعاب[۳]......زاد المعاد[۴]......الاصابہ[۵]......مسند احمد[۶]......۔

مصنفِ نام ونسب کا کہنا ہے کہ ''صحیح قول کے مطابق حضرتِ معاویہؓ کاتبِ وحی نہ تھے''۔

ذیل میں ہم چند اکابر محدّثین ومؤرخین کے حوالہ جات پیش کر دیتے ہیں جو سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''کاتبِ وحی'' تسلیم کرتے ہیں:

(۱) حافظ ابنِ حزم اُندلسی رحمہ اللہ (م ۴۵۶ھ):

كان زيد بن ثابت من ألزم الناس لذلك ثم تلاه معاوية بعد الفتح . فكانا ملازمين للكتابة بين يديه ﷺ فى الوحى وغير ذلك ، لاعمل لهما غير ذلك[۷].

''حضرتِ زید بن ثابتؓ ''کتابتِ وحی'' پر سب سے زیادہ ذمہ داری کے ساتھ لگے رہے، فتحِ مکّہ کے بعد پھر حضرتِ معاویہؓ نے بھی اس

---

(۱)-(سیر الصحابہ...... ج ۶ ص ۱۳۱، حضرت امیر معاویہؓ تحت کتابت)

(۲)-(مجمع الزوائد......ج ۹ ص ۵۹۶، باب ماجاء معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۳)-ج ۳ ص ۴۷۰۔۴۷۱، (۴)-ج ۱ ص ۳۰،

(۵)-ج ۶ ص ۱۲۱، (۶)-ج ۱ ص ۳۲۵، ۲۹۱

(۷)-(جوامع السیرۃ......ص ۲۷ تحت کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم)

کام کو لازمی درجہ میں اختیار کرلیا، یہ دونوں حضرات حضور ﷺ کے سامنے ہر وقت موجود رہتے کہ ''کتابتِ وحی'' ہو یا حضور ﷺ کی کوئی بات یہ دونوں لکھ لیا کریں، اس کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہ تھا''۔

(۲) حافظ ابوبکر بن الخطیب بغدادی رحمہ اللہ (م ۴۶۳ھ):

معاوية صاحبه وصهره وكاتبه وأمينه على وحى الله عزوجل [1].

'' حضرتِ معاویہ ﷛ آنحضرت ﷺ کے صحابیؓ، سسرالی رشتہ دار، کاتب اور ''وحی الٰہی'' پر آپ ﷺ کے امین تھے''۔

(۳) حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ):

ومعاوية بن ابى سفيان الخليفة : صحابى أسلم قبل الفتح وكتب الوحى [2].

حضرتِ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما خلیفہ اور صحابی ہیں، فتحِ مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے اور آپ ''کاتبِ وحی'' تھے''۔

(۴) حافظ شمس الدّین الذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ):

وقد صح عن ابن عبّاس قاص : كنت ألعب فدعانى رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال : ادع لى معاوية ، وكان يكتب الوحى [3].

'' حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے ثابت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں کھیل رہا تھا کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا معاویہؓ کو بلاؤ اور معاویہ ﷛ ''وحی'' لکھا کرتے تھے''۔

---

(۱)۔(تاریخ بغداد......ج ۱ ص ۲۲۴، ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)۔(تقریب التہذیب......ج ۲ ص ۵۹۲، ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۳)۔(تاریخ الاسلام للذہبی......ج ۲ ص ۳۰۹، ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۵) علامہ علی بن برہان الدین الحلبی رحمہ اللہ:

قال بعضهم كان معاوية وزيد بن ثابت رضى الله عنهما ملازمين للكتابة بين يدى رسول الله ﷺ في الوحي وغيره لاعمل لهما غير ذلك (۱).

"بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا کام ہی صرف یہ تھا کہ یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے سامنے بیٹھ کر "وحی" اور غیر وحی (یعنی بارگاہِ رسالت ﷺ سے جاری ہونے والے خطوط وفرامین) لکھا کرتے تھے اس کے سوا ان کا کوئی دوسرا کام نہیں تھا"۔

(۶) حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ):

معاوية بن ابى سفيان ...... خال المؤمنين ، وكاتب وحى رب العالمين ...... والمقصود أن معاوية كان يكتب الوحى لرسول الله مع غيره من كتّاب الوحى رضى الله عنهم (۲).

"حضرتِ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما مومنین کے ماموں اور "کاتبِ وحی باری تعالیٰ" ہیں ...... اور مقصد یہ ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ دیگر کاتبانِ وحی کی معیت میں سرورِ دوعالم ﷺ پر نازل شدہ "وحی کی کتابت" کرتے تھے"۔

نیز: والمقصود منه أن معاوية كان من جملة الكتّاب بين يدى رسول الله الذين يكتبون الوحى (۳).

"مقصود یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے جملہ کاتبین میں سے تھے جو کہ "کتابتِ وحی" کا فریضہ انجام دیتے تھے"۔

---

(۱)۔(السیرۃ الحلبیۃ ...... ج ۳ ص ۴۴۷، باب ذکر المشاہیر من کتابہ صلی اللہ علیہ وسلم)

(۲)۔(البدایہ والنہایہ ...... ج ۸ ص ۲۰۔۲۱، سنۃ ۶۱ھ فضل معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۳)۔(ایضاً ...... ج ۸ ص ۱۱۹، ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما وذکر شئ من ایامہ الخ)

(۷) حافظ احمد بن حجر الہیتمی المکّی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ):

قال المدائني كان زيدبن ثابت يكتب الوحي و كان معاوية يكتب للنبي صلى الله عليه وسلم فيما بينه وبين العرب .أى من وحي و غيره . فهو أمين رسول الله صلى الله عليه وسلم على وحي ربه و ناهيک بهذا المرتبة الرفيعة[۱].

"مدائنی کہتے ہیں کہ سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتبِ وحی تھے اور سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ "کتابت وحی" کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ اور اہلِ عرب کے درمیان خطوط بھی لکھا کرتے تھے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ربّ کی وحی کے امین ہیں اور یہ مرتبۂ رفیعہ ان کے لیے بس ہے"۔

(۸) امام شہاب الدّین قسطلانی رحمہ اللہ (م ۹۲۳ھ):

معاوية بن ابی سفيان صخر ولد حرب كاتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم[۲].

"حضرتِ معاویہ بن ابی سفیان، صخر بن حرب رسول اللہ ﷺ کے "کاتبِ وحی" ہیں"۔

(۹) علامہ شہاب الدّین الخفاجی رحمہ اللہ (م ۱۰۹۹ھ):

معاوية صاحبه ﷺ وصهره لانه أخو زوجته ام حبيبة بنت ابی سفيان أم المؤمنين، وكاتبه لما ثبت أحد كتابه صلى الله عليه وسلم وأمينه على وحيه لانه بعد ان استكتبه كان يكتب ماينزل عليه من الوحي ولولم يستامنه ما استكتبه الوحي[۳].

---

(۱)۔(تطہیر الجنان......ص۱۰، الفصل الثانی، فی فضائلہ ومناقبہ وخصوصیاتہ الخ)

(۲)۔(*الناھیۃ......ص۱۸)

(*امیر معاویہ رضی اللہ عنہ از احمد یار گجراتی......ص۴۷، تحت امیر معاویہ کے خصوصی فضائل)

(۳)۔(نسیم الریاض...ج۳ص۴۳۰، فصل ومن توقیرہ وبرہ وتوقیر اصحابہ الخ)

''حضرتِ معاویہ ؓ آپ ﷺ کے صحابی اور سسرالی رشتہ دار ہیں، اس لیے کہ آپ کی زوجۂ محترمہ امّ المؤمنین اُمِ حبیبہؓ کے بھائی ہیں، اور معاویہ ؓ آپ ﷺ کے کاتب تھے، اور یہ ثابت شدہ ہے کہ معاویہ ؓ آپ ﷺ کے جملہ کاتبین میں سے کاتب اور وحیُ الٰہی پر آپ ﷺ کے امین تھے، اس لیے کہ معاویہ ؓ آپ ﷺ کے کہنے پر آپ ﷺ پر نازل شدہ ''وحی کی کتابت'' کیا کرتے تھے اور اگر وہ امین نہ ہوتے تو ''کاتبِ وحی'' نہ ہوتے''۔

(۱۰) حافظ ابنِ عساکر رحمہ اللہ (م ۵۷۱ھ):

معاویة بن ابی سفیان ـــــ خال المؤمنین، و کاتب الوحی رب العالمین [۱].

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ...... مؤمنین کے ماموں اور ربّ العالمین کی ''وحی کے کاتب'' ہیں''۔

(۱۱) حضرتِ مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۳ھ):

''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما غزوۂ حنین میں رسولِ خدا ﷺ کے ہمراہ تھے اور کچھ دنوں ''کتابتِ وحی'' کی خدمت ان کے سپرد تھی [۲]''۔

(۱۲) علامہ عبدالحیّ الکتّانی رحمہ اللہ (م ۱۳۸۲ھ):

قال القضاعی فإن لم یحضر احد منهم کتب الوحی من حضر من الکتاب وهم معاویة و جابر بن سعید بن العاص [۳].

''قضاعی کہتے ہیں کہ اگر جملہ کاتبین میں سے کوئی حاضر نہ ہوتا تو حاضرین میں سے کوئی ''وحی'' لکھ لیتا اور ان لکھنے والوں میں معاویہ اور جابر بن

---

(۱)۔(تاریخ مدینۃ دمشق......ج ۵۹ ص ۵۵، ترجمۃ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۲)۔(ازالۃ الخفاء مترجم......ج ۱ ص ۴۷۲، ضمیمہ متعلقہ فصل چہارم)

(۳)۔(التراتیب الاداریہ...ص ۱۱۵، القسم الثالث، الباب الاول فی کتاب الوحی)

سعید بن العاص رضی اللہ عنہما وغیرہ شامل ہیں''۔

نیز:

وانما كان اكثرهم مداومة على ذلك بعد الهجرة زيد بن ثابت ثم معاوية بعد الفتح[1].

''حضرتِ زید بن ثابت ؓ ہجرت کے بعد اور حضرت معاویہ ؓ فتحِ مکّہ کے بعد ''کتابتِ وحی'' پر سب سے زیادہ ذمّہ داری کے ساتھ لگے رہے''۔

(۱۳) علامہ محمد الخضری رحمہ اللہ:

''اِن کاتبینِ وحی میں جو لوگ زیادہ مشہور ہیں ان کے نام حسبِ ذیل ہیں...... زید بن ثابت ؓ، معاویہ بن ابی سفیان ؓ یہ دونوں بزرگ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ''وحی'' وغیرہ کی کتابت کیا کرتے تھے اس کے سوا ان کا کوئی کام نہ تھا[2]''۔

(۱۴) حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہم:

''کاتبینِ وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے لیکن ان میں سے زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں: حضرتِ ابوبکرؓ، حضرتِ عمرؓ، حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ علیؓ، حضرتِ ابی بن کعبؓ، حضرتِ عبداللہ بن ابی سراحؓ، حضرتِ زبیر بن عوامؓ، حضرتِ خالد بن سعید بن العاصؓ، حضرتِ ابان بن سعید بن العاصؓ، حضرتِ حنظلہ بن الربیعؓ، حضرتِ معقیب بن ابی فاطمہؓ، حضرتِ عبداللہ بن ارقم الزہریؓ، حضرتِ شرحبیل بن حسنہؓ، حضرتِ عبداللہ بن رواحہؓ، حضرتِ عامر بن فہیرہؓ، حضرتِ عمرو بن العاص، حضرتِ ثابت بن قیس بن شماسؓ، حضرتِ مغیرہ بن شعبہؓ، حضرتِ

---

(۱)۔(ایضاً.....ص ۱۱۷)

(۲)۔(تاریخ التشریع الاسلامی.....ص ۱۲ تحت التشریع فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

خالد بن ولیدؓ، حضرتِ معاویہ بن ابی سفیانؓ، حضرتِ زید بن ثابتؓ [۱]"۔

(۱۵) علامہ سیّد محمود احمد رضوی بریلوی:

جناب محمود احمد رضوی بریلوی اپنے مؤسس جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ایمان لانے کے بعد حضرتِ معاویہ ﷛ خدمتِ نبوی سے جدا نہ ہوئے، ہمہ وقت پاس رہتے اور "وحی الٰہی کی کتابت" کرتے، حضور رسولِ اکرم ﷺ کا ان کے دل میں جو احترام تھا وہ حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہا [۲]"۔

(۱۶) ڈاکٹر عبدالرّحمٰن عیسیٰ: (استاذ جامعہ امام محمد بن سعود)

آپ نے ایک کتاب "کتاب الوحی" کے نام سے تالیف فرمائی ہے اس میں کاتبینِ وحی کے دو گروہ ذکر کیے ہیں:

وهم كتاب التنزيل الحكيم وغيره وهم ستة ...... معاوية بن ابى سفيان يكتب فى التنزيل الحكيم وفيما بين النبى ﷺ وبين العرب...... وكان هو (معاوية) وزيدبن ثابت ملازمين للكتابة بين يدى رسول الله في الوحي وغيره لاعمل لهما غيرذلك [۳].

"کاتب وحی وغیرِ وحی سات ہیں ...... حضرتِ معاویہ ﷛ "کتابتِ وحی" اور ان تحریرات کو لکھا کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ اور اہلِ عرب کے درمیان ہوتی تھی ...... حضرتِ معاویہ اور حضرتِ زید بن ثابت رضی اللہ عنہما نہایت پابندی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے سامنے "وحی کی کتابت" کیا کرتے تھے، اس کے علاوہ ان کا کوئی کام نہ تھا"۔

---

(۱)۔(علوم القرآن......ص۱۷۹ تحت عہد رسالت میں کتابت قرآن، پہلا مرحلہ)

(۲)۔(شانِ صحابہؓ......ص۲۲ تحت امیر معاویہ ﷛ کے دل میں حضور ﷺ کا احترام)

(۳)۔(کتاب الوحی...... ص۶۶)

(۱۷) خطیب تبریزی (م ۷۴۳ھ) :

كان هو وابوه مسلمة الفتح من المؤلفة قلوبهم وهو احد الذين كتبوا لرسول الله صلى الله عليه وسلم الوحي[۱].

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے والد فتح مکہ پر اسلام لانے والوں میں سے تھے، (ابتدا میں) مؤلفۃ القلوب میں بھی رہے اور جو معاویہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ''وحی'' لکھتے رہے'' ۔

(۱۸) حضرتِ امام ابواسحاق الشاطبی رحمہ اللہ:

وذكر اهل السير أنه كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم كتّاب يكتبون له الوحي وغيره منهم عثمان وعلي ومعاوية والمغيرة بن شعبة وأبي بن كعب وزيد بن ثابت وغيرهم[۲].

''اور سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کاتبین آپ کے لیے وحی وغیرِ وحی کی کتابت کیا کرتے تھے، اوران کاتبین میں حضرتِ عثمان، حضرتِ علی، حضرتِ معاویہ، حضرتِ مغیرہ بن شعبہ، حضرتِ ابی بن کعب اور حضرتِ زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں'' ۔

(۱۸) شاہ معین الدّین ندوی رحمہ اللہ:

علمی اعتبار سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تہی دامن نہ تھے، ابتدا سے لکھنے پڑھنے میں مہارت رکھتے تھے، اسی بنا پر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''کاتبِ وحی'' بنایا تھا[۳]'' ۔

---

(۱) - (الاکمال فی اسماء الرجال ...... ص ۶۱۷)

(۲) - (الاعتصام ...... ج ۱ ص ۱۳۴، الباب الثالث تحت والوجہ الثانی من وجھی الجواب)

(۳) - (تاریخِ اسلام ...... ج ۲ ص ۴۳ تحت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

(۱۹) جناب احمد یار خان گجراتی بریلوی:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کا''تبِ وحی'' بھی اور کاتبِ خطوط بھی تھے جو نامہ و پیام سلاطین وغیرہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لکھواتے تھے[۱]''۔

(۲۰) محمد بن علی بن طباطبائی بابنِ الطقطقی:

ساتویں صدی ہجری کے مشہور شیعہ مؤرخ ابنِ طباطبائی لکھتے ہیں:

واسلم معاوية وكتب الوحي جملة من كتبه بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم[۲].

''حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جملہ کاتبین کے ہمراہ ''کتابتِ وحی'' کرتے رہے''۔

اس تفصیل سے بات واضح ہوگئی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ''کاتبِ وحی'' ہیں اور جب وہ کتابتِ وحی کے شرف سے مشرف ہوگئے تو ان کا عادل وامین ہونا خود ثابت ہوگیا کیونکہ کان لایستکتب الا عدلا امینا۔

روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ منصب حکمِ خداوندی سے عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرتِ جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

يا محمد أقرئ معاوية السلام واستوص به خيرا فإنه أمين الله على كتابه ووحيه ونعم الأمين[۳].

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلام کہیے اور ان کو نیکی کی تلقین فرمایئے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں''۔

---

(۱)۔ (امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ ...... ص ۴۷، تحت امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے خصوصی فضائل)

(۲)۔ (الفخری فی الآداب السلطانیہ ...... ص ۸۵، الفصل الثالث، الدولۃ الامویۃ، تحت ذکر شئ من سیرۃ معاویۃ)

(۳)۔ (البدایہ والنہایہ ...... ج ۸ ص ۱۲۰، تحت ترجمۃ معاویۃ بن ابی سفیان وذکر شئ من ایامہ وما ورد فی مناقبہ)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ ﷜ کو ''کاتبِ وحی'' بنانے کے لیے حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے کہا:

استكتبه فإنه أمين [1].

''آپ ان کو کاتب (وحی) بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں''

اب فرمایئے ان واضح تصریحات کے بعد مُصنّفِ نام ونسب کے اس بیان کی کہ ''صحیح قول'' کے مطابق (حضرتِ معاویہ ﷜) ''کاتبِ وحی نہ تھے'' کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے؟ دوسرے یہ کہ کیا کاتبِ نبوی ﷺ ہونا معمولی اعزاز ہے؟ کیا آپ ﷺ کے اقوال وارشاداتِ عالیہ وحی خفی نہیں ہیں؟

آخر میں مُصنّفِ نام ونسب کی ''طمانیتِ قلب'' کے لیے شیخ الاسلام امام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کا ایک حوالہ پیشِ خدمت ہے جس میں اُنھوں نے روافض کے حضرتِ معاویہؓ کے بارے میں عدمِ کتابتِ وحی کے قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

فهذا قول بلا حجة ولا علم [2].

''اور یہ قول (کہ حضرت معاویہ ﷜ کاتبِ وحی نہ تھے) بلا دلیل اور جہالت پر مبنی ہے''۔

اس کے بعد آپ نے ''کاتبانِ وحی'' کی فہرست حسبِ ذیل تحریر فرمائی ہے:

''حضرتِ ابوبکرؓ، حضرتِ عمرؓ، حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ علیؓ، حضرتِ عامر بن فہیرہؓ، حضرتِ عبداللہ بن ارقمؓ، حضرتِ ابی بن کعبؓ، حضرتِ ثابت بن قیسؓ، حضرتِ خالد بن سعید بن العاص، حضرتِ حنظلہ بن الربیع الاسدیؓ، حضرتِ زید بن ثابتؓ، حضرتِ معاویہؓ، حضرتِ شرجیل بن حسنہؓ [3]''۔

---

(۱)۔(ایضا)

(۲)۔(منہاج السنہ......ج ۲ ص ۲۱۴، فصل واما قول الرافضی وسموہ کاتب الوحی الخ وجوابہ)

(۳)۔(ایضاً)

تازیانۂ عبرت

محترم قارئین! مُصنّفِ نام ونسب کے سیّدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما پر بزعمِ خود وارد کردہ اعتراضات کا تارِ عنکبوت سے کمزور ہونا بحمداللہ واضح ہو چکا ہے

پہنچا دیا بہ منزلِ مقصود مصحفی!
چوبِ قلم سے میں خرِ مفتی کو ہانک ہانک

آخر میں مُصنّفِ نام ونسب کو حضرتِ ربیع بن نافع کی وصیت ونصیحت سنانا چاہتا ہوں:

معاوية بن أبي سفيان ستر أصحاب رسول الله ﷺ فإذا كشف الرجل السترا اجترئ على ماوراءه [1].

''حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ اصحابِ محمد ﷺ کا پردہ ہیں، جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس کے پیچھے کے لوگوں پر اس کی جرأتیں بڑھ جائیں گی''۔

جرأت کے اس بڑھنے کو مُصنّفِ نام ونسب کے ممدوح عالمِ دین ومفتی احمد یار خان گجراتی بریلوی (م ۱۳۹۱ھ) نے یوں بیان کیا ہے:

''آیئے ہم آپ کو اس بیماری والی جماعت کی آپس میں گفتگو سنائیں۔ سنیے اور عبرت حاصل کیجیے، چند حضرات آپس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس طرح گفتگو کر رہے ہیں:

پہلا شخص: یار امیر معاویہؓ بڑے فاسق وظالم تھے، اہلِ بیتِ اطہار رضی اللہ عنہم کے سخت دشمن تھے، انھوں نے علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار کیا اور ان کی وجہ سے ہزارہا مسلمانوں کا خون بہا۔ مسلمان عورتیں بیوہ ہوئیں، مسلمان بچے یتیم ہوئے۔ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو ستایا اور جس نے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کو ستایا اس نے رسول ﷺ کو ستایا اور جس نے رسول ﷺ کو ستایا اس نے رب کو دکھ دیا۔ بھلا ایسا

(۱)۔(تاریخ بغداد للخطیب......ج ۱ص ۲۲۳ تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

شخص کب سچا مسلمان ہوسکتا ہے۔ غضب ہے کہ لوگ معاویہؓ کو بھی پرہیز گار مانتے ہیں۔

دوسرا شخص: یار بات کہنے کی نہیں، چھوٹا منہ بڑی بات ہے، اہلِ بیت ؓ کو سب ہی نے جی بھر کر ستایا، برسوں کے "ؓ" نے ایسی حرکتیں کیں کہ توبہ بھلی۔ حضرتِ عائشہؓ، حضرتِ طلحہؓ، حضرتِ زبیرؓ (عشرہ مبشرہ والے) اور جنگِ جمل وصفین کے تمام وہ لوگ جو حضرتِ عائشہؓ یا معاویہؓ کے ساتھی تھے، سب ہی اہلِ بیت ؓ کی عداوت سے بھرپور تھے۔ سب ہی نے حضرتِ علی ؓ کے خلاف نبرد آزمائی کی۔

تیسرا شخص: یار میرا دل تو کہتا ہے کہ معاویہؓ جیسے فاسق و فاجر کے ہاتھ پر امامِ حسن ؓ کو بھی بیعت نہ کرنا چاہیے تھی۔ امامِ حسن ؓ نے بڑی بزدلی دکھائی کہ معاویہؓ سے صرف صلح ہی نہ کی بلکہ ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوگئے۔ امامِ حسین ؓ کی طرح مردِ میدان بن کر ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔ امامِ حسین ؓ پر جان قربان! کہ جان دے دی مگر ملعون یزید کی بیعت نہ کی۔ امامِ حسن ؓ کو کم از کم اپنے والدِ ماجد حضرتِ علی ؓ ہی سے سبق لینا چاہئے تھا کہ دین کی حمایت اور خلافت کی حفاظت میں کسی نقصان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے امیرِ معاویہؓ اور حضرتِ عائشہؓ کا ہمت سے مقابلہ کیا۔ امامِ حسن ؓ نے کیوں ایسا نہ کیا؟

چوتھا شخص: یار امامِ حسن ؓ کے صلح کے وقت امامِ حسین ؓ کو کیا ہوگیا تھا کہ وہ بھی خاموش رہے اور اپنے بھائی کو نہ سمجھایا، نہ ان سے قطع تعلق کیا۔ یہاں ہی امیرِ معاویہؓ کی امارت کا قلع قمع کر دیا ہوتا تو کربلا کا واقعہ ہی پیش نہ آتا نہ معلوم امامِ حسین ؓ اس وقت کیوں خاموش رہے اور کربلا والی جرأت وہمت امیرِ معاویہؓ کے مقابلہ میں کیوں نہ دکھائی۔ یار گومگو کا معاملہ ہے۔ کیا کہیں کیا نہ کہیں۔

پانچواں شخص: یار بات دور تک پہنچتی ہے، کہنے کی ہمت نہیں پڑتی ورنہ اگر غور کیا جائے تو بڑی غلطی حضرتِ علی ؓ سے ہوگئی کہ اتنا لڑ بھڑ کر پھر معاویہؓ سے صلح کرلی اور خلافت کے دو ٹکڑے ہوجانے پر راضی ہوگئے۔ تمام مصیبتوں کی جڑ تو حضرتِ علی ؓ کی یہ صلح ہے۔ بڑی غلطی اس صلح سے ہوئی۔

ساری ذمہ داری حضرتِ علی ؓ پر ہے۔ وہ اللہ کے شیر تھے، معاویہؓ کی امارت کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہوتی تاکہ آئندہ یہ واقعات ہی رونما نہ ہوتے۔

چھٹا شخص: یار اگر سچ پوچھو تو ان تمام فتنوں کی جڑ حضرتِ عمر ؓ نے قائم کی کہ معاویہؓ کو اپنے زمانۂ خلافت میں شام کا گورنر مقرر کر گئے۔ اگر یہ گورنری معاویہؓ کو نہ ملتی تو آئندہ ان کے دل میں خلیفہ بننے کا شوق نہ پیدا ہوتا۔ ان تمام فتنوں کی جڑ حضرت عمر ؓ کی قائم کی ہوئی ہے۔

ساتواں شخص: یار ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم دیا ہے تو خود نبی اکرم ﷺ ہی نے معاویہؓ جیسے دشمنِ اہلِ بیت ؓ کو اپنی بارگاہ میں باریاب کیوں ہونے دیا کہ اُنھیں اپنا کاتبِ وحی مقرر کیا۔ معاویہ کی بہن اُمِ حبیبہ سے نکاح کر کے معاویہ کو اپنا برادرِ نسبتی بننے کا موقع دیا، پھر ان کے فضائل بیان کر کے امیرِ معاویہ میں ہمت اور جرأت پیدا کی۔ ضرور حضور ﷺ سے بھی اس معاملہ میں لغزش واقع ہوئی۔ حضرتِ آدم کا گندم کھانا، حضور ﷺ کا امیرِ معاویہ کو باریاب کرنا بڑی خرابیوں کا باعث ہوا۔ (نعوذ باللہ منہ)

آٹھواں شخص: یار میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن تو حضور ﷺ کے صحابہؓ کی تعریف یوں کرتا ہے کہ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کہ وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر مہربان۔ مگر جب ان تمام جنگجو صحابہؓ کی تواریخ دیکھی جائے تو وہ آپس میں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، لڑ بھڑ کر ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتارنے والے ہیں۔ یا تو قرآن کی یہ آیت درست نہیں، کسی نے ملاوٹ کر دی ہے اور یا تمام جنگِ جمل یا صفین والوں میں کوئی بھی صحابی نہیں، ان کی لڑائیاں ہمارے اسلام پر ایک بدنما داغ ہے۔

یہ ان لوگوں کی گفتگو ہے جو اپنے آپ کو صحیح العقیدہ، راسخ العقیدہ، سچا اور پکا مسلمان سمجھ کر امیر معاویہ ؓ سے متنفر ہیں۔ غور کرو کہ امیرِ معاویہ ؓ کے بغض کی بیماری کس طرح ایمان کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اگر اس میں زیادہ بحث کی جائے تو پھر نہ صحابہ ؓ طعن سے بچتے ہیں نہ اہلِ بیت ؓ بلکہ پھر نہ

رسول اللہ ﷺ کی عظمت دل میں رہتی ہے، نہ قرآن کریم کا وقار (۱)‘‘۔

غلو و طغیان کی سرحد کے پار کھڑے لوگوں کے بارے میں مُصنّف نام و نسب خود یہ کہہ چکے ہیں:

> ’’افسوس کہ جب آنکھوں پر تعصّب کی دبیز پٹی بندھی ہوئی ہو تو قرآن و سُنّت کو بھی کچھ لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں، جن کا یہ حال ہو کہ ان کی نظر میں اللہ تعالیٰ اور رسولِ پاک ﷺ کی بھی وقعت نہیں تو کسی اور سے ان کے سلوک کا اندازہ خود بخود لگایا جا سکتا ہے (۲)‘‘۔

لیکن کریم آقا کے کرم سے کیا بعید ہے، اسی ذات واحد پر امید رکھتے ہوئے ہم مُصنّفِ کو اس خود رائی اور غیر مقلّدیت سے توبہ کی تلقین کرتے ہیں اور اس کتاب ’’نام و نسب‘‘ کے نویں باب (جو سیّدنا معاویہ ﷺ کی توہین و تنقیص پر مشتمل ہے) کو آئندہ ایڈیشن میں حذف کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کیونکہ اکابرِ اُمّت کی توہین و تذلیل، بے ادبی اور عیب جوئی ابتداءً سلبِ توفیق اور انتہاءً سلبِ ایمان کا ذریعہ بن جاتی ہے (اللہ پاک ہم سب کو اس سے پناہ میں رکھے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ) مُصنّف مرضِ ناصبیت کا تریاق ڈھونڈنے چلے تھے لیکن اکابر پر عدمِ اعتماد کی بدولت خود صحابیِ رسول ﷺ کی شان میں استخفاف بلکہ گستاخی کے مرتکب ہو گئے......

ع لو آپ اپنے دام میں صیّاد آ گیا

ورنہ مُصنّف کے اپنے خاندانی بزرگ پیر مہر علی شاہ صاحب کے شیخِ طریقت حضرت خواجہ شمس الدّین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ (جنھیں مُصنّفِ نام و نسب نے ’’عمدۃ الواصلین، شمس العارفین‘‘ کے القاب سے یاد کیا ہے) حضرتِ علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیانی نزاع کو ’’اجتہادی‘‘ تصور کرتے ہیں، نہ کہ ’’عنادی (۳)‘‘ اور ان کا کہنا ہے:

> تا آنکہ درحق جمیع اصحابان اعتقاد درست ندارد ایمان او کامل نباشد (۴)۔
>
> ’’جب تک تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اعتقاد درست نہ ہو ایمان کامل نہیں ہو سکتا‘‘۔

---

(۱)۔(امیرِ معاویہ ﷺ......ص ۸-۱۱)
(۲)۔(نام و نسب......ص ۴۸۹)
(۳)۔(مرآۃ العاشقین......ص ۱۰۹)
(۴)۔(ایضاً)

اگر مصنفِ نام ونسب جمہور علمائے اہلِ سُنت اور خود اپنے بزرگوں کی باتوں کی بھی اپنے عمل سے صریح تردید بلکہ تکذیب کردیں تو کیا اب بھی ہم انہیں فکری غیر مقلد نہ کہیں، جنھیں مسلکِ اہلِ سُنت میں بھی پورے اعتدال وتوازن کے بجائے ''کچھ توازن ملتا ہے[1]''۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے ذمہ جو فرائضِ نبوت عاید کیے تھے، ان میں سے ایک اہم فریضۂ نفوس کا تزکیہ وتصفیہ بھی تھا۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صحبتِ نبوی ﷺ کے شرف سے باریاب ہوکر بھی (بقول مُصنفِ نام ونسب) کسی ''فضیلت'' کے حامل نہیں، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ''بغض وعناد'' رکھنے والے، ''خطائے منکر'' کا ارتکاب کرنے والے، ''بدعات کے بانی'' اور اس کو ''رواج دینے والے'' اور نواسۂ رسول ﷺ کو ''زہر دے کر شہید کروانے والے'' ہیں، ان میں کوئی ایسا کمال نہیں جس سے اُمت پر ان کی ''سُنت کا اتباع'' لازم ہو اور ان میں بے شمار ایسی خرابیاں، نعوذ باللہ، موجود ہیں جنھیں بقول مُصنف نام ونسب ''مستند تاریخی حوالہ جات'' کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے[2]۔ سوایسی برائیوں اور خرابیوں کے ہوتے ہوئے کیا ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ پھر بارگاہِ نبوت ﷺ میں باریابی اور صحبتِ نبوی ﷺ کی بدولت حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا تزکیہ ہوا؟ کیا مُصنف موصوف زبانِ حال سے ایرانی لیڈر خمینی کے اس قول کی تصدیق نہیں کررہے:

> ''جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے لیے آئے، ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں، لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ختم المرسلین ﷺ جو انسان کی اصلاح کے لیے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لیے آئے تھے۔ انسان کی تربیت کے لیے آئے تھے، لیکن وہ اپنے زمانہ میں کامیاب نہیں ہوئے[3]''۔

ورنہ امامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا وہ ایمان افروز، وجد آفریں اور عشق ومعرفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ڈوبا ہوا بیان کس علم دوست اور صاحبِ تحقیق سے پوشیدہ ہوگا (جو بلاشبہ شیخ مجدد رحمہ اللہ کے کمالاتِ وہبیہ اور مقامِ مجددانہ کا آئینہ دار ہے) جس میں آپ نے واقعہ قرطاس پر

---

(۱)۔ (نام ونسب......ص ۵۴۴)

(۲)۔ (نام ونسب ص......۵۱۹)

(۳)۔ (اتحاد ویکجہتی امام خمینی کی نظر میں......ص ۱۵ مطبوعہ خانہ فرہنگ ایران، ملتان)

کلام کرتے ہوئے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر کیے گیے تمام مطاعن کا اصولی جواب مرحمت فرمایا ہے، جس کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس سلسلہ کی تمام تر بحثوں کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے اور معترضینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی علمی حیثیت اور تحقیقی وقعت آشکار ہو جاتی ہے اور ان مبغوضین کے سیاہ کیے ہوئے دفتر کے دفتر فاروقی ہیبت وجلال سے خاک میں مل جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور سیدھے راستہ پر چلائے، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ شبہہ اور اس جیسے اور شبہات جن کو بعض لوگ حضراتِ خلفاءِ ثلاثہ اور دیگر تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر وارد کرتے ہیں اور ان شکوک واعتراضات سے ان کو مجروح ومطعون کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ کچھ انصاف سے کام لیں اور حضرتِ خیر البشر ﷺ کی صحبت کی فضیلت واہمیت کو قبول کرلیں اور جان لیں کہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہ کر ان کے نفوس ہوا وہوس سے صاف اور ان کے سینے کینوں اور کدورتوں سے پاک ہو گئے تھے اور سمجھ لیں کہ یہ وہ بزرگانِ دین اور عظمائے اسلام ہیں جنھوں نے دن اور رات، خفیہ اور اعلانیہ غرض ہر وقت اور ہر طرح دینِ متین کی تائید وحمایت اور اعلاءِ کلمۂ اسلام کے لئے اپنی تمام کوششیں اور طاقتیں صرف کر دیں اور حضور رسولِ مقبول ﷺ کی محبت کی وجہ سے اپنے کنبے، قبیلوں، اپنے بال بچوں، اپنی چہیتی بیبیوں کو چھوڑ دیا، اپنے عزیز وطنوں، اپنے آباد گھروں کو، اپنے چشموں اور کھیتوں کو، اپنے درختوں اور اپنی نہروں کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے نفسِ مقدس کو اپنے نفوس پر ترجیح دی اور حضور ﷺ کی محبت کو اپنی اور اپنے اموال واولاد کی محبت پر مقدم رکھا، انہوں نے وحی کو اترتے اور فرشتوں کو آتے دیکھا، حضور ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کی روشن نشانیوں کا انہوں نے بہ چشمِ خود مشاہدہ کیا، یہاں تک کہ ''غیب'' ان کے حق میں ''شہادت'' بن گیا اور ان کا علم الیقین، عین الیقین سے بدل گیا، وہی وہ خوش نصیب ہیں جن کی مدح وثنا حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل فرمائی اور اعلان فرمایا کہ ''اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں'' اور دوسری جگہ فرمایا کہ ''یہ حال سطور ہے ان کا توراۃ

میں اور انجیل میں'' الخ، پھر جبکہ تمام صحابہ کرامؓ ان خصائص و فضائل سے مشرّف ہیں تو پھر خاص اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی حضراتِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق کیا کہا جائے اور کیا کہا جا سکتا ہے''۔

پھر چند سطور کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

''اگر ان اعتراض کرنے والوں کی نظر میں کچھ انصاف ہو اور یہ حضرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی عظمت کو مان لیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بزرگی اور عالی مرتبی کو جان لیں تو زیادہ بعید نہیں کہ یہ خود ہی اپنے ان شبہات کو ملمّع شدہ مغالطوں اور سفسطوں کے رنگ میں دیکھنے لگیں اور ان کو درجۂ اعتبار و اعتماد سے ساقط کر دیں، اگرچہ غلط فہمی کے منشاء کی تعیین نہ کر سکیں اور فریب و سفسطہ کے محل کو انگلی رکھ کر نہ بتا سکیں، لیکن کم از کم اجمالاً اس قدر ضرور سمجھ لیں گے کہ یہ شکوک و شبہات لاحاصل ہیں، بلکہ بہت سی بدیہی اور کھلی ہوئی حقیقتوں کے خلاف اور کتاب و سُنّت سے مردود و مطرود ہیں (۱)''۔

اس تمہید کے بعد حضرتِ مجدّد رحمہ اللہ نے واقعہ قرطاس پر چند مقدمات قائم کر کے مُفصّل کلام فرمایا ہے اور اس سے متعلق شیعوں کے مشہور اعتراض کا تفصیلی جواب دیا ہے اور گویا اس کے مقدمات کی تحلیل کر کے انگلی رکھ رکھ کے بھی بتلا دیا ہے کہ کہاں کہاں اس میں فریب دیا جاتا ہے، اس کے بعد پھر اسی اصولی رنگ میں فرماتے ہیں:

''فقیر کے نزدیک ان شکوک و شبہات کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی چالاک اور پُرفن شخص بیوقوفوں کی کسی جماعت کے پاس پہنچا اور ایک پتھر کو جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اپنے پُرفریب دلائل اور ملمّع شدہ مقدمات سے سونا ثابت کرے اور یہ بے چارے اس کے پُرتزویر ''دلائل'' کے جواب سے عاجز ہونے اور تعین و تشخیص کے ساتھ اس کی غلطی نہ پکڑ سکنے کی وجہ سے خود شبہہ میں پڑ جائیں بلکہ اپنے مشاہدہ کے خلاف اس کو سونا یقین کرنے

---

(۱)۔ (مکتوباتِ امامِ ربانی......دفتر دوم، مکتوب ۹۶)

لگیں اور اپنے احساس وادراک کو نا قابلِ اعتماد سمجھ کر پس پشت ڈال دیں، لیکن عقل منداور ہوشیار آدمی کا کام یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی حس اور اپنے ادراک کی ہدایت پر اعتماد کرے اور ان ملمع شدہ وہمی مقدمات کو نا قابلِ اعتناء سمجھے، بالکل یہی حال مسئلہ زیرِ بحث کا ہے کہ حضراتِ خلفاء ثلاثہؓ بلکہ تمام صحابۂ کرامؓ کی بزرگی اور عالی مرتبی قرآن وحدیث کی رو سے جانی بوجھی بلکہ گویا آنکھوں دیکھی حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، لیکن یہ ناحق کوش جماعت اپنے ملمع شدہ دلائل سے ان پر طعن وقدح کرتی ہے۔ پس ان کی وہ جرح وقدح بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی عیار اپنے ہاتھ کے پتھر کے ٹکڑے کو سونا ثابت کرنے کی کوشش کرے اور "منطقی" دلائل سے سیدھے لوگوں کو بے وقوف بنائے[۱]"۔

اہلِ صفّین سے متعلق رؤیائے صالحہ[۲]:

آخر میں ہم اہلِ صفّین کے حق میں بطورِ بشارتِ عظمیٰ کچھ رویائے صالحہ (جن کو اکابر علمائے اعلام اور محدثینِ عظام رحمہم اللہ نے اپنی معتمد ومستند کتب میں جگہ دی ہے) کو ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ کتاب وسنّت، بیاناتِ سلف اور تاریخی شواہد کے بعد اگرچہ اس کی ضرورت نہ تھی، تاہم فطری طور پر رویائے صالحہ اور مبشّراتِ صادقہ سے ایک گونا اطمینان حاصل ہوتا ہے...... اس کی وجہ یہ ہے کہ نبوّت کے تمام دروازے بند ہو چکے ہیں، صرف ایک کھڑکی کھلی ہے، جس سے بقول لسانِ نبوّت "الرجل الصّالح" دیکھتے ہیں، سیّدنا انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

الرويا الحسنة من الرجل الصالح جزأ من ستة واربعين جزأ من النبوة[۳].

---

(۱)۔ (ایضاً)

(۲)۔ دلائلِ شرعیہ بالاتفاق چار ہیں، کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ ﷺ، اجماعِ اُمت اور قیاسِ مجتہد، ان میں سے اوّل تین دلیلیں حجتِ ملزمہ ہیں جبکہ چوتھی اور آخری دلیل حجتِ مطمئنہ ہے، منامات ومکاشفات دلائلِ شرعیہ کی کوئی قسم نہیں، ہاں یہ مبشّر یا منذر ہو سکتے ہیں ان کو ادلّۂ شرعیہ پر پیش کیا جائے گا اگر موافق ہوں تو مقبول ورنہ مردود یا مؤوّل ہوں گے۔

(۳)۔ (صحیح بخاری...... ج۲ ص۱۰۳۴، کتاب التعبیر باب الرؤیا الصالحۃ)

''مردِ صالح کو اچھے خواب آنا نبوّت کا چھیالیسواں حصّہ ہے''۔

حضرتِ عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''یاایھا الناس انہ لم یبق من مبشرات النبوۃ الارویا الصالحۃ یراھا المسلم اوتریٰ لہ [1]۔

''اے لوگو! نبوّت کی خوش خبری دینے والی چیزوں میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی، سوائے ان سچے خوابوں کے جو مسلمان اپنے لیے دیکھے یا دوسرا اس کیلئے دیکھے''۔

حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام میں سیّدنا ونبیّنا یوسف علیہ السلام کو یہ نعمت خصوصی طور پر عطا ہوئی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شہباز عالمِ تکوین تھے اور تابعین میں اس سلسلہ کے سرخیل حضرت امام ابنِ سیرین رحمہ اللہ (م ۱۱۰ھ) ہوئے ہیں۔

حضرت ابومیسرہ رحمہ اللہ کا رؤیائے صالحہ:

معروف تابعی حضرت عمرو بن شرجیل رحمہ اللہ جن کی کنیت ابو میسرہ ہے، آپ سیّدنا عمر، سیّدنا علی اور سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد ہیں، آپ جنگِ صفین میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریکِ قتال تھے، فرماتے ہیں کہ میں اہلِ صفّین کے معاملہ میں بڑے تردّد اور پریشانی میں تھا:

قال: رأیی فی المنام أبو میسرۃ عمرو بن شرجیل ، وکان من أفضل أصحاب عبد اللہ ، قال: رأیت کأنی أدخلت الجنۃ ، فرأیت قبابا مضروبۃ فقلت لمن ھذہ؟ فقیل: ھذہ لذی الکلاع وحوشب ، وکانا ممن قتل مع معاویۃ یوم صفّین، قال: قلت : فأین عمار وأصحابہ؟ قالوا: أمامک قلت: وکیف وقد قتل بعضھم بعضا؟ قال: قیل: إنھم لقوا اللہ فوجدوہ واسع المغفرۃ ،

---

(۱)۔(* سنن ابی داؤد......ج ۱ص ۱۲۷، کتاب الصلوۃ، باب الدعاء فی الرکوع والسجود)

قال: فقلت: فما فعل أهل النهر؟ قال: فقيل : لقوا برحا[1].

"پس اس حالت میں مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں جنت میں داخل ہوا ہوں کیا دیکھتا ہوں کہ جنت میں خیمے لگے ہوئے ہیں، میں نے دریافت کیا یہ کن لوگوں کے ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ ذوالکلاع اور حوشب کے ہیں، یہ دونوں بزرگ حضرت معاویہؓ کی حمایت میں جنگِ صفّین میں شہید ہوئے تھے، میں نے کہا حضرتِ عمارؓ اور ان کے رفقاء کہاں ہیں؟ کہا گیا وہ آگے ہیں، میں نے کہا انہوں نے تو ایک دوسرے کو قتل کیا تھا، کہا گیا کہ ان کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کو" واسع المغفرۃ" پایا، پھر میں نے پوچھا کہ اہلِ نہروان (یعنی خوارج) کا کیا بنا؟ کہا گیا ان کو سختی اور شدت کا سامنا کرنا پڑا"۔

خلیفۂ صالح حضرتِ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا رویائے صالحہ:

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) جن کو مُصنّفِ نام ونسب نے اپنی اسی کتاب میں "مستند مورِخ" کے لقب سے یاد کیا ہے[2]...... نے اپنی تاریخ کی مشہور ومعروف کتاب البدایہ والنہایہ میں، اور حضرتِ امامِ غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) نے اپنی مشہور کتاب "کیمیائے سعادت[3]" اور حافظ ابنِ قیم رحمہ اللہ (م ۷۵۱ھ) نے اپنی "کتاب الرّوح[4]" میں اس خواب کا ذکر کیا ہے، ہم یہ خواب البدایہ والنہایہ سے پیش کر رہے ہیں:

عن عمر بن عبدالعزيز قال : رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام أبوبكر وعمر و جالسان عنده، فسلمت عليه وجلست، فبينما أنا جالس إذا أتى بعلي ومعاوية، فأدخلا بيتا وأجيف الباب وأنا أنظر، فما كان بأسرع من أن خرج علي و. هويقول : قضى لي ورب الكعبة، ثم كان بأسرع من أن خرج

(۱)۔(المصنف لابنِ ابی شیبہ......ج۱۵ص۲۹۰-۲۹۱ تحت کتاب الجمل، باب ماذکر فی الصفین)
(۲)۔(نام ونسب......ص۵۰۶)
(۳)۔(ص۴۸۴) (۴)۔(ص۳۱)

معاویة وهو يقول : غفرلي ورب الكعبة[1]۔

''حضرتِ عمر بن عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ مجھے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، جب میں بھی آپ ﷺ کی خدمت میں بیٹھ گیا تو ناگہاں سیدنا علی اور حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا اور ایک مکان میں داخل کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ سیّدنا علیؓ یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ ربِّ کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہوا ہے۔ پھر جلد ہی حضرتِ معاویہؓ باہر تشریف لائے، اس حالت میں کہ وہ فرما رہے تھے کہ ربّ کعبہ کی قسم! مجھے معاف کر دیا گیا''۔

یہ رویائے صالحہ تو اہلِ صفّین کے متعلق تھا، اب ایک خواب حضرت سیّدنا معاویہ کی شانِ اقدس میں استخفاف کا باعث بننے والے ایک پیر صاحب کا سنیے جو خواب میں متنبہ ہونے کے بعد تائب ہوئے۔ جناب سیّد محمد باقر علی شاہ صاحب (سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ) اپنا خواب ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

''آپ لوگ شانِ امیر معاویہ ﷛ کتب سے بیان کرتے ہیں اور اس پر دلائل قائم کرتے ہیں، لیکن میں اپنی آپ بیتی اور خود پر وارد ہوئی بات بتلانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ایک دن دس بجے دن ایک آدمی سے میں نے دورانِ گفتگو کہا، امیرِ معاویہؓ نے جو حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ سے مقابلہ کیا، اس میں انہوں نے بڑی زیادتی کی۔ اتنا کہا، اور اس کے ساتھ ہی میرے دل میں خیال آیا کہ امیرِ معاویہ ﷛ کی شان میں میں نے غلط الفاظ کہے ہیں اور معاً اس کے ساتھ روحانی فیض بند ہو گیا، سارا دن پریشانی میں گزرا، جب رات پڑی اور میں سو گیا، خواب میں پرانی بیٹھک شریف دیکھی، قبلہ والدی ماجدی حضرت خواجہ نورالحسن شاہ صاحب خلیفۂ مجاز حضرتِ شیر ربانی قبلہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام زندگی اسی بیٹھک شریف میں روحانی سلسلہ جاری رکھا اور یہیں وصال

(۱)۔ (البدایہ والنہایہ......ج ۸ ص ۱۳۰، تحت ترجمہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما)

فرمایا۔ اچانک خواب میں ہی کسی نے بیٹھک شریف کا دروازہ کھٹکھٹایا، دروازے کو دھکا دے کر کھولا تو اچانک حضور نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے، آپ ﷺ کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ تینوں حضرات اس طرح کھڑے تھے کہ حضور ﷺ کی دائیں طرف حضرتِ علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ اور امیرِ معاویہؓ خاموش کھڑے تھے، حضرتِ علی کرم اللہ وجہہ نے ناراضگی میں مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

"جھگڑا امیرا اور امیرِ معاویہ کا تھا، اس میں تمہیں دخل دینے کا کیا حق حاصل ہے؟"

آپ نے یہی جملہ تین مرتبہ فرمایا۔ میں نے معافی مانگی، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر تینوں حضرات تشریف لے گئے۔ اس واقعہ کے چھ ماہ بعد نہ تو حضرت قبلہ میاں صاحب شرقپوری رحمہ اللہ علیہ کی اور نہ ہی قبلہ والدی و مرشدی سرکار حضرت کیلیانوالہ شریف کی زیارت نصیب ہوئی اور ہر قسم کا روحانی فیض بند رہا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور فیض کا سلسلہ جاری ہو گیا[1]۔

اب ایک خواب اور سنیے جس میں بارگاہِ مرتضویؓ سے گستاخِ سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر عتاب کا فیصلہ سنایا گیا ہے:

"ایک سیّد صاحب امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سخت دشمن تھے، ان پر اعتراض کرتے رہتے تھے، ایک روز جب حضرت شیخ احمد مجدّد الفِ ثانیؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کر رہے تھے، ایک جگہ اس میں انہوں نے کہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف لکھی دیکھی، دشمن تو تھے ہی غصہ آ گیا اور غصہ بھی اتنا کہ محض اس تعریف کی بنا پر مکتوبات کی جلد کو ہاتھ سے پھینک دیا۔ اسی رات کو سیّد صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت مجدّد صاحب تشریف لائے اور ان کے دونوں کان پکڑ کر کہا "بے ادب تو میرے لکھے پر اعتراض کرتا ہے حالانکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح لکھا ہے۔ اور اگر تجھے یقین نہیں تو میں تجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے چلتا ہوں، خود ان سے پوچھ لینا۔ چنانچہ حضرت

---

(۱)۔ (تحفۂ جعفریہ......ج ۲ ص ۳۲۱-۳۲۲)

اسے کھینچتے ہوئے دربارِ مرتضٰی رضی اللہ عنہ میں لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ حضورِ محترم! دیکھیے یہ شخص امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دشمن ہے اور ان کی دشمنی کی بناء پر میرے مکتوبات کو بھی اس نے اٹھا کر پھینک دیا ہے اور باز نہیں آتا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

''دیکھو سرکارِ دو عالم ﷺ کے صحابہؓ کا بہت بڑا مرتبہ ہے، ان سے .... عداوت ہرگز نہ کرنی چاہیے اور نہ ان کی برائی کرنی چاہیے، شیخ احمد نے معاویہؓ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے''۔

یہ سن کر سیّد صاحب بہت متحیّر ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ''لغزشیں'' پیش کر کے حجت کرنے لگے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابھی اس جاہل کے قلب میں حقیقت کی روشنی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے سینہ پر ایک سیلی (مُکّا) ماردو تا کہ یہ معاویہؓ کی برائی اور عداوت کے گناہ سے توبہ کرے۔ چنانچہ شیخ احمدؒ نے تعمیلِ ارشاد کی، اس پر توبہ کر لی۔ صبح جو اٹھے تو سیّد صاحب کے سینہ میں درد بھی تھا اور چوٹ کا نشان بھی[1]''۔

اللہ پاک ہمارے عقائد و اعمال کی حفاظت فرمائیں اور ہدایت پر ہمارا خاتمہ ہو۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ۔

محترم قارئین! ہمیں احساس ہے کہ پوری احتیاط کے باوجود ہمارے قلم سے بعض الفاظ سخت بھی نکل گئے ہوں گے جو یقیناً طبعِ نازک پر گراں گزریں گے، ہم قارئین سے یہ کہتے ہوئے معذرت کرتے ہیں کہ فان لصاحب الحق مقالاً[2]۔ بے شک صاحبِ حق گرم گفتگو کا مجاز ہے اور بقولِ شاعر ؎

بیمار کی حالت جب بدلے نسخہ بھی بدلنا پڑتا ہے
مرہم تو لگاتے ہیں لیکن نشتر بھی لگانا پڑتا ہے

اللہ گواہ ہے کہ میں نے یہ باتیں دکھے ہوئے دل کے ساتھ لکھی ہیں۔ جس سے مقصود صرف مؤقف اہلِ سُنّت کا مدلّل اظہار ہے نہ کہ کسی کی توہین و تنقیص کا جذبہ ؎

---

(۱)۔(تذکرۂ اولیائے ہند......ج ۳ ص ۹۶-۹۷)

(۲)۔(صحیح البخاری......ج ۱ ص ۳۲۱، کتاب فی الاستقراض واداء الدیون، باب استقراض الابل)

اندازِ بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے کیا ہی پیاری بات ارشاد فرمائی ہے:

''صحابۂ کرام ؓ دین کی پوری عمارت کی بنیاد ہیں، اس بنیاد کی ایک اینٹ بھی اگر اپنی جگہ سے ہلائی جائے تو پورا قصرِ ایمان متزلزل ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں انہیں دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس تحریر کا منشاء بھی اس کے سوا کچھ نہیں (۱)''۔

ربِّ قدیر! اس میں اثر انگیزی کی طاقت پیدا کردے اور آخرت میں جب ناموسِ اصحابِ رسول ﷺ و ؓ کا تحفظ کرنے والوں پر تیرے انعام واکرام کی بارش ہورہی ہو تو فقط اپنے رحم وکرم سے چند چھینٹے اس بدکار اور روسیاہ پر بھی ڈال دے تو یہ غنی ہوجائے گا۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ

صفِ اوّلیں تو ہے خاص صف وہاں پاؤں جا یہ کہاں شرف
صفِ آخریں سے بھی دور تر جو اشارہ ہو تو وہیں سہی

آخر میں مولانا علی شیر حیدری صاحب مدظلہ العالی جیسے عالمِ حقانی اور مردِ مجاہد کی خدمت میں دست بستہ درخواست ہے کہ حضرت! آپ جیسے علماء کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو عوام الناس اپنے لیے سند سمجھتے ہیں......

ع کافی ہے تسلّی کو تری ایک نظر بھی

اوّل تو آپ ایسی کتابوں کے حوالہ سے گریز ہی کیا کریں اور اگر حوالہ دینا ناگزیر ہی ہو تو پھر ایسی کتابوں کی خامیوں کی طرف بھی اشارہ ضرور فرما دیا کریں، تاکہ عوام الناس ایسی کتابوں کو پڑھ کر مغالطہ میں مبتلا نہ ہوں......

ع نہیں معلوم یہ کس کس کی نظر سے گزرے

---

(۱)۔ (حضرتِ معاویہ ؓ اور تاریخی حقائق......ص ۱۶۱)

پیغامِ سروش:

ساتھ ہی اپنے محترم قارئین کو قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ (م ۵۴۳ھ) کی ایمان افروز وصیت سنانا چاہتا ہوں جو عہدِ حاضر کے مسلمانوں کے لیے "سرودِ ازلی" اور "پیغامِ سروش" ہے:

وقد بينت لكم أنكم لاتقبلون على أنفسكم في دينار، بل في درهم إلاعد لابريئاً من التهم، سليما من الشهوة، فكيف تقبلون في أحول السلف وماجرى بين الأوائل ممن ليس له مرتبة في الدين، فكيف في العدالة [1].

"میں تم سے برملا کہتا ہوں کہ جب تم اپنے خلاف دینار بلکہ درہم تک کا دعویٰ اس وقت تک تسلیم نہیں کر سکتے جب تک (تمہیں یقین نہ ہو جائے) کہ مدّعی سچا، اتہامات سے بری اور نفسانی خواہشوں سے پاک ہے، تو تم احوالِ سلف اور مشاجراتِ صحابہ ﷺ کے بارے میں ایسے آدمی کی بات کیسے مان لیتے ہو، جس کی عدالت تو کجا، دین میں بھی اس کا کوئی مقام نہیں"۔

اللّٰهم وفقنا لما تحب وترضا من قول اوعمل

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

---

(۱)- (العواصم من القواصم......ص ۲۵۲)

موصوف نے تحقیق کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت، محبت اور ان کی عبقریت ایسے جامع اور منفرد انداز میں بیان کی ہے کہ منصف مزاج قاری کے لیے اقرار و اعتراف کے علاوہ کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہتا، بالخصوص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے جواب میں جن حقائق سے پردہ اٹھایا ہے وہ حصہ اس کتاب کا ''شاہکار'' کہلانے کا مستحق ہے۔
بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب لاجواب ہے اور اس سے پہلے اس موضوع پر ایسی جامع تصنیف نظر سے نہیں گزری۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب

مولانا ظفر اقبال صاحب نے ایک مظلوم صحابیؓ کے دفاع میں بڑی محنت سے قلم اٹھایا متانت کے ساتھ ان پر عائد کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیا، دل سے دعا کرتا ہوں کے اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اور اسے نافع بنائیں۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مولانا نے از حد محنت کے ساتھ نقد کیا ہے لیکن اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور نہ ہی سوقیانہ زبان استعمال کی ہے، مؤلف کو نہ صرف قلم اور جذبات پر بلکہ اپنے موضوع پر بھی پوری گرفت حاصل ہے اس لیے وہ اپنے قارئین کو مطمئن اور قائل کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوئے ہیں تعصب سے دامن بچا کر کتاب کا مطالعہ کرنے والے حضرات اپنے آپ کو میری رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور پائیں گے۔

مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جرح کے جتنے دروازے کھولے گئے ہیں اس کتاب میں اُنھیں مضبوطی سے بند کر دیا گیا ہے۔ مدافعت کا پورا اسلوب اور تحقیق کا سارا انداز سلف کے طریق پر ہے اور یہ اس کتاب کی سب سے بڑی قوت اور خوبی ہے۔ سلف کو سند بنائے بغیر رد و قبول کا کوئی بھی عمل دینی وثوق سے محروم رہ جاتا ہے۔

احمد جاوید صاحب